سلسلۂ نصابِ تعلیمِ جامعۂ عثمانیہ

زر اور ذرائع مبادلہ

تصنیف

ڈبلیو۔ اسٹینلی جیونس ایم۔ اے۔ ایف۔ آر۔ ایس

ترجمہ

مولوی احمد محی الدین صاحب۔ ایچ۔ سی۔ ایس

ناظم عدالت ضلع پربھنی

سنہ ۱۳۵۷ھ سنہ ۱۳۴۷ف سنہ ۱۹۳۸ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین
زر اور ذرائع مبادلہ

تمہید

میں نے اس کتاب کی ترتیب میں دنیا کے سابق اور موجودہ نظام ہائے زر اور ان اشیاء پر جن سے کہ زر بنتا ہے نیز ان قواعد وضوابط پر جن کے تحت سکّے ضرب اور جاری کئے جاتے ہیں اور ان قدرتی اصولوں پر جن پر سکوں کے چلن کا دار و مدار ہے ایک تفصیلی نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلہ میں چک اور چکوتی کے طریقے سے جو دن بدن مکمل اور عام ہوتا جارہا ہے جس سے زر کے استعمال میں خاص کمی پیدا ہوتی ہے نیز ان تدبیروں سے بھی بحث کی گئی ہے جس کی بدولت زر کے عوض کاغذی وثیقہ جات کا استعمال ہونے لگا ہے اس کتاب کو مسئلۂ زر کے اس پہلو سے تعلق نہیں ہے جس پر انگلستان میں شدت سے بحث مباحثہ اور خامہ فرسائی ہورہی ہے۔ بنک چارٹر ایکٹ جس سے ہم نے ایک سرسری بحث کی ہے اور زر کی منڈی کے رموز و اسرار کی واقفیت کے لئے میں ناظرین کو مسٹر ہیج ہاٹ کے اس عمدہ مضمون کے مطالعہ کی سفارش کروں گا جو "لمبارڈ اسٹریٹ" کے نام سے شائع ہوا ہے البتہ ان مباحث کی کچھ ابتدائی معلومات اس کتاب میں بھی مل جائیں گی۔ قبل اس کے کہ ان پیچیدہ مسائل پر غور کیا جائے جن کا قطعی اور تصفیہ کن جواب بمشکل مل سکتا ہے بہت کچھ ابتدائی معلومات درکار ہے مثلاً کسی زبان کی تحصیل میں قبل اس کے کہ ہم لکھنے اور پڑھنے کی کوشش کریں یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس زبان کی صرف ونحو سے کچھ واقفیت پیدا کرلی جائے یا ریاضیات میں جبر و مقابلہ اور احصا سے اختلافی کی باریکیوں میں جانے سے قبل سادہ حساب کی کافی مشق ضروری ہوتی ہے لیکن جیسا کہ

ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب مطالعہ عمرانیات میں کہتا ہے اخلاقی اور سیاسی علوم کی بڑی بدقسمتی ہے کہ اس پر ایسے لوگ خامہ فرسائی کرتے ہیں جو اس مضمون کے بنیادی اصول اور ابتدائی قواعد سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عجیب عجیب گمراہ کن اسکیمیں پبلک کے سامنے پیش ہو جاتی ہیں معاشیات میں کرنسی کے سوال کو وہی اہمیت ہے جو جامیٹری میں دائرے کو مربع کرنے کی یا میکانیات میں دائمی حرکت کو حاصل ہے پروفیسر ڈی مارگن کی طرح کوئی پر از معلومات اور ظریف الطبع شخص اگر چاہے تو ڈی مارگن کے دائرے کو مربع کرنے کے مغالطوں سے بدرجہا بڑھ کر مسئلۂ زر کے مغالطوں کی طویل اور دلچسپ فہرست تیار کر سکتا ہے چنانچہ ایسے لوگوں کی دنیا میں کمی نہیں جنھوں نے اپنی دولت اور عمر عزیز کو ذہن مغز دنیا کو یہ باور کرانے میں ضائع کر دی کہ قرطاس زر کے اجرا سے افلاس اور تنگدستی کا نام صفحۂ دنیا سے یکقلم مٹا دیا جا سکتا ہے خود میرے ایک شناسا کا خیال ہے کہ بنی نوع انسان کے جملہ مصائب کا علاج صرف خزانۂ شاہی کی براتوں سے ہو سکتا ہے۔ دوسرے فراخدل حضرات اس کوشش میں ہیں کہ قومی قرضہ کو مسکوک کر کے ہم سب کو غنی بنا دیا جائے یا ملک کی اراضیات مسکوک کر دی جائیں غرض کوئی شے ایسی نہیں جس کی تسکیک کی تجویز نہ کی گئی ہو ایک طبقہ اس لئے عرصے سے غضب آلود ہے کہ اس آزاد تجارت کے زمانے میں سونے کی ٹکسالی قیمت کا تعین قاعدہ قانون سے کیا جاتا ہے ایک ممبر پارلیمنٹ کو حال ہی میں یہ خامی محسوس ہوئی ہے کہ ٹکسال میں نقرہ کی تسکیک پر کوئی قیود وغیرہ نہیں ہونے چاہئیں چنانچہ انھوں نے اس کے خلاف جہاد شروع کر کے بہت کچھ شہرت پیدا کر لی ہے۔ شلنگ اور چھ پینیوں کی کمی ہی گویا لوگوں کے افلاس کا بڑا سبب ہے حالانکہ سالانہ جو ٹیکس اور محصولات خزانے میں داخل ہوتے ہیں اس کی مقدار سلطنت کے پوری چلنی زر سے بہت زیادہ ہے۔ زر کا مضمون بہ حیثیت مجموعی نہایت وسیع ہے اور اس مسئلے پر اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ایک بڑا کتب خانہ پر ہو سکتا ہے آئے دن دنیا کی کرنسیوں میں انقلاب ہو رہے ہیں اور چلنی زر کی بہترین ترتیب کے متعلق حال ہی میں بہت سی تحقیقیں آغاز ہوئی ہیں۔ حکومتوں کے کمیشنوں کے سامنے جو شہادت قلمبند ہوئی ہے اور بین الاقوامی کانفرنسوں یا خانگی افراد کی تحقیقات اور تصانیف سے

معتد بہ مقدار اس مسئلے کی معلومات کی مہیا ہو چکی ہے میں اس ذخیرۂ معلومات سے صرف
چند ایسے امور کو اخذ کر کے پبلک کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے مضمون زر کے
بعض حل طلب مسائل کے متعلق بالآخر کسی قطعی نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہو گی مثلاً رقوم کی
گنتی میں پونڈ ۔ ڈالر ۔ فرانک یا مارک میں سے کس کا انتخاب کیا جائے اور سونے
چاندی میں سے کس کو پیمانۂ قدر بنائیں یا ان دونوں کا ساتھ ساتھ استعمال مفید ہے ۔
زر فلزی موجب سہولت ہو گا یا زر قرطاسی ہماری انگلستان کی سونے کی کرنسی جو دن بدن
زر میں گھٹیا ہوتی جا رہی ہے اس سے آخر کب تک درگذ کیا جائے ۔ کیا اس کی مکرر
تشکیک گورنمنٹ کے صرف پر کر لینا مناسب ہو گا یا ان اشخاص پر اس کے مصارف کا
بار عائد کیا جائے جن کے پاس بدقسمتی سے ایسے گھٹیا ساورنوں کا ذخیرہ موجود ہے
(یہ اور اسی قسم کے چند حل طلب مسائل ہیں جن کے متعلق پبلک کو بالآخر کسی قطعی نتیجہ پر
پہنچنا ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ متذکرۂ صدر ذخیرۂ معلومات سے چند خاص امور
اخذ کر کے پبلک کے سامنے پیش کروں تاکہ رائے قائم کرنے میں آسانی ہو امریکہ
میں اسی قسم کے چند دیگر اہم مسائل رونما ہوئے ہیں جن کا حل بہت ضروری محسوس
ہو رہا ہے مثلاً یہ کہ آیا فلزی ادائیوں پر پھر غور کیا جائے ۔ قرطاسی کرنسی کو کس نہج پر
پر قائم کیا جائے یا جزاً اس کے عوض سکہ کا استعمال ہو ۔ امریکن ڈالر کی ٹھیک جسامت
اور نوعیت بین الاقوامی کرنسی کا لحاظ کرتے ہوئے کیا ہونی چاہئے ۔ جرمنی میں زر فلزی
اور زر قرطاسی کی ایک صحیح اور کامیاب تنظیم جدید تکمیل کو پہنچ رہی ہے ۔ فرانس میں بھی
ایک معیاری اور دو معیاری نظام زر کا بحث مباحثہ ابتک ختم نہیں ہوا ۔ اور قرطاسی
اجرائیوں کو ایک تبدیل پذیر بنیاد پر قائم کرنے کی عملی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں
یورپ کے دوسرے ممالک مثلاً اٹلی آسٹریا ۔ ہالینڈ ۔ بلجیم ۔ سوئزرلینڈ اور
ریاستہائے سکنڈینیویا و روس میں سے شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جو اصلاح زر کی
جد وجہد میں مصروف نہ ہو یا اصلاح سے ابھی ابھی فارغ نہ ہوا ہو اور باقی ان مسائل کے
حل کی تدابیر پر غور کر رہے ہیں ۔ ان تمام تبدیلیوں کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہنی
چاہیئے کہ مستقبل ہمیشہ زمانۂ حال ہی کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے اور نیز یہ کہ ایک
بین الاقوامی زر ہی جو تمام عالم پر محیط ہو گو اس وقت اس کا قیام دشوار اور

ناقابل عمل ہی کیوں نہ نظر آتا ہو ان لوگوں کا نصب العین ہونا چاہیئے جو دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اس کی بہبودی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں جن تصانیف سے میں نے اس کتاب کی تدوین میں مدد لی ہے ان کا اعتراف بھی ضروری ہے خاصکر مسٹر سیڈ کی "فلزات اور تبادلات خارجہ" اور پروفیسر سمسرس کی امریکی زر کی سرگذشت اور موسیو شیو یلر کی تصنیف زر اور موسیو اولوسکی کے مختلف بیش قیمت مضامین جو اکنامک جرنیل میں طبع ہوئی ہیں نیزان کی دیگر مختلف اور اہم تصانیف جو مسئلۂ زر پر شائع ہوئی ہیں قابل ذکر ہیں۔ مجھے ان متعدد حضرات اور صرافوں کا بھی ممنون ہونا چاہیے جنھوں نے از راہ کرم بہت سے معلومات بہم پہنچائے ہیں اس سلسلہ میں جان فلز۔ ویلکنس۔ رابرٹس (شاہی دار الضرب کے کیمسٹ) اور مسٹر ہلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر مجھے ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے جنھوں نے وقتاً فوقتاً زر کے متعلق مضامین اور تصانیف میرے پاس بھجوائے اور جن سے میں نے بہت مدد لی خاص کر واکر ڈروبائی صاحبان اور دار الضرب امریکہ کے ناظم کا میں مشکور ہوں جن کی بدولت مجھے امریکہ کے دار الضرب اور کرنسی کے متعلق رپوٹیں اور تحریرات بہم پہنچی ہیں: برور صاحب نے نہایت احتیاط سے اس اشاعت کے پروف دیکھے ہیں۔ اور کلف لزلی پالگریو اور ہنڈرکس صاحبان نے بعض حصص کی بالاستیعاب تنقیح کرکے مجھے ممنون احسان کیا ہے۔
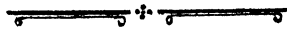
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زر اور ذرایع مُبادلہ

پہلا باب

بارٹر (BARTER) (تبادلہ)

چند سال کی بات ہے کہ لیرک تھیٹر پیرس کی مغنیہ ذیلی اطراف عالم میں کبھی دورہ کر رہی تھی۔ جزائر سوسائٹی میں جب اس کے رقص و سرود کا ایک جلسہ ہوا تو یہ طے ہوا تھا کہ نارما اور چند دوسری راگنیوں کے معاوضے میں اس کو کل آمدنی کا تیسرا حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ حساب لگانے پر علاوہ کثیر التعداد موز۔ لیموں اور سنگتروں کے تین راس سور تیئیس چینی مرغ چوالیس جوڑے اور پانچ ہزار ناریل مس موصوف کے حصے میں آئے ان جانوروں اور میووں کی قیمت پیرس کے بازار میں جیسا کہ حسین مغنیہ اپنے اس دلچسپ خط میں لکھتی ہے (جس کو موسیو اولوسکی نے شایع کیا ہے) چار ہزار فرانک سے کم نہ ہو گی جو ان چار پانچ راگنیوں کا کافی محنتانہ تھا ان جزائر میں

زر (money) نہایت کمیاب تھا اور مس صاحبہ چونکہ اپنی مذکورۂ بالا کمائی کے کسی معتد بہ حصے سے خود مستفید نہ ہو سکتی تھیں خراب ہو جانے کے اندیشے سے میوہ جانوروں کو کھلا دینا پڑا۔

مسٹر والیس کو بھی جو مجمع الجزائر ملایا میں سیر و سیاحت کر رہے تھے اشیائے مایحتاج کی بہتات سے نہیں بلکہ کمیابی اور قلت کی وجہ سے دقتیں برداشت کرنی پڑیں اپنی سیاحت کے نہایت ہی دلچسپ واقعات میں وہ بیان کرتے ہیں کہ بعض جزائر میں جہاں کوئی مقررہ زر رائج نہ تھا ڈنر کے لئے اشیائے مایحتاج کا بیش قدر معاوضے کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ تھا چیزیں اگر ل بھی جاتیں تو بڑی رد و کد کے بعد۔ مچھلی یا دیگر مرغوب اشیائے خورد و نوش بیچنے والے کو اگر تبادلے میں وہ چیزیں لینا منظور نہ ہوتا جو سیاح دے سکتے تو سودا ہی نہ ہوتا اور مسٹر والیس اور ان کے ساتھیوں کو مجبوراً فاقہ کرنیکی نوبت آتی اس لئے مناسب اور ضروری معلوم ہوا کہ چھری چاقو، پارچہ، دیسی شراب، ساگو کے بسکٹ، اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا ذخیرہ ہمیشہ مہیا رہے تاکہ پھیری والے کی ضرورت کی کوئی نہ کوئی چیز ان کے ہاں نکل آئے اور تبادلے کی کامیابی کے مواقع بڑھ جائیں۔

زمانۂ حال کی متمدن سوسائٹی قدیم طریقۂ تبادلہ کی دقتوں سے بالکل ناآشنا ہے۔ اور کوئی عجب نہیں جو ہم کو یہ دقتیں محض خیالی نظر آتی ہوں۔ ہم بچپن ہی سے زر کے استعمال کے عادی ہیں اس لئے ان بے شمار فوائد اور سہولتوں کا جو زر کی بدولت حاصل ہوتی ہیں کما حقہ احساس نہیں کر سکتے۔ البتہ جب ہم کو سوسائٹی کے ایک بالکل مختلف اور ادنیٰ تمدن سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو ان دقتوں کا اچھی طرح احساس ہوتا ہے جو زر کی عدم موجودگی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ یہ سن کر ضرور حیرت ہوگی کہ اب تک بہت سی غیر متمدن اقوام میں بارٹر (تبادلہ) ہی تجارت کا واحد اور اہم ذریعہ ہے یہ تعجب بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ خاص لندن میں مشترکہ سرمایہ کی ایک تجارتی انجمن موسوم بہ افریکن بارٹر کمپنی لمیٹڈ قائم ہے جس کا کاروبار محض یہ ہے کہ مغربی ساحل افریقہ پر یوروپین مصنوعات سے کھوپرے کے تیل سونے کے ذرات، ہاتھی دانت، روئی، قہوہ گوند وغیرہ خام پیداوار کا تبادلہ کرے۔

اغلب ہے کہ قدیم طریقۂ تبادلہ غیر ضروری چیزوں کو اشیاء مایحتاج کے ساتھ براہ راست بدل لینے پر مبنی ہو گا۔ اس سادہ لین دین کو ہم اصطلاح میں تبادلہ اور انگریزی میں ٹرک یا بارٹر اور فرانسیسی میں ٹروک کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ معاملت خرید و فروخت سے اس طرح ممیز ہے کہ خرید و فروخت میں ہمیشہ ایک شئے عارضی طور پر اس لئے قبول کی جاتی ہے کہ دوسرے تبادلۂ مابعد سے اس کو پھر کسی اور کے سپرد کر دیا جا سکے اس شئے کو جو عارضی طور پر خرید اور فروخت کی معاملت کو ملاتی ہے "زر" کہتے ہیں بادی النظر میں یہ معلوم ہوگا کہ زر کے استعمال سے دقتیں دونی ہو جاتی ہیں اس لئے کہ ایک کی بجائے اب دو تبادلوں کی ضرورت لاحق ہو گی لیکن تبادلے سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں ان کا اگر سرسری تجزیہ کیا جائے تو اس کے برخلاف یہ ثابت ہوگا کہ مشکلات فی الاصل تبادلے ہی میں ہیں اور صرف ایسے تجزیہ ہی سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ زر کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں بلکہ یہ مختلف اور متعدد آسانیوں کا موجب ہوتا ہے اور اس کی ہر خدمت ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ ان پیچ در پیچ معاشرتی ضروریات کے ساتھ زمانۂ موجودہ کی سوسائٹی کا قیام بغیر زر کے ناممکن ہے کیونکہ زر ہی سے مختلف النوع اشیا کی قدر کی تشخیص (Valuing,) اون کی تقسیم (Distributing) اور تعیین نرخ (Contracting) کے وسائل بہم پہنچتے ہیں۔

تبادلہ میں ضروریات کی عدم مطابقت (Coincidence)

تبادلے میں سب سے اول جو دقت رونما ہوتی ہے وہ ایسے دو اشخاص کا فراہم کرنا ہے جن میں ہر شخص کی غیر ضروری چیز دوسرے کی ضرورت پوری کر سکے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کو کسی شے کی طلب ہو اور بہت سے ایسے بھی جن کے پاس وہ شے موجود اور غیر ضروری ہو لیکن تبادلے کی تکمیل کے لئے ایک دہرا اجتماع ناگزیر ہے اور ایسا اجتماع بجائے خود نادر الوجود۔ مثلاً ایک شکاری کے پاس ضرورت سے زیادہ مارے ہوئے جانور موجود ہیں اس کو پھر شکار کھیلنے کے لئے گولی بارود کی ضرورت ہے لیکن اگر دوسرے لوگوں کے پاس گولی بارود ہے اور کافی شکار بھی موجود ہے تو ایسی صورت میں براہ راست تبادلہ ممکن ہی نہیں یا

مثلاً مہذب سوسائٹی کا ایک شخص اپنے مکان کو اپنی ضروریات کے مطابق اور موزون نہیں پاتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک دوسرا مکان ٹھیک طور پر اس کی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔ اس دوسرے مکان کا مالک خواہ اپنا مکان منتقل کرنے پر آمادہ ہی کیوں نہو یہ بات تقریباً محال ہے کہ وہ پہلے شخص کے ہمخیال بھی ہو اور مکانوں کے تبادلے پر راضی ہوجائے۔ خریدنے اور بیچنے والے اسی وقت ہمخیال ہوسکتے ہیں جب ایک ایسی "قاضی الحاجات" شے کا ہاتھ درمیان میں ہو جس کو ہر شخص عارتیاً قبول کرنے پر آمادہ ہوجائے یعنی جو چیز ایک معاملت میں فروخت سے حاصل ہو اس کو دوسری معاملت خرید میں منتقل کر دیا جاسکے۔ اور یہ تیسری یا درمیانی شے جو تجارت کے کاروبار کی معاون ہے ذریعہ تبادلہ (Medium of Exchange) کہلاتی ہے۔

گذشتہ چند برسوں میں تبادلے کے رواج کو اخبارات و اشتہارات کے ذریعے سے پھر زندہ کرنے کی ایک عجیب کوشش کی گئی ہے چنانچہ دی ایکسچینج اینڈ مارٹ اخبار کی اشاعت کی غرض و غایت محض یہ ہے کہ اس کے گاہک جن غیر ضروری اشیاء کا اپنی ضرورت کی چیزوں سے تبادلہ کرنا چاہتے ہوں ان کی تشہیر کیا کرے ذیل کے اندراجات سے ان کا طریق کار معلوم ہوسکتا ہے۔

"ایک شخص کے پاس ایک بائیسکل اور کچھ قدیم سکے ہیں" ان کے عوض اس کو ایک باجے کی ضرورت ہے۔" یا

ایک نوجوان لیڈی ٹڈل مارچ رکارڈ کی طالب ہے جس کے عوض وہ چند پرانے رکارڈ جن سے وہ سیر ہوچکی ہے دینے پر آمادہ ہے" وغیرہ

اس اخبار کے حجم اور تعداد اشاعت پر نظر کرتے اور نیز اس بنا پر کہ دوسرے ہفتہ وار اخباروں نے بھی اس کی تقلید شروع کر دی ہے یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ اعلانات کے موافق بعض اوقات تبادلے میں کامیابی ہوجاتی ہوگی دراصل اس صورت میں اخبارات وغیرہ اُس دُہرے اجتماع (Double Coincidence) کو مہیا کرتے ہیں جو تبادلے کے لئے لازمی اور ناگزیر ہے۔

پیمانۂ قدر (Measure of value) کی عدم موجودگی۔ تبادلے میں ایک دوسری دقت یہ ہے کہ وہ دہرا اجتماع جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر وقوع پذیر ہو بھی جائے

تو یہ طے کرنا باقی رہتا ہے کہ آخر تبادلہ کس شرح سے عمل میں آئے۔ اگر گوشت کی ایک مقدار کا تھوڑے سے غلّے کے ساتھ تبادلہ ہوا اور غلّے کا سلّے سے مسکے کا انڈوں سے اور انڈوں کا اُون سے تو گو تبادلہ ہو جائے گا مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ گوشت کی ایک مقدار کے عوض کس قدر "اُون" ملیگی یا کسی ایک شے کی مقدار مقررہ کے عوض دوسری مختلف اشیاء کی کتنی مقدار دینی پڑے گی۔ تبادلے ہی پر جب معاملت کا دار و مدار ہو تو باہمی تناسب اور مختلف اشیاء کے نرخوں کی فہرست ایک پریشان کن چیستان ہوگی کیوں کہ یا تو ہر شے کا نرخ دوسری تمام اشیاء کے حوالے سے مقرر کر رکھنا ضرور ہوگا یا ہر معاملے کے وقت نرخوں کے تعین کے لئے اربعہ متناسبہ کا وقت طلب عمل کرنا پڑیگا سو چیزوں میں کم از کم چار ہزار نو سو پچاس تبادلے کی نسبتیں قائم ہوں گی اور ان تمام نرخوں اور نسبتوں کا تعین نہایت ہی احتیاط اور صحت سے کرنا ہوگا تاکہ ان میں بال برابر فرق نہ رہ جائے ورنہ ایک چالاک بیوپاری اپنی حساب دانی کی بدولت خرید و فروخت کے اس فرق کی وجہ سے بڑے فائدے میں رہے گا۔

ان تمام دقتوں سے نجات یوں ملسکتی ہے کہ کسی ایک کو منتخب کر کے دوسری تمام اشیاء کا نرخ اس کے حوالے سے ظاہر کیا جائے۔ یہ معلوم ہو جانے پر کہ آدھ سیر چاندی کے عوض کس قدر غلہ ملسکتا ہے اور اسی مقدار نقرہ کے عوض کس قدر اُون ملسکتا ہے ہم بلا کسی دشواری کے یہ بتلا سکتے ہیں کہ اون کی ایک خاص مقدار کے عوض غلے کی کونسی مقدار حاصل ہوگی۔ اس منتخب شدہ شے کو جو مصرعۂ بالا مثال میں نقرہ ہے ایک عام نرخ یا ایک عام پیمانۂ قدر کہتے ہیں جس کے حوالے سے تمام اشیاء کی قدر محسوب کی جا سکتی ہے اور ان کی قدر کا باہمی تناسب و توازن قایم کیا جا سکتا ہے۔

تبادلہ میں دقت تسہیم اشیاء (Subdivision)

گو اتنی اہم نہیں مگر تبادلے میں ایک اور دقت اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ بہت سی چیزیں تقسیم کے قابل ہی نہیں ہوتیں غلے کا انبار کیسۂ ذرات طلاء گوشت کا تکا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے حصے اور ٹکڑے کرنے میں نہ کوئی دشواری ہے اور نہ کوئی قباحت۔ کسی شے مطلوبہ کے عوض حسب ضرورت ان اشیاء کے اجزا دئے جا سکتے ہیں مگر

بعض صورتوں میں ممکن نہیں ہے۔ اس جگہ درزی کی اُس مثال کا اعادہ جو معاشیات کی اکثر کتابوں میں نقل ہوئی ہے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کے پاس ایک کوٹ سلا ہوا موجود ہے جس کو وہ تبادلے میں دینا چاہتا ہے۔ ضرورت اس کو روٹی کی ہے اور کوٹ کی قدر روٹی سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے یا گوشت کی قدر جو کوٹ کے عوض ملتا ہے اس کی قدر سے کوئی نسبت نہیں رکھتی درزی ضرورت کے لحاظ سے اگر کوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تو اس کی قدر خاک میں مل جائے گی پس ظاہر ہے کہ اُس کو ایک ایسے ذریعۂ تبادلہ کی ضرورت ہے جس کے عوض وہ عارتیاً اپنا کوٹ منتقل کرسکے اور اس ذریعۂ تبادلہ کی قدر کے ایک جزو سے روٹی دوسرے سے گوشت، ایندھن، اور ضرورت کی دوسری چیزیں لے لے اور باقی ماندہ آیندہ کی ضروریات کے لئے اٹھا رکھے مزید تشریح غیر ضروری ہے۔ یہ کافی طور سے واضح ہوچکا کہ ہم ایک ایسے آلہ کے محتاج ہیں جو مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے قدر کی تقسیم اور تسہیم کرسکے۔

اعلیٰ ترقی یافتہ ممالک میں بھی اب تک بارٹر ہوا کرتا ہے مگر اسی وقت جبکہ مذکورہ بالا دقتیں رونما نہیں ہوتیں۔ خانگی ملازم اپنی ماہوار کا ایک جزو طرز ماندو بود اور خوراک کی شکل میں حاصل کرتے ہیں۔ زرعی مزدور اپنی اجرت کے ایک حصے کے عوض اناج لے لیتا ہے۔ یا کچھ زمین لے کر بطور خود کاشت کر لیتا ہے یا آٹا پیسنے والوں کو اجرت میں بالعموم کچھ آٹا دے دیتے ہیں۔ چنانچہ مزدوروں کو اجناس کی شکل میں اجرت دینے کا رواج انگلستان کے بعض قطعات سے اب تک موقوف نہیں ہوا ہے زمیندار بھی ضرورتاً قطعات اراضی کا آپس میں تبادلہ کرلیا کرتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی اہمیت نہیں اِس زمانے میں ہر تبادلے میں کسی نہ کسی پیرایے میں زر کا توسط ضرور ہوتا ہے۔ گو بعض صورتوں میں زر فی الاصل دست بدست منتقل نہیں ہوتا لیکن اشیاے متبدلہ کی قدر اور مقدار کا اندازہ زر ہی سے کیا جاتا ہے۔ تجارت بارٹر سے شروع ہوتی ہے اور ایک معنوں میں بارٹر ہی کی طرف عود کرتی ہے۔ مگر ثانی الذکر تبادلہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اول الذکر سے نوعیت میں بالکل جداگانہ ہوتا ہے آج کل انگلستان میں تجارتی داد وستد کی چلوتی دیہاتی میں

گو زر فلزی (Metalli money) کا ہاتھ نہیں لیکن حساب کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ خرید و فروخت ہر دو صورتوں میں قدر کو زر کے حوالے سے ظاہر کیا جاتا ہے اور داد و ستد کا موازنہ کر کے چکوتی کر دی جاتی ہے ۔

دوسرا باب

مبادلہ

زر معیار قدر اور آلۂ مبادلہ تو ہے لیکن قدر کی ماہیت اور مبادلے کے فوائد کے متعلق یہاں تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ اشیاء کا مبادلہ اس بدیہی اصول پر مبنی ہے کہ انفرادی طور پر ہماری ہر حاجت اشیاء کی ایک محدود مقدار سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بقول سینیر کے جوں ہی ایک حاجت رفع ہوئی ہماری خواہشیں جدت کی طلبگار ہوتی ہیں یعنی کسی دوسری ضرورت کے پورا کرنے کی طرف میلان ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ایسا شخص جسے روزانہ تین پونڈ روٹی ملتی رہے زیادہ روٹی نہیں چاہتا بلکہ اس کو گوشت چائے شراب وغیرہ کی ایک زبردست خواہش محسوس ہوتی ہے اگر اس کو کوئی ایسا شخص مل جائے جس کے پاس گوشت تو بہت سا ہو مگر روٹی میسر نہ ہو تو ان دونوں میں سے ہر شخص اپنی اُس شے کو جس کی چنداں ضرورت نہیں ہے زیادہ ضرورت کی چیز سے بدل لے گا۔ یوں تو غیر ضروری شئے کو ضرورت کی چیز سے بدل لینا تبادلہ کہلاتا ہے لیکن اگر اس میں تھوڑی ترمیم اور اضافہ کر دیا جائے تو تبادلہ کی تعریف زیادہ مکمل اور صحیح ہو جائے گی۔ فی الاصل نسبتۃً غیر ضروری اشیاء کو ضروری اشیا سے بدل لینے کا نام "تبادلہ یا بارٹر" ہے۔

کسی شخص کی ضروریات کی کوئی حد مقرر کرنا تقریباً محال ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ

ایک آدمی کو کس قدر گوشت روٹی یا چائے کی ضرورت ہوتی ہے یا اُس کو کتنی ٹوپیاں اور کوٹ درکار ہوں گے۔ خواہشیں محدود نہیں کی جا سکتیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب شئے مطلوبہ کی مقدار کافی سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اسی نسبت سے اس شئے کی مزید مقدار کی ضرورت کی شدت بھی گھٹ جاتی ہے۔ چنانچہ کٹورہ بھر پانی میدان جنگ اور ریگستان میں جان بچا سکتا ہے۔ بیحد کارآمد ہے دو تین لوٹے پانی ایک آدمی کے پینے اور کھانے پکانے کو کافی ہے گھڑا دو گھڑے نہانے دھونے کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے لیکن بہت جلد ایک ایسی حد بھی آجاتی ہے جب کہ پانی کی مزید مقدار چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ ایک متمدن شہر کی تمام ضروریات فی نفرہ ۲۵ گیلن پانی سے پوری ہو جاتی ہیں اگر اس میں اور زیادتی کرتے جائیں تو کوئی افادہ (Utility) باقی نہ رہے گا برخلاف اس کے پانی کی بہتات مضرت بخش بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ طغیانی میں یا مکان کی سیل (نمی) اور پانی سے بھری ہوئی کانوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔

"افادہ" اور "قدر" (VALUE) اوصاف ذاتی نہیں ہوتے

کوئی شئے مفید اور کارآمد اسی وقت ہوتی ہے جب کہ وہ معتدل مقدار میں اور ٹھیک وقت پر مہیا کی جائے کیوں کہ افادہ کسی چیز کا وصف ذاتی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بلا لحاظ اس کے کہ پہلے سے ہمارے پاس کسی شئے کی کثرت ہی کیوں نہ ہو اس کی مزید مقداریں غیر مطلوب نہ ہوتیں۔ کسی شئے کا مفید یا کارآمد ہونا ایک علٰحدہ بات ہے اور اس کے جسمانی خصوصیات (جن پر اس کے افادہ کا دار و مدار ہے) بالکل جداگانہ چیز ہیں۔ افادہ اور قدر دراصل اشیاء کے اوصاف اضافی ہوتے ہیں وہ کسی شئے میں اس وجہ سے رونما ہوتے ہیں کہ کسی شخص کو اس کی حاجت ہے اور اس کے افادہ کا درجہ اور قدر کی مقدار

شخص حاجتمند کی ضرورت یا خواہش کی سابقہ سیری پر منحصر ہوتی ہے ہر شے کے اجزا، مختلف ہوتے ہیں اور اس کے افادہ کا درجہ بھی ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اس لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے ذخیرے کے ان حصوں کا جن کے افادہ کا درجہ ہمارے لئے کم ہو ایسی اشیاء کے ساتھ تبادلہ کیا کرتے ہیں جو دوسرے کی نظروں میں کم مگر ہماری نظر میں زیادہ مفید ہوں اور یہ تبادلہ اُس وقت تک چلتا رہتا ہے جبکہ شئے متبدلہ کے افادے کا درجہ اپنی چیز کے درجۂ افادے کے مساوی نظر آنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب تبادلہ کرنے میں افادے کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور مبادلے کو جاری رکھنا نہ صرف بے سود بلکہ خسارے کا باعث ہوگا ان ہی امور کی بنیاد پر مبادلے کی قدر اور ماہیت کا ایک نظریہ قائم ہو جاتا ہے جس کی ہم نے اپنی کتاب "دی تھیوری آف پولٹیکل اکانمی" میں توضیح کر دی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ طلب ورسد (Demond – Supply) کے مشہور عام قوانین افادہ کی انتہائی شکل کے تابع ہوتے ہیں۔ تصنیف مذکورۂ بالا کی اشاعت کے بعد "لوزان" کے ایک ماہر اور قابل پروفیسر معاشیات، موسیولیون والرس بھی اپنے طور پر غور وخوض کرنے کے بعد مبادلہ کے اسی نظریہ پر پہنچتے ہیں جس سے اس نظریہ کی صحت کی مزید تائید ہوتی ہے

قدر تبادلہ کی نسبت (Ratio) ظاہر کرتی ہے

یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہر فعل تبادلے میں ایک شے کی کچھ مقدار دوسری شے کی کسی مقدار سے بدل لی جاتی ہے مگر یہ قابل لحاظ ہے کہ اشیائے متبدلہ ایک جنس کی نہیں ہوتیں اور ان کو تولنے اور ناپنے کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں مثلاً تھوڑی چاندی کے عوض کچھ رسّی دی جاسکتی ہے یا اُس کے معاوضے میں تھوڑی شراب یا فرش۔ گھوڑوں کی قوت کی کچھ مقدار یا کچھ فاصلے تک سواری یا باربرداری لی جاسکتی ہے۔ گو ہم ان کی مقداروں کا اندازہ طول وعرض زمانہ، جسامت، قوت، طاقت حرارت، یا کسی اور طبعی معیار پر کر لیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر فعل تبادلہ میں ایک شے کی کچھ اکائیاں دوسری شئے کی کچھ اکائیوں سے بدل لی جاتی ہیں اور

ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص اور مناسب طریقے پر نمایاں جاتی ہے۔

ہر فعل تبادلہ اس طرح دو اعداد کے تناسب کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ "قدر" ایک لفظ عام ہے اگر بازاری نرخوں کے لحاظ سے ایک ٹن تانبے کے عوض دس ٹن فولاد ملتا ہو تو ہم کہیں گے کہ بلحاظ وزن تانبے کی قدر بہ نسبت فولاد کے دس گنی ہے۔ کم از کم ہماری اغراض کے لئے لفظ قدر کا یہ استعمال تناسب کو بالواسطہ ظاہر کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہیں کہ سونے کی قدر چاندی سے زیادہ ہے تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ معمولاً تبادلے میں سونے کے عوض جو چاندی ملتی ہے وہ وزن میں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر سونے کی قدر بہ نسبت چاندی کے اور بڑھ جائے تو سونے کی اسی مقدار کے عوض چاندی اور زیادہ ملے گی۔ مگر افادہ کی قدر بھی کسی شے کا وصف ذاتی نہیں بلکہ ایک صفت اضافی ہوتی ہے جو کسی دوسری شے کے مقابلے اور تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تاوقتیکہ ایک اور ایسی شے کا تصور ہمارے ذہن میں نہ ہو جس کے تعلق سے قدر کا اندازہ کر سکیں کسی شے کی قدر کا ذکر ہی بے کار ہے۔ خود قدر بھی وقت واحد میں بڑھتی اور گھٹتی رہتی ہے مثلاً سونے کی ایک مقررہ مقدار کے عوض اگر بہ نسبت سابق چاندی زیادہ ملے مگر اس قدر تانبا نہ مل سکے جتنا پہلے ملتا تھا تو یہی کہا جائیگا کہ چاندی کے حساب سے سونے کی قدر بڑھ گئی مگر تانبے کے لحاظ سے کم ہوگئی ہے۔ وصف ذاتی چونکہ ایک ہی وقت میں بڑھ اور گھٹ نہیں سکتا اس لئے قدر سوائے ایک تعلق یا نسبت کے اور کچھ نہیں جس کا اندازہ دوسری چیزوں یا حاجتمندوں کے تعلق سے ہوا کرتا ہے۔

زر کے کام (Functions)

یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ تبادلے کے ساتھ تین دقتیں لگی ہوئی ہیں ایک تو ضروریات گیرندہ و دہندہ کی عدم مطابقت دوسرے گوناگوں اشیاء کے تبادلوں کی پیچیدگی تیسرے قیمتی اشیاء کی تقسیم و تسہیم کے ذرایع کا فقدان، زر سے یہ تمام دقتیں دور ہو جاتی ہیں اور وہ دو اہم فرائض انجام دیتا ہے وہ "ذریعہ تبادلہ" کا کام بھی دیتا ہے اور ایک عام "پیمانہ" قدر بھی ہے۔ شکل اول میں وہ صرف ایک ایسی چیز ہے جس کی ہر شخص توقیر کرتا ہے۔ چیز کھانے کی ہو یا پہننے کی زیور ہو یا جنس، مگر ہو ایسی جسے قبول کرنے کے لئے ہر شخص آمادہ ہو اور جس کو تھوڑی بہت مقدار میں ہر شخص اس غرض سے اپنے پاس رکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے کہ اس کے عوض آیندہ ہر وقت اشیائے مایحتاج مل سکیں یوں تو بہت سی چیزیں ذریعۂ تبادلہ کی اس غرض کو کم و بیش پورا کر سکتی ہیں مگر بالعموم یا تو رواج کی وجہ سے یا حالات سے مجبور ہو کر سب سے بہتر کوئی نہ کوئی شئے بطور زر منتخب کر لی جاتی ہے اور اسی کو پھر ایک عام پیمانۂ قدر کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے زر کے عوض اشیا کے تبادلے کی جب لوگوں کو عادت ہو جاتی ہے تو چیزوں کی قدر کا زر کی نسبت سے معلوم کر لینا مشکل نہیں ہوتا اور تمام مبادلوں کا تعین اور حساب اشیائے متبدلہ کی قدر زر کے موازنہ سے باآسانی ہو جاتا ہے۔

(۳) معیارِ قدر (Standard)

زر رفتہ رفتہ ایک تیسرا کام بھی پورا کرنے لگتا ہے ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار میں تا وقتیکہ قرضوں کی داد و ستد نہ ہو خاطر خواہ ترقی نہیں ہوسکتی کسی نہ کسی وجہ سے قرض کا لین دین ہوتا ہی رہتا ہے۔ معمولاً بعض صورتوں میں تو قرض لی ہوئی چیز ہی واپس کرنی پڑتی ہے اور قریب قریب ہر معاملے میں لی ہوئی چیز ہی کی جنس سے قرضے کی ادائی ممکن بھی ہوتی ہے مثلاً اگر غلہ قرض لیا جائے تو غلے ہی سے اس کی ادائی ہوجاتی ہے مگر دقت یہ ہے کہ قرض خواہ اپنے دیون کو خواہ ایسے وقت جب کہ وہ اس کے چنداں کارآمد نہ ہو یا اس کی قدر غیر معمولی طور پر گھٹی ہوئی ہو لینا کبھی پسند نہ کرے گا علاوہ ازیں قرض گیرندہ کو بھی متعدد اور مختلف اشیاء کی حاجت ہوسکتی ہے جن کا ایک ہی شخص کے پاس سے مل جانا قرین قیاس نہیں اسی لئے ایک ایسی مقبول عام شے کی داد و ستد کا فائدہ اور سہولت ظاہر ہوتی ہے جس کی قدر و قیمت بہت کم تغیر پذیر ہو۔ چنانچہ ہر شخص ایسا معاہدہ کرتے وقت جس سے زمانۂ آیندہ میں اس کو کوئی چیز ملنے والی ہو یہ ضرور خیال رکھے گا کہ ادائی کے وقت اتنی ہی قیمتی شے ملے جتنی کہ معاہدہ کے وقت تھی اور یہ چیز بالعموم زر ہوا کرتی ہے اس طرح زر ایک تیسرا فرض بھی بہ حیثیت "معیار قدر" انجام دیتا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو چیز معیار قدر کا کام دیتی ہے وہ بلحاظ قدر بالکل تغیر پذیر نہ ہوگی اس کے انتخاب کا منشا اس سے زیادہ نہیں کہ وہ آیندہ کی ادائیوں میں قدر اور قیمت کے اندازے کے لئے ایک پیمانہ یا معیار کا کام دے۔ قدر چونکہ محض اشیائے متبدلہ کے تناسب کا نام ہے ہم بیقین سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی کسی شے کی قدر دوسری چیزوں کے تعلق سے ہمیشہ یکساں برقرار نہیں رہ سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ دیکھ لیا جاتا ہے کہ معیار قدر کے لئے کسی ایسی شئے کا انتخاب کیا جائے جو تبادلوں میں بہت سی اشیاء کے تعلق کے ساتھ قریب قریب غیر متغیر رہے۔

(۴) ذخیرۂ (Store) قدر | یہاں اس امر کی دریافت بھی بیجا نہ ہوگی کہ آیا زر ایک چیز تھا

بالکل جداگانہ فرض بھی انجام دیتا ہے یا نہیں جو قدر کو ایک آسان اور مختصر شکل میں جمع کرکے دور و دراز مقامات پر لیجانے کے قابل بناتا ہے۔ ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے تو زر ایک ہی مقام پر دائر (Coiculates) رہتا ہے اور بعض اوقات تو ایک ہی جگہ بار بار لوٹ کر آتا ہے اس سے جائداد کی تسہیم اور تقسیم ہوتی ہے اور وہ مبادلے میں روانی (Lubricates) پیدا کرتا ہے مگر کبھی ہم جائداد کو ایک بالکل مختصر شکل میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ اس کو آسانی سے کچھ دنوں کے لئے اٹھا رکھیں یا سفر پر ساتھ لے جانے میں وقت نہ ہو اگر کسی دور دراز مقام پر اپنے کسی دوست کے پاس بھیجنا ہو تو اس غرض کے لئے ہم کو کسی ایسی چیز کی تلاش ہوتی ہے جس کی قدر و قیمت تو خاصی ہو مگر وزن اور جسامت زیادہ نہ ہو اور اس کی وقعت بھی دنیا میں ہر جگہ یکساں مسلم ہو۔ یوں تو ہیرے اور جواہرات یا دوسری اشیائے نادر الوجود اور غیر معمولی خوش نما چیزیں بھی کبھی اس غرض سے استعمال کر لی جاتی ہیں مگر ان تمام شرائط کی بجا آوری زر رائج الوقت (Current Money) سے بڑھ کر کوئی اور شے نہیں کرسکتی۔ بعض صورتوں میں بیش قیمت اشیاء کا استعمال اول قدر کی حمل و نقل کے ذریعے کی یا ذخیرۂ قدر کی حیثیت سے ہو جاتا ہے اور بعد وہ زر کی طرح استعمال ہونے لگتی ہیں جیسا کہ مسٹر گلیڈسٹون عہد ہومر کی نظموں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں جب کہ بیل زر رائج الوقت تھا اور سونے کو ایک عام پیمانۂ قدر کی عزت حاصل تھی اس کا ذخیرہ کر رکھتے تھے اور بعض اوقات خدمتوں کے معاوضے میں سونا دید یا جاتا تھا تاریخ کے لحاظ سے بھی سونا جس کی اب عام طور پر وقعت کی جاتی ہے پہلے پہل زیور بنانے کے لئے مستعمل ہوا پھر ذخیرۂ دولت کے طور پر یا ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے اور بالآخر ایک عام پیمانۂ قدر ہوگیا۔

تفریق اعمال موجودہ سوسائٹی میں زر جو چار مختلف اور جداگانہ فرائض انجام دیتا ہے ان میں ایک دوسرے کا نہایت باریکی کے ساتھ امتیاز کرنا اور ان کے نازک فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا پڑھنے والوں کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے ان چاروں اغراض کے لئے صرف ایک ہی شے کے

استعمال کی عادت اس قدر عام اور راسخ ہو گئی ہے کہ اس سے پیچیدگی اور مغالطہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان چاروں اعمال کے اجتماع کو ہم تقریباً لابدی سمجھنے لگ گئے ہیں اگرچہ اس اتحاد سے سہولت ہوتی ہے مگر اس کو ہمیشہ موزونیت اور پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک شئے کو بطور ذریعۂ تبادلہ دوسری کو بطور پیمانۂ قدر تیسری کو بہ حیثیت قدر کے معیار کے اور چوتھی کو بطور ذخیرۂ قدر استعمال کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے مثلاً خرید و فروخت میں سونے کے ٹکڑے دیئے جائیں قیمتوں کے تعین اور شمار میں چاندی سے کام لیا جائے بڑی مدت کے اجاروں میں لگان کا تعین غلّے کے اوزان میں کرلیں اور اگر دولت کو مختصر شکل میں منتقل کرنا مقصود ہو تو جواہرات سے یہ غرض پوری ہو سکتی ہے اور یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے زر کے ان مختلف اعمال کے لئے مختلف اشیاء کا استعمال ایک حد تک ہوتا بھی رہا ہے۔ چنانچہ ملکۂ الزبتھ کے عہد میں چاندی عام پیمانۂ قدر تھی اور بڑی بڑی رقوم کی ادائیوں میں سونا مستعمل تھا اور اس کی قیمت کا حساب چاندی کی نسبت سے کر لیتے تھے مگر بموجب قانون نشان ۹۶ بابت ۱۵۷۶ء چند کالجوں کی اراضیات کے اجاروں میں لگان کے تعین کے لئے غلّہ معیار قدر قرار دیا گیا تھا۔

کسی ایسی شئے کے انتخاب میں بلا شبہ سہولت ہوگی جس سے زر کے تمام اعمال کی بجا آوری ہو سکتی ہو بشرطیکہ وہ ہمدست بھی ہو یہ ظاہر ہے کہ جس زر میں اشیاء کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے اسی میں اگر ادائی بھی ہو تو بڑی آسانی ہوگی۔ نہ تو لوگ قیمتوں کی سرگزشت کی دقیق دریافت کی الجھن میں پڑنا پسند کرتے ہیں اور نہ اس کے لئے ان کے پاس وقت ہوتا ہے پس وہ اگر یہ سمجھیں کہ جس زر میں وہ اپنے روزمرہ موقتی چھوٹے موٹے معاملات کا سودا کیا کرتے ہیں وہی بڑی مدت کے قرضوں کے لئے بھی بہترین معیار ہو سکے گا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ محاصل اکثر قانون کی رو سے مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں کمی بیشی نہیں کی جاتی مثلاً فیس اور محصول چنگی وکروڑگری وغیرہ اور بعض محصولات کا تعین رواج سے مقرر ہو جاتا ہے باوجودیکہ خود ذریعۂ تبادلہ کی قدر گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے مگر لوگ مقررہ محاصل اسی طرح ادا کئے جاتے ہیں گویا کوئی تغیر و تبدل ہوا ہی نہیں اس سے

بعض کا فائدہ ہو جاتا ہے اور بعض گھاٹے میں آ جاتے ہیں۔ اس کتاب سے ایک خاص مقصود یہ بھی ہے کہ ہم ان مختلف مادوں (Materials) پر غور کریں جو بہ حیثیت زر استعمال کئے گئے ہیں یا جن کے استعمال کی وقتاً فوقتاً رائے دی گئی ہے یا جن کو اس غرض کی تکمیل کے لئے تجویز کیا جا سکتا ہے اگر ممکن ہو تو ہماری یہ بھی کوشش ہوگی کہ کوئی ایسی شئے دریافت کی جائے جس میں وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہوں جو زر کے مختلف اعمال کے لئے لازمی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ان اعمال کو مختلف چیزوں میں بانٹ دینے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ پہلے ان مختلف طریقوں پر ایک نظر ڈالنی چاہئے جن سے قرون اولیٰ میں زر کی ضروریات پوری کی گئی ہیں اور پھر ان حالات اور طبعی خواص کا تجزیہ کرنا چاہئے جو ان چیزوں کو اس فرض کی انجام دہی کے قابل اور موزون بنانے کا باعث ہوے اس طرح لحاظ خواص ضروریہ اس چیز کے متعلق بالآخر کوئی قطعی رائے قائم کی جا سکے گی کہ وہ زمانۂ حال کی ضروریات پوری کرنے کے لئے سب سے زیادہ موزون اور مناسب ہے یا نہیں۔

چوتھا باب

زر کی ابتدائی سرگذشت

اعلیٰ تمدن کی زندگی اور مسکوک (Coined) زر فلزاتی کے استعمال کے عادی ہوجانے کی وجہ سے ہم سونے اور چاندی ہی کو زر سمجھنے لگ گئے جس سے انواع واقسام کے مضر مغالطے پیدا ہوتے ہیں۔ پس ٹرگوٹ کے اس سچے مقولے کو ذہن نشین رکھنا ہمیشہ سودمند ہوگا کہ قدر کی پیمایش کرنا اور قدر کو منتقل کرنا یہ دو خواص ہر قسم کی تجارتی شے میں موجود رہا کرتی ہیں۔ کونسی چیزیں سوسائٹی کے ایک خاص زمانہ میں سب سے زیادہ زر کے کام کے لئے موزوں ہوں گی محض درجہ کا سوال ہے اگر ہم ان بے شمار چیزوں پر تھوڑی دیر غور کریں جو وقتاً فوقتاً زر کی طرح استعمال کی گئی ہیں تو اس کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ گو دنیا میں بہت سے ماہرین مسکوکات (Namismalists) اور فاضلین معاشیات موجود ہیں مگر زر کی طبعی تاریخ اب تک ایک بالکل اچھوتا مضمون ہے جس سے ہم یہاں تفصیلی بحث کرتے لیکن افسوس ہے کہ ان کثیر دلچسپ واقعات کے مفصل تذکرہ کے لئے جو اس تحقیق میں فراہم ہوتے ہیں اس مختصر کتاب کی گنجائش کافی نہیں۔

شکاری زمانہ (Hunting state) کا زر مروجہ۔ غالباً حرفت کا سب سے پہلا زمانہ وہ ہے جبکہ وحشی جانوروں کے شکار پر قوت لایموت کا

دار و مدار تھا اور شکار کا ماحصل یقیناً ایک ایسی شئے تھی جس کی قدر عام طور پر تسلیم کی جاتی ہوگی مگر چونکہ جانوروں کے گوشت کا جلد سڑنا اور گل جانا ایک لازمی بات ہے اس لئے نہ تو اس کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہوگا اور نہ بار بار اس کا مبادلہ ممکن ہوگا۔ لیکن کھال کی بات اور تھی۔ قماش ہونے کے بعد ملبوس کے لئے اس کی قدر ہونے لگی اور اس طرح یہ زر کا اولین مادّہ قرار پائی۔ چنانچہ اس بات کا بہت کچھ ثبوت ملتا ہے کہ کھال اور سمور کا بہت سی قدیم اقوام میں زر کی حیثیت سے رواج تھا اب بھی بعض اقطاع عالم میں ان سے یہی کام لیا جاتا ہے صحیفۂ ایوب علیہ السلام کے پارہ دوم فقرہ چہارم میں ہم پڑھتے ہیں کہ "چرم کے عوض چرم غرض انسان زندگی کے لئے اپنی تمام املاک دے ڈالے گا" اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی اقوام میں چرم حامل قدر ہوا کرتا تھا۔ صرفی تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ شمالی قوموں میں بھی یہی کیفیت تھی چنانچہ استھونی زبان میں لفظ راہا (Raha) کے معنی بالعموم زر کے ہوا کرتے ہیں مگر لاپ لینڈ کی زبان میں جو اس کی ماں جائی بہن ہے اس لفظ سے اب تک اصلی معنی (یعنی چرم یا سمور) مفقود نہیں ہوے ہیں۔

پطرس اعظم کے عہد تک مملکت روسیہ میں چرمی زر کا رواج تھا اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ قدیم مصنفین نے ایسی کئی روایتیں تحریر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرطاجنہ لیسیڈیمون اور رومتہ الکبریٰ میں پہلے پہل زر چمڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ لیکن بھدے اور ناتراشیدہ زر کی تحقیق میں ہم کو اتنے پرانے زمانے کے حالات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہڈسن کمپنی اور شمالی امریکہ کے سرخ ہندیوں کے مابین اب تک بھی جو تجارت ہوتی تھی اس میں بلا لحاظ وسعت واختلاف وصفی ایک عرصے تک سمور ہی ذریعہ مبادلہ تھا۔ یہ ایک تائید مزید اور حیرت خیز بات ہے کہ سکہ کا استعمال عام ہونے کے بعد بھی کھال ہی سرخ ہندیوں کے حساب کتاب میں زر بنی رہی۔ چنانچہ اس ضمن میں مسٹر وہمپر کی یہ تحریر نوٹ کرنے کے قابل ہے "ایک بندوق کے عوض جس کی قیمت برائے نام چالیس شلنگ تھی بیس کھالیں ملیں کھال کمپنی مذکور کی ایک پرانی اصطلاح ہے۔

ایک کھال کی قیمت دو شلنگ سمجھی جاتی ہے یا دو ٹن (اود بلاؤ کا چمڑا) کے برابر ہوتی ہے وعلیٰ ہذاالقیاس۔ تم نے کھالوں کے متعلق فورٹ یوکان میں بہت کچھ سنا ہوگا کیونکہ وہاں مزدوروں لباس کی قیمت سے شرح مندرجہ بالاہی سے لی جاتی تھی۔"

دورِ شبانی (Postoral age) کا زر

چرواہی زندگی میں جو ترقی تمدن کا دوسرا درجہ تھا بکریاں اور مویشی ہی قدرۃً سب سے زیادہ قدر والی اشیائے قابل بیع وشریٰ تھیں۔چونکہ ان کو بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے خود بھی چل پھر سکتی ہیں اور کئی برسوں تک ان کو رکھ سکتے ہیں اس لئے زر کے بعض فرائض کی ان سے پوری انجام دہی ہوجاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ہمارے پاس بہت سار وایتی تحریری اور صرفی مواد موجود ہے۔ ہومر کے زمانے کی نظموں میں اکثر اور صراحۃً اشیا کی قدر وقیمت کا اندازہ بیلوں کی تعداد میں کئے جانے کا تذکرہ آیا ہے۔ایک جگہ ڈآیومیڈ کے اسلحہ کی قیمت نوراس "بیل" بتلائی گئی ہے اور ان کا گلاکوس کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا گیا ہے جن کی قیمت سوراس "بیل" تھی الیڈ کی ۲۳ ویں کتاب میں مرقوم ہے کہ سب سے اچھے پہلوان کو جو تر پہلا انعام میں دیا جاتا تھا اس کی قیمت بارہ "بیل" ہوتی تھی مال غنیمت کی ایک عورت کی قیمت جو صاحب کمال بھی ہو چار راس بیل کے برابر تھی۔ بیلوں کا اس طور پر ایک عام پیمانہ قدر کی طرح استعمال ہونا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ہے کیونکہ جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں قیمتی فلزات (Metals) کا جن کے سکے ڈھالنے کا گو اس وقت تک رواج نہ ہوا تھا مگر بطور ذخیرہ قدر اور بعض اوقات ذریعہ مبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہونے کا دوسری عبارتوں میں ضرور تذکرہ آئے گا۔غرض اس ابتدائی زمانے میں متعدد اشیا سے زر کے مختلف فرائض کی انجام دہی کا صاف وصریح پتا چلتا ہے۔بہت سی زبانوں میں زر کا نام جانور کی کسی نوع یا کسی پالتو جانور کے نام کا مترادف ہے بہ مانی ہوئی بات ہے کہ "پکونیا" (Pecunia) کا (جس کے معنی لاطینی میں زر کے ہیں) ماخذ "پیکس" یعنی مویشی ہے۔ "اسکلس کی تصنیف "اگامنان" سے معلوم ہوتا ہے کہ

سکوں پر اول اول بیل کی شبیہ کندہ ہوتی تھی۔ رومی "ایز" کے سب سے پہلے سکوں کی بھی یہی صورت بیان کی جاتی ہے مگر ماہرین مسکوکات کی تحقیق سے ان روایات کی تائید نہیں ہوتی شاید سکہ کے نام اور اس جانور کے تعلق کی توجیہ کی غرض سے ایسی روایتیں گھڑی گئی ہوں مگر سکہ اور جانوروں کے ناموں میں اس قسم کا تعلق جدید زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ مخصوص رقم کی ادائی کو بالعموم "فیس" کہتے ہیں یہ فیس کیا ہے انگلوسکسن زبان کے لفظ فیوہ (Feoh) کا بگاڑ ہے جس کے معنی زر کے بھی ہیں اور مویشی کے بھی۔ یہی لفظ جرمن زبان کے لفظ "ویہہ" (Vieh) سے مشتق ہے جس کے معنی اس زبان میں اب تک صرف مویشی ہی کے ہیں اور بقول پروفیسر تھیوڈورس خیالات کا یہی تعلق یونانی زبان کے لفظ بمعنی "جائداد" میں بھی ظاہر ہوتا ہے جس کے معنی قبضہ۔ گلہ۔ یا مویشی کے بھی ہوتے ہیں۔ گرم صاحب نے ان کا مصدر (κέτω) یا (κετάω) بتلایا ہے جس کا مفہوم گلہ بانی ہے مصنف مذکور کا یہ بھی خیال ہے کہ ان ہی معنوں میں "ٹیوٹن" اور اسکنڈنیوین زبانوں میں بھی اس مادہ کا ظہور ہوا ہے چنانچہ گاتھک زبان کا "سکاٹس" (skatts) المانی "سکاٹز" (Shatz) انگلوسیکسن اسکاٹ "یا" اسکیٹ (Seat or Sceat) اور قدیم "نارس" زبان کا "اسکیاٹ" (Skat) ایسے الفاظ ہیں جن کے معنی ایسی جائداد، دولت، خزانہ، محصول یا پیشکش کے ہوتے ہیں جو بشکل مویشی ظاہر کی جائے۔ اس نظریہ کی تائید اس امر واقعی سے بھی ہوتی ہے کہ "فرزین" زبان میں "اسکٹ" (Skat) نے اپنا اصلی مفہوم یعنی مویشی اب تک برقرار رکھا ہے۔ "نارس" "اینگلوسیکسن" اور انگریزی میں تو اس لفظ کو محصول اور پیشکش ہی کے معنوں میں مخصوص کر دیا گیا ہے اور المانی قوانین تو تاوان اور جرمانہ کا تعین مویشی ہی کی تعداد میں کرتے ہیں پروفیسر تھیوڈورس صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ "زنداوستا" میں جہاں طبیبوں کی اجرت یا محنتانہ کا صاف صاف ذکر ہوا ہے فیس کی شرح بہرحال مویشی ہی کی تعداد میں تبلائی گئی ہے۔ سر ہنری۔ یس مین صاحب کی نہایت دلچسپ کتاب "دی ارلی ہسٹری آف انسٹی ٹیوشنز" (جو ابھی ابھی شایع ہوئی ہے) کے پانچویں اور چھٹے لکچر عجیب وغریب معلومات سے لبریز ہیں جن سے سوسائٹی کے

ابتدائی مدارج میں مویشی کی اہمیت آشکارا ہوتی ہے بیلوں کو بلحاظ راس شمار کر کے "کے پی ٹیل" کہتے تھے جس سے معاشیات کی اصطلاح "کے پی ٹیل" (یعنی اصل (Capital) یا سرمایہ) اور قانونی اصطلاح "چے ٹل" (بہ معنی جائداد) بنی ہے اور جس سے انگریزی کا عام لفظ "کے ٹل" (بہ معنی مویشی) نکلا ہے۔ غلام جن ممالک میں بیش قیمت ملک سمجھے جاتے ہیں ان سے مثل مویشی کے ذریعہ تبادلہ کا کام لیا جانا بالکل فطرتی بات ہے چنانچہ "پاسانیاس" بیان کرتا ہے کہ وسط آفریقہ اور دوسرے مقامات میں جہاں اب بھی بردہ فروشی کا رواج ہے غلاموں سے ہاتھی دانت اور مویشی کی طرح ذریعہ تبادلہ کا کام لیا جاتا ہے "ارل" صاحب نے جو نیوگنی کے حالات لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جزیرہ میں بردہ فروشی کی بڑی تجارت ہے اور نفر غلام ہی وہاں کا معیار قدر ہے اس کو جانے دیجئے ایک زمانہ میں خود انگلستان میں زر کی طرح غلاموں کا لین دین ہوا کرتا تھا۔

اشیائے آرایش کا استعمال بطور زر جسم کی زیبائش اور آراستگی کی خواہش بنی نوع انسان میں ابتدا ہی سے ودیعت کی گئی ہے اور چونکہ سنگھار اور آرائش کی چیزیں عموماً دیرپا اور ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی قدر و منزلت عام ہوتی ہے اور وہ آسانی سے نقل پذیر بھی ہوتی ہیں اس لئے ان کا زر کی طرح عام طور پر رائج ہو جانا ایک فطرتی امر ہے شمالی امریکہ کے ہندیوں کا "دام پم پگ" اس کی ایک بہت اچھی مثال ہے۔ کیونکہ وہ زیور کی طرح بھی مستعمل ہو چکا ہے یہ سفید اور سیاہ سیپ کی نوکوں کے منکوں کا ہار ہوتا تھا جن کو گھس گھس کر بناتے تھے اور لڑیوں میں گوندھ کر رکھا کرتے تھے۔ یہ ہار جتنا لمبا ہوتا اتنی ہی اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی۔ رنگ روپ چمک دمک سے بھی قیمت میں اضافہ ہوتا، سیاہ منکوں کی ایک ہاتھ برابر لڑ سفید منکوں کی دو فٹ لمبی لڑ کے برابر سمجھی جاتی تھی، دیسیوں میں ان کا رواج بطور زر اس قدر عام اور مستقل ہو گیا تھا کہ ۱۶۴۹ء میں "مساشوسٹ" کی حکومت نے بذریعہ اعلان عام چالیس شلنگ کی حد تک نوآبادی میں ان لڑیوں کو قرضے کی ادائی میں قبول کرنا جائز قرار دیا دلچسپ بات تو یہ ہے کہ جس طرح فرنگستان میں خسیس لوگ سونے چاندی کے سکوں کا ذخیرہ کر رکھتے ہیں اسی طرح اس ملک کے

دولتمند جو زائد از ضرورت دولت کو کسی مفید کام میں نہیں لگا سکتے ان منکوں کے انبار کے انبار چھپا رکھتے ہیں شمالی امریکہ کے اسی زر کے بالکل مشابہ ایک چیز کوڑیاں بھی ہیں جو کسی نہ کسی نام سے مجمع الجزائر شرقی میں چھوٹی چھوٹی رقموں کا کام دیتی ہیں ۔ برطانوی ہند، سیام، مغربی ساحل افریقہ، اور دوسرے گرم ساحلی مقامات پر اب بھی ان سے ریزگاری (Small change) کا کام لیا جاتا ہے ان کو جزائر لکادیپ و مالدیپ سے چنوا کر منگوا لیتے ہیں بلحاظ قلت و کثرت ان کی قدر میں تھوڑا بہت تغیر ہوتا رہتا ہے لیکن ہندوستان میں بالعموم فی روپیہ پانچ ہزار کے حساب سے کوڑیاں دستیاب ہوجاتی تھیں گویا ایک کوڑی ۱/۲۰۰ پنیس کے برابر تھی ہمارے دلچسپ راج بھائی (Fellow subjects) یعنی "فجی" کے باشندے "وھیل" مچھلی کے دانتوں سے کوڑیوں کا کام لیتے تھے سرخ و سفید دانتوں کی تبادلہ کی باہمی نسبت شلنگ اور پونڈ کی سی تھی عنبر زرد، منقوش پتھر، مثلاً مصر کا "سکارابائی" اور ہاتھی دانت وغیرہ بھی اس سلسلے میں قابل ذکر چیزیں ہیں ۔

زراعتی دور کا زر

چند مذکورۂ بالا اشیا کی طرح بہت سی نباتاتی اشیا بھی کم از کم چلن کی غرض کے لئے زر کا کام دے سکتی ہیں ۔ جن لوگوں کا ذریعہ معیشت محض زراعت ہے وہ دیرپا اجناس پیداوار کو اگر اس غرض سے استعمال کریں تو کوئی حیرت کی بات نہیں ۔ قدیم یونانی زمانے سے لیکر آج تک یورپ کے نزدیک دُور کے مقامات پر اناج ذریعۂ تبادلہ کا کام دیتا رہا ناروے میں تو غلّہ بنکوں میں بھی رکھا جاتا ہے اور بطور قرض اس کی داد و ستد ہوا کرتی ہے یورپ میں گیہوں جو اور برّہ کی جو اہمیت ہے وہی وسط امریکہ بالخصوص میکسکو میں مکائی کو حاصل ہے جہاں وہ زر کی طرح دائر (Circulated) تھا بحر شام کے اطراف کے بہت سے ملکوں میں روغن زیتون ایک سب سے عام پیداوار اور صرفہ کی چیز ہے اور چونکہ اس میں بدرجہ اتم یکسانی ایک جنسیت پائی جاتی ہے اور دیرپا ہونے کے علاوہ بآسانی تقسیم پذیر بھی ہے اس لئے جزائر ایجین، مثلین ایشیائے کوچک کے بعض شہروں اور لوانٹ کے دوسرے حصوں میں عرصۂ دراز تک زر کی طرح اس کا استعمال رہا ہے جس طرح جزائر شرق الہند میں کوڑیاں رائج ہیں اسی طرح وسط امریکہ اور یوکاٹان میں

"کسکا ؤ ننٹ" (ایک قسم کی پھلی) ایک مقبول عام اور غالباً قدیم زر کسری (Fractioual Currency) ہے ان کی قدر و قیمت کے متعلق مختلف سیاحوں نے مختلف روایتیں بیان کی ہیں جن کی توجیہ اور مطابقت شائد اس طرح ہو سکے کہ یا تو ان پھلیوں کی قدر میں بڑے بڑے تغیرات ہوتے رہے ہیں یا ان سکوں کی قدر و قیمت جس سے ان پھلیوں کا موازنہ کیا گیا ہے اکثر گھٹتی بڑھتی رہی چنانچہ ۱۵۲۱ء میں بمقام "کراکوس" کم و بیش تیس "ننٹ" کی قیمت ایک پنس تھی حالانکہ بقول اسکواٹراب ایک پنس صرف دس پھلیوں کے برابر ہے یورپ کے ان ممالک میں بھی جہاں بادام کی عام طور سے کاشت ہوتی ہے۔ کسکاؤ پھلیوں کی طرح اس کا بھی چلن ہوتا رہا ہے اور ہنگام کی بہتری یا ابتری کے لحاظ سے اس کی قدر و قیمت میں بڑے بڑے تغیرات ہوتے رہے۔

اب تو نباتاتی پیداوار کا استعمال صرف زر کسری تک محدود نہیں امریکہ کی نوآبادیوں اور جزائر غرب الہند میں جہاں بعض اوقات زر فلزی کی قلت نہایت تکلیف دہ ہوجایا کرتی تھی مقننین کو ایک مقررہ شرح سے قرض کی ادائی میں زرعی پیداوار قبول کرنے پر قرض خواہوں کو مجبور کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۱۸ء میں ورجنیا کے مقطعہ جات کے گورنر نے تو حکم جاری کردیا تھا کہ تین شلنگ کے عوض جو کوئی آدھ سیر تمباکو لینے سے انکار کرے اس کو تین سال تک قید با مشقت بھگتنا ہوگا یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ورجینیا کمپنی جو نوآبادی والوں کی شادی کے لئے یورپ سے جوان عورتوں کی درآمد کیا کرتی تھی فی عورت پہلے پچاس سیر تمباکو اور پھر ۷۵ سیر لیا کرتی تھی میری لینڈ کی مجلس قانون ساز نے تمباکو اور مکائی کو ۱۷۳۲ء تک زر قانونی (Lagal tender) قرار دے رکھا تھا۔ مساشوسٹ میں بھی ۱۶۴۱ء تک غلّے کے متعلق اسی قسم کا قانون موجود تھا معلوم ہوتا ہے کہ بعض جزائر غرب الہند کی حکومتوں نے بھی ان عجیب قوانین زر کی تقلید میں قرار دیدیا تھا کہ عدالتیں فریق کامیاب کو مختلف اجناس مثل شکر، شراب، (دراک) نیل اور راب یا تمباکو لینے پر مجبور کیا کریں ایسے زر مرکب Mutiple کے استقرار و ثبات کی کوششیں کسی آئندہ موقع پر ہماری بڑی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

حیوانی اشیائے خوردنی چونکہ اکثر جلد فنا ہو جاتی ہیں اس لئے ان کا زر کی طرح استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سوئٹزر لینڈ کی پہاڑی بستیوں میں انڈوں کا اور نیوفونڈلینڈ میں خشک کاڈ مچھلی کا بھی بہ حیثیت زر عام چلن رہ چکا ہے۔

مصنوعات اور متفرق اشیا۔ ان اشیا کی تعداد کی تفصیل سے جن کا وقتاً فوقتاً زر کی طرح استعمال ہوا ہے اب طبیعت اکتا نے لگ گئی ہوگی اور فی الجملہ اتنی تفصیل ہماری اغراض کے لئے کافی بھی ہے اس لئے ان مصنوعی اشیا کا صرف مختصراً ذکر کر دیا جاتا ہے جو مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں ذریعۂ مبادلہ بنی رہی ہیں مثلاً سوتی پارچہ کے ٹکڑے جن کو گنی پیس کہتے ہیں سنی گل کے ساحل پر اور اسی طرح ملک حبش، مجمع الجزائر، سولو، سماترا، میکسیکو، پیرو، سائبیریا اور جزائر وڈھا کی تجارت میں زر کا کام دیتے رہے۔ مگر یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہے کہ پرتگالی مقبوضات انگولا میں جو زر کاہ (Straw Money) سنہ ۱۶۹۴ء تک دائر تھا اس کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ یہ زر چھوٹی چھوٹی حصیروں کی شکل کا ہوتا تھا جس کو لینگوز کہتے تھے یہ پرال (چاول کی گھانس) سے بنی جاتیں اور قیمت میں ڈیڑھ پنس کے مساوی ہوتیں ان چٹائیوں سے کم از کم ابتدا میں کوئی نہ کوئی دوسرا کام ضرور لیا جاتا ہوگا اور ان چھوٹی چٹائیوں کی طرح جو ساموا کے لوگوں میں قابل قدر اور ذریعۂ تبادلہ سمجھی جاتی تھیں شاید ان کا انگولا میں زر کی طرح رواج قایم ہوگیا ہوگا۔

نمک نہ صرف ملک حبش بلکہ سماترا، میکسیکو، اور دیگر ممالک میں زر کا کام کرتا رہا ہے گوند اور موم کی بٹیاں سماترا میں، سُرخ پر جزائر بحر الکاہل میں، چائے کی بنڈیاں تاتار میں، پھاوڑے اور درانتیاں ملگسی جزائر میں کم و بیش زر ہی کی اغراض کو پورا کرتی رہی ہیں۔

آدم سمتھ نے جو اسکاٹ لینڈ کے بہت سے قصبات میں ہاتھ سے بنائی ہوئی میخوں کے بطور زر مستعمل ہونے کا ذکر کیا ہے پڑھنے والے اس سے ضرور واقف ہوں گے اس لئے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ موسیو شیولیر نے بھی ایک ایک فرانسیسی معدن زغال میں اسی قسم کے رواج کا ذکر کیا ہے طوالت کا خوف ہے ورنہ بوشر ڈی پرتھس کی اس قیاس کی تحقیق بڑی دلچسپ ہوتی کہ عمدہ تراشے ہوئے

حجری اسلحہ (Stone imptaments) بھی جو اکثر دستیاب ہوتے رہتے ہیں کہیں زمانہ قدیم میں ذریعہ تبادلہ تو نہیں تھے ان میں بعض تو ایسے کمیاب اور سخت پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جو شاید اب نایاب ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں جس کا تاریخی مواد ہمدست نہیں ہوا ہے ان ہتھیاروں کی بڑی تجارت رہی ہو گی گو قدیم تصانیف میں کہیں کہیں مبہم حوالے مل جاتے ہیں کہ بازنطین میں لکڑی کا زر رائج تھا اور انطاکیہ واسکندریہ میں لکڑی کے باٹ زر کی طرح استعمال کئے جاتے تھے مگر تا وقتیکہ کوئی تفصیلی معلومات بہم نہ ہوں اتنا تذکرہ ہی کافی ہے۔

پانچواں باب

مادّہ زر کے صفات

مادہ زر کے لازمی صفات کا بہت سے مصنفین حال مثلاً ہسکنسن میک کلک، جیمس ل، گارنیر، شیویلیز اور والرس نے نہایت تشفی بخش تذکرہ کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصنفین بھی ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے چنانچہ ہیرس نے ان اوصاف کی نہایت صاف پیرایہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ اپنے جواب مضمون موسومہ "زراور سکہ جات" میں توضیح کی ہے۔ گو یہ تصنیف ۱۷۵۷ء میں یعنی "دولت اقوام" سے قبل شایع ہوی ہے تاہم اس میں جس عمدگی سے زر کے اصول کی تشریح کی گئی ہے اس میں اب بھی بمشکل سے کوئی اصلاح یا اضافہ کیا جا سکتا ہے اس سے اسّی برس قبل بھی رائیس وآگھن نے اپنی عمدہ کتاب (Treatise on Money) میں ایک مختصر مگر جامع تذکرہ ان خواص ضروریہ کا کیا تھا اس سے بھی پیشتر عہد ایلزبتھ کے دلچسپ مکالمہ موسوم بہ "انگریزی پالسی کا ایک مختصر خاکہ" (مطبوعہ ۱۵۸۱ء) کا مصنف ولیم اسٹافورڈ بھی اس مضمون کی نکات سے کما حقہٗ آگاہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان سب میں غالباً شیویلیز ہی نے مادّہ زر کی صفات ضروریہ کا نہایت صحیح جامع اور مکمل تذکرہ کیا ہے لہذا ہم بھی زیادہ تر اسی کا اتباع کریں گے۔

ایک عام نقص جو اس قسم کے مضامین کی ترتیب میں بالعموم پایا جاتا ہے وہ

اس امر کی فروگذاشت ہے کہ ہر خدمت کے لحاظ سے زر میں خاص وصف کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر غرض کے لئے کسی خاص مادّہ کا انتخاب ایک دشوار اور پیچیدہ مسئلہ ہے اس لئے کہ وقت واحد میں متعدد اعمال زر کی باہمی اہمیت اور ہر عمل میں زر کے استعمال کے درجہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کسی مادّہ کی طبعی خصوصیت زر کے ہر عمل کے لحاظ سے کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ صنعت وحرفت کے ابتدائی مدارج میں تو زر کی ضرورت زیادہ تر بیچنے اور خریدنے والوں کے مابین داد وستد کے لئے ہوتی ہے اور اس صورت میں صرف یہی دیکھ لینا کافی ہوگا کہ وہ نقل پذیر (Portable) ہے یا نہیں مختلف جسامت کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں تاکہ رقم کی جو مقدار چاہیں بنا لے سکیں شکل اور منقوشات سے بھی تمیز ہو جائے۔ لیکن لین دین بہ تدریج بارٹر ہی کی تکمیل یافتہ شکل اختیار کرتا جاتا ہے اور جیسا کہ زمانہ آئندہ میں ہونے والا ہے زر سے اگر محض معیار اور پیمانہ قدر ہی کا کام لیا جائے تو ان اوصاف کی بھی چنداں اہمیت باقی نہ رہے گی اور وہ نظر انداز کر دیئے جاسکیں گے اور قدر کا استقلال اور شاید نقل پذیری ہی اس کی خصوصیات لازمی رہ جائیں گے قبل اس کے کہ ان پیچیدہ مسائل کی توضیح کی کوشش کی جائے ان تمام اوصاف کا تھوڑا تھوڑا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بلحاظ اہمیت ان کا سلسلہ اس طرح قایم ہوگا۔

(۱) افادہ اور قدر (۲) نقل پذیری (۳) غیر فنا پذیری (Indestructibility)
(۴) یک جنسیت (Homogeneity) (۵) تقسیم پذیری (Dividibility)
(۶) استقلال قدر (۷) شناخت پذیری (Cognizibility)۔

(۱) افادہ اور قدر چونکہ زر بیش قدر اور قیمتی اشیا کے تبادلہ کے لئے وضع ہوا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ زر میں بھی قدر موجود ہو اور قدر کے لئے اس میں افادہ کا ہونا لازمی ہے۔ اچھی طرح رائج ہو جانے کے بعد زر صرف اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے کہ اس کو پھر منتقل کر سکیں اس لئے اگر عوام الناس کو چیزوں کے ناکارہ ٹکڑے ایک مقررہ شرح قیمت سے قبول کرنے کے لئے آمادہ کر لیا جائے تو بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ فی الاصل زر میں مادی قدر کا ہونا چنداں

لازمی بات نہیں ہے اور زر کی سرگزشت میں ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔ چنانچہ سیپیاں جن میں ظاہراً کوئی قدر نہیں ہے چمڑے کے ٹکڑے اور کاغذ کے پرزے بیش قدر اشیا کے عوض وقتاً فوقتاً قبول کئے گئے ہیں مگر بہت سی صورتوں میں اس عجیب معمہ کا حل بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔ اگر تمام اقسام زر کی سرگذشت سے ہم اچھی طرح واقف ہو جائیں تو باقی صورتوں کی بھی تشریح و توضیح ہو سکے گی اصل چیز تو یہ ہے کہ لوگ مختلف چیزوں کے عوض مستقل تناسب کے ساتھ زر قبول کرنے اور پھر منتقل کرنے پر آمادہ ہو جائیں مگر یوں سب کو آمادہ کر لینا بھی کارے دارد۔ اول اول لوگوں کو ایسا زر قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے واسطے کوئی نہ کوئی معقول وجہ بھی ہونی چاہیئے۔ گو عادت کے اثر، اجماع عام، اور قانون کی مدد سے ایک بار رائج ہو جانے کے بعد زر کا رواج برقرار رکھا جا سکتا ہے لیکن یہ بہت مشتبہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی اور طاقتور حکومت بھی عوام الناس کو ایک ایسی بیکار شے کے بطور زر قبول کرنے پر آمادہ کر سکے جسے وہ کسی اور وجہ سے لینے پر تیار نہ ہوں۔ سوسائٹی کے ابتدائی مدارج میں تو یقیناً زر کا استعمال قانون کے زور سے نہیں ہوتا تھا پس معلوم ہوا کہ اس میں بطور زر مستعمل ہونے سے پہلے کسی نہ کسی قسم کا افادہ ہی شرط اولیں رہی ہوگی۔ چنانچہ پیگ کے منکے یا وام پمپیگ یعنی ان منکوں کے ہار جن کو سیاحان قدیم نے شمالی امریکہ میں زر کی حیثیت سے دائر دیکھا ہے بطور زیور مستعمل ہو چکے تھے۔ کوڑیوں کی بھی جو مشرق میں بطور زر کسی بڑی کثرت سے دائر ہیں مغربی ساحل افریقہ میں زیور کے لئے بڑی قدر ہے اس لئے غالباً مشرق میں زیورات کے لئے ان کا پہلے بڑا رواج رہا ہوگا۔ بیل۔ غلہ۔ چمڑہ۔ تنباکو۔ نمک۔ کسکاڈ کی چھلیاں وغیرہ میں بھی (جن کا چرچا تھے باب میں کہیں نہ کہیں بطور زر مستعمل ہونے کا ہم نے ذکر کیا ہے) ذاتی قدر اور افادہ ضرور موجود تھا۔ بظاہر اس کلیہ کے کچھ مستثنیات بھی نظر آئیں گی لیکن مزید تحقیق کے بعد ضرور ان کی معقول توجیہ ہو سکیگی۔ فی الجملہ اشارہ کے اس قول سے ہمارا بالکلیہ اتفاق کر لینا بیجا نہیں ہے کہ تاوقتیکہ کسی شے میں بالراست قدر موجود نہ ہو وہ بطور زر مستعمل نہیں ہو سکتی گو بلحاظ دوسری خصوصیات کے وہ اس

کام کے لئے کتنی ہی موزوں کیوں نہ ہو۔ کوئی چیز جب کثرت سے زر کی طرح استعمال
ہونے لگ جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اوس کا افادہ جیسی ان خدمتوں کا تابع ہو جاتا
ہے جن سے لوگ اس طرح متمتع ہونے لگتے ہیں مثلاً برتن۔ زیور۔ گھڑیاں
اور ورق بنانے کی بہ نسبت سونے کی اہمیت بطور مادۂ زر بہت بڑھی ہوئی
ہے۔ گو کسی شے کا استعمال جس سے پہلے بہت سے کام لئے جاتے ہوں
بالآخر بہ حیثیت زر محدود ہو جا سکتا ہے تاہم یا تو زر چلنی (Currency) کی طلب
کی وجہ سے یا عادت کے اثر سے اس کی سابقہ قدر برقرار رہتی ہے چنانچہ
ہندوستان کے سواحل پر جو کوڑیوں کا رواج ہے اس کی ایک بہت اچھی مثال
ہے۔ عادت کی اہمیت خواہ ذاتی ہو یا موروثی علم زر میں غالباً کم اتنی ہی موثر ہے
جتنی بقول ہربرٹ اسپنسر اخلاقیات اور عمرانی مسائل میں بالعموم ہوا کرتی ہے
لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سونے اور چاندی کی جو آج کل اتنی قدر ہے وہ
محض اس لئے ہے کہ عام طور پر ان کا زر کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے۔ ان میں
تو ایسی بے مثل اور مفید صفتیں ہیں کہ اگر یہ دھاتیں کافی مقدار میں دستیاب
ہوں تو خانگی ظروف، زیورات، اور اسباب آرائش کی ساخت میں وہ تمام
دھاتوں کی جگہ لے لیں۔ اور سیکڑوں چیزیں جو پیتل۔ کانسہ۔ رانگ۔ جرمن سلور
یا دوسری ادنیٰ دھاتوں کے مرکبات سے بنائی جاتی ہیں سونے اور چاندی
سے بنائی جانے لگیں گی ذریعۂ تبادلہ (Medium of Exchange) اور ذخیرۂ قدر
(Store of value) کے فرائض عمدگی سے انجام دینے کے لئے اور نیز باعتبار
سہولت حمل و نقل زر کے لئے ضرور ہے کہ وہ ایسی شے کا بنا ہوا ہو جس کی تمام
اقطاع عالم میں قدر و منزلت کی جاتی ہو اور بشرط امکان ایسی چیز ہو جس کی تمام
قومیں یکساں توقیر کرتی ہوں۔ چنانچہ اس میں کسی کو کلام نہیں ہے کہ خوش قسمتی
سے سونا اور چاندی جن جن قوموں کو دستیاب ہوا انھوں نے ان دھاتوں کی
یکساں قدر اور توقیر کی ہے اور غالباً آج کل کی طرح زمانۂ قدیم میں بھی ان
دھاتوں کا خوشنما رنگ اور چمک دمک ہی لوگوں کی توجہ اور ان کی قدر و منزلت
کا باعث ہوئی ہوگی۔

(۲) نقل پذیری مادہ زر کا صرف ذی قدر ہونا ہی کافی نہیں ہے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا وزن اور جسامت بھی بہ لحاظ قدر موزوں ہو نہ تو اتنی بھاری اور جسیم ہو کہ ڈھونا دشوار ہو جائے نہ اتنی مختصر اور باریک کہ ٹٹو لنے کی نوبت آئے۔ یونان میں ایک روایت مشہور تھی کہ لائی کرگس نے لیسیڈیمون کے لوگوں کو آہنی زر کا استعمال کرنے کے لئے اس نیت سے مجبور کیا تھا کہ اس زر کی گراں باری اُن کی روز افزوں تجارت میں روڑا اٹکائے۔ اِس زمانے میں بھی آہنی زر نقد ادائیوں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ ایک پنس کا وزن آدہ سیر سے بڑھ کر ہوگا اور جو کام پانچ پونڈ کی نوٹ سے نکل سکتا ہے اس کے لئے ایک ٹن لوھا دینے کی ضرورت پڑیگی چنانچہ گذشتہ صدی میں جب کہ سویڈن میں تانبا خاص ذریعہ تبادلہ تھا تاجروں کو مسی ڈالروں کی نقد رقم لانے کے لئے چھکڑے ساتھ لے جانا پڑتے تھے۔ اس سے پہلے زمانوں میں بھی اکثر اشیاے زر نقل پذیری کے وصف سے بالکل عاری رہی ہوں گی۔ بیل بکریاں تو خیر اپنے پاؤں آپ منتقل ہو جاتے مگر غلّہ چرم تیل اور کھجور یا دام میں تو یہ بات نہیں بعض دوسری صفات کے لحاظ سے وہ ایک معقول مادّہ زر ہوں لیکن جسامت اور وزن کی وجہ سے ان کو منتقل کرنے میں جو کچھ دشواری ہوتی ہوگی ظاہر ہے۔

زر کی نقل پذیری نہ صرف اس وجہ سے اہم ہے کہ بلا دقت چھوٹی چھوٹی رقمیں جیب میں لئے پھر سکتے ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی کہ بڑی بڑی رقمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہی نہیں بلکہ تھوڑے خرچے سے ایک بر اعظم سے دوسرے بر اعظم کو بھی منتقل کی جا سکتی ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ تمام اقطاع عالم میں زر کی قدر تقریباً یکساں ہو جاتی ہے۔ غلّہ اور کوئلہ کی قسم کی چیزوں کی جو قدر کے تناسب سے زیادہ جسیم اور وزن دار ہوتے ہیں اگر ایک جگہ قلت اور دوسری جگہ بہتات ہو جائے تو بار برداری کی مشکلات اور اخراجات کی علت طلب و رسد کا توازن قایم کرنے میں بڑے موانعات ہوں گے۔ اس کے برخلاف لندن سے پیرس تک سونے کے حمل و نقل کے مصارف بشمول فیس بیمہ ایک فیصدی کے اعشاریہ چار سے بھی نہیں ہوتے اور دنیا کے دور و دراز ملکوں کو منتقل کرنے کا خرچ بھی دو تین فیصدی سے

بڑھ کر نہیں ہوتا۔
چیزیں حد سے زیادہ قیمتی بھی ہو سکتی ہیں اور بے حد ارزاں بھی اس لئے اگر کسی چیز کا بے دھڑک بہ حیثیت زر استعمال شروع ہو جائے تو روزمرہ کاروبار میں یا تو خوردبین سے کام لینا ہوگا یا کیمیائی ترازو سے مدد لینا پڑے گی۔ ہیرے قطع نظر دوسری خامیوں کے چھوٹی معاملتوں کے لئے ضرورت سے بہت بڑھ کر قیمتی ہوں گے برخلاف معمولی دھاتوں کے ان بیش قدر پتھروں کی قیمت باعتبار وزن چوگونہ گو نسبت سے بڑھتی ہے۔ اس لئے ہیروں اور دھاتوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں مثلاً ایک کیرٹ کے ہیرے کو لیجئے جس کی قیمت پندرہ پونڈ اور وزن چار گرین ہوتا ہے سونے سے بلحاظ وزن وہ (۴۶۰) گنا قیمتی ہوگا۔ ریڈیم اور آسیمیم کی مانند بعض دھاتیں بھی نادر اور کمیاب ہیں جو اپنی کثیر قیمت کی وجہ سے چلن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہیں حتیٰ کہ سونا اور چاندی بھی تو چھوٹی چھوٹی رقموں کے لئے بہت بیش قیمت ثابت ہو چکے ہیں مثلاً چاندی کا پنس بنایا جائے تو اس کا وزن سوا سات گرین ہوگا اور سونے کے پنس کا وزن تو نصف گرین سے بھی کم ہوگا جو سکے کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ کیلیفورنیا میں جو ہشت نما ہشت پہلو ربع ڈالر کے سکے رائج ہیں ان سے چھوٹا کوئی سکہ ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ وزن ان کا چار گرین سے بھی کم ہے اور اس درجہ باریک و سبک ہوتے ہیں کہ پھونک دینے سے اڑ جاتے ہیں۔

(۳) **غیر فنا پذیری** زر کو اگر تجارت میں ادھر سے ادھر منتقل ہوتے رہنا اور محفوظ و پس انداز بھی رہنا ہے تو ایسا ہونا چاہئے جو نہ بآسانی تلف ہو اور نہ بگڑ سکے۔ نہ تو الکحل کی طرح اڑ جانے والی چیز ہو اور نہ حیوانی اشیا کی طرح سڑ جانے والی نہ تو لکڑی کی طرح گل جائے اور نہ لوہے کی مانند زنگ آلود ہو جائے۔ گو انڈے، سوکھی مچھلی، مویشی، اور روغن کا بطور زر ضرور استعمال ہوا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ اگر آج زر کی طرح استعمال کیجئے تو کل کھا لینا پڑتا ہے۔ پس چونکہ ایسی اتلاف پذیر اشیا کا ذخیرہ جمع کر کے نہیں رکھا جا سکتا اس لئے ان کی قدر بھی بہت کچھ تغیر پذیر رہتی ہے البتہ غلہ کی بہت سی قسمیں اس نقص سے نسبتہً مبرا ہیں اگر ان کو پہلے اچھی طرح سکھا لیا جائے تو کئی سال تک ان میں خرابی نہیں پیدا ہونے پاتی۔

(۴) یک جنسیت یہ ضروری بات ہے کہ جو چیز زر کے لئے استعمال کی جائے اس کا ہر نمونہ اور ہر حصہ بالکل یکساں ہو یعنی ہر جز و ایک ہی صفت سے متصف ہو تاکہ ہر متساوی الوزن حصہ کی قیمت برابر رہے۔ اگر اکائیوں میں حساب کرنا ہو تو یہ بدیہی ہے کہ سب آپس میں یکساں اور برابر ہوں تاکہ ہمیشہ دو اور دو کی میزان چار ہوا کرے۔ جواہرات میں یہ حساب شاذ و نادر ہی ٹھیک جمتا ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ چار ہیروں کی دو ہیروں کی قدر کے ٹھیک دوچند ہوا کرے قیمتی دھاتوں میں بھی معدن سے برآمد ہوتے وقت پوری یک جنسیت نہیں پائی جاتی بلکہ وہ آپس میں مختلف نسبتوں سے مخلوط و ممزوج رہا کرتی ہیں مگر اس سے کوئی ایسی دقت نہیں ہوتی کیونکہ ایک ماہر پرکھنے والا بآسانی یہ معلوم کر لے سکتا ہے کہ ہر ڈلے میں کس دھات کی کسقدر خالص مقدار موجود ہے۔ صاف کرنے اور سکوں میں ڈھالنے کے بعد تو ان میں ٹھیک طور پر ایک ہی درجہ کا کھرا پن (Fimeness) پیدا ہو جاتا ہے اور ہر ٹکڑا دوسرے ہم وزن ٹکڑے سے قدر و قیمت میں بالکل برابر ہوتا ہے۔

(۵) تقسیم پذیری صفت مذکورۂ بالا سے تقسیم پذیری کو بھی بڑا لگاؤ ہے مشین کے سامنے تو یقیناً ہر شے تقسیم پذیر ہو جاتی ہے اور ایک نہیں بلکہ بے شمار تقسیمیں ہوتی چلی جاتی ہیں چنانچہ سخت ترین ہیروں کے بھی ٹکڑے کئے جا سکتے ہیں اور فولاد بھی سخت تر فولاد سے کٹ جاتا ہے، لیکن مادۂ زر کا صرف تقسیم پذیر ہونا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جملہ اجزاء کی مجموعی قدر وہی ہو جو پہلے کل کی تھی۔ اگر ایک کھال یا سمور کے ٹکڑے کر ڈالیں تو ظاہر ہے کہ ٹکڑوں کی قیمت سالم کے برابر کبھی نہ ہوگی البتہ اگر خاص وجوہ سے ان ٹکڑوں کی قدر ہونے لگے تو اور بات ہے۔ لکڑی پتھر اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے جن کو ٹکڑے کرنے کے بعد پھر نہیں جوڑا جا سکتا برخلاف اس کے دھاتوں کے ٹکڑوں کو جب چاہیں گلا کر ملا لے سکتے ہیں اور بیش قیمت سے بیش قیمت دھات کے ٹکڑوں کو گلانے اور ملانے کے مصارف بہ شمول مالیت اتلاف فی اونس پاو پنی یا زیادہ سے زیادہ نصف پنی سے بڑھ کر نہیں ہوتے جو بالکل ناقابل لحاظ ہیں۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ سونے یا چاندی کے کسی ٹکڑے کی قدر خالص دھات کے

وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے تو بالکل بجا اور صحیح ہو گا۔

(۶) استقلال قدر زر میں یہ بات بھی ضرور ہونی چاہئے کہ اس کی قیمت میں بہت کم تغیر ہوا کرے۔ اور حتی الامکان اشیاء کے تبادلوں میں زر کی نسبتیں بالاوسطہ غیر تغیر پذیر ہوں اگر زر کسی وقت محض پیمانۂ قدر اور ذریعۂ تبادلہ ہی کے کام کا ہو تو اس وصف کی اہمیت نسبتاً بہت کم رہ جائے گی اور جیسے جیسے زر کی قدر میں تغیر ہوتا جائے اسی نسبت سے اگر قیمتوں میں بھی کمی بیشی ہوتی رہے تو ظاہر ہے کہ سوا اس زر کے جو کسی کے پاس محفوظ یا خزانہ اور بنک میں جمع ہو کسی شخص کا کوئی نقصان نہ ہو گا مگر جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں زر کو لوگ عملاً لمبی لمبی مدتوں کے معاہدوں میں بھی معیار قدر قرار دیا کرتے ہیں اور حالانکہ ادائیوں کی قدر میں بہت کچھ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر قانون سے یا رواج کی بدولت ہمیشہ ایک اور نہ بدلنے والی شرح سے لین دین جاری رہتا ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ قدر زر کے تغیر سے سوسائٹی کا کچھ نہ کچھ نقصان ہوتا رہتا ہے۔

مگر یہ بحث بھی بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے کہ اگر قرض خواہ کا کچھ نقصان ہو جائے تو مقروض کا اسی قدر فائدہ ہے اور مقروض کا جتنا نقصان ہو قرض خواہ کا اسی قدر فائدہ ہو جاتا ہے اس لئے بہ حیثیت مجموعی سوسائٹی کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر اس بحث کی ایک ریاضی تحلیل کی جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ ایک سے کچھ رقم لیکر دوسرے کو دے دینے میں بالاوسطہ دینے والے کا نقصان بہ نسبت لینے والے کے فائدے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ایسے شخص کو جس کی آمدنی سو پونڈ سالانہ ہو دس پونڈ کے کھو جانے سے جو نقصان پہنچیگا وہ اس منافعہ سے زیادہ ہو گا جو اس کو دس پونڈ اور ملنے سے حاصل ہوتا اس لئے کہ جس وقت وہ نو دے پونڈ کا مالک ہوتا ہے زر کی قدر اس کی نظروں میں بہ نسبت اس وقت کے زیادہ ہوتی ہے جب کہ اس کے پاس ایک سو دس پونڈ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی اصول پر جوا۔ قمار بازی۔ اور سٹہ کے جیسے تخمینی معاملات اور انتقال جائداد کے دیگر اتفاقی طریقے سوسائٹی کے حق میں مضر اور موجب نقصان رسانی تصور کئے گئے ہیں۔ تجارت وصنعت کی ترقی اور اصل سرمائے کی فراہمی تخمین

اور اس خوشی پر مبنی ہوتی ہیں جو معاملتوں کی کامیابی سے حاصل ہوں مگر زر کی قدر کا ہر تغیر اس توقع کو ملیا میٹ کر دیتا ہے اور جد و جہد کی خواہش کو کمزور اور پژمردہ کر ڈالتا ہے۔

(۷) **شناخت پذیری** شناخت پذیری سے ہمارا مفہوم کسی چیز کا دوسری تمام اشیاء سے ممیز ہونا اور سہولت سے پہچانے جانے کے قابل ہونا ہے۔ چونکہ بہ حیثیت ذریعہ تبادلہ زر کو ہمیشہ ادھر سے اُدھر دورہ کرنا پڑتا ہے اس لئے لوگوں کو زر لیتے وقت اگر ہر بار جانچ پڑتال اور وزن و تشخیص کرنے کی ضرورت پڑے تو بڑی دشواری کا سامنا ہوگا اور اگر اس کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے کسی خاص قابلیت یا مہارت کی ضرورت ہے تو بیچارے وہ غریب جو اس سے نابلد ہوں مفت گھاٹے میں رہیں گے۔ اسی واسطے ذریعۂ تبادلہ میں چند مخصوص علامتیں ہونی چاہئیں جن سے اس کی بآسانی جانچ ہو سکے اور دھوکے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ گو جواہرات دوسری صفتوں کے لحاظ سے بوجوہ احسن زر کے لئے موزوں ہوں مگر اس نقص کی وجہ سے استعمال نہیں کئے جا سکتے کیوں کہ اصلی اور نقلی ہیروں کی جانچ اور تشخیص کے لئے ہمیشہ ایک ماہر جوہری کی ضرورت رہا کرے گی۔

شناخت پذیری کے ذیل میں ایک اور صفت بھی آجاتی ہے جس کو نقش پذیری (Impressibility) کہتے ہیں یعنی مادۂ زر ایسا ہو جس پر بآسانی مُہر نقش یا ٹھپہ ڈال سکیں تاکہ وہ مقررہ قیمت کا چالو زر (Current) بن جائے۔ یا بالفاظ دیگر ایسی چیز ہونی چاہئے جس کی تسکیک ہو سکے ہر ملک کا قانون اور قاعدہ کے بموجب سلطنت کی مُہر سے منقوش ہو کر ایک عمدہ اور قانونی زر تسلیم کیا جائے اور ہر ایسے منقوش سکّے کا وزن، جسامت، اور قدر برابر رہے۔ ایک اچھا سکّہ بنانے میں جو جو مدارج طے کرنے پڑتے ہیں ان کا ہم آیندہ کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔

چھٹا باب

فلزات (METALS) بحیثیت زر

تفصیل سے بتلانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ چوتھے باب میں جن متعدد اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے گو ان میں کم و بیش وہ صفتیں پائی جاتی ہیں جو زر کے مادہ میں ہونی چاہئیں مگر ذرہ برابر بھی وہ دھاتوں کی برابری نہیں کر سکتیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض دھاتوں کو تو قدرت نے خاص اسی غرض سے پیدا کیا ہے بالخصوص جب کہ وہ ذریعۂ تبادلہ یا ذخیرۂ قدر کے لئے استعمال ہوتی ہیں یہی وجہ ہے جو ہم تمام تاریخی زبانوں میں سونے، چاندی، تانبے، ٹین، سیسے، اور لوہے کو کم و بیش کثرت سے بطور زر رائج پاتے ہیں۔ اور ایسے استعمال سے چاندی اور تانبے کا لگاؤ زر کے ساتھ لوگوں کے ذہن میں کچھ ایسا راسخ ہو گیا ہے کہ یہ دھاتیں ہی زر کے نام سے موسوم ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یونانی زبان میں (apy upos) کے معنی چاندی کے بھی ہوتے ہیں اور نقرئی سکّے کے بھی اور زر تو اس لفظ کے عام معنی ہیں لاطینی میں آیز (aes) تانبا پیتل، رانگ کو بھی کہتے ہیں اور عام طور پر زر یا اُجرت کو بھی۔ اسی طرح فرانسیسی میں ارجانت (Argent) چاندی بھی ہے اور زر بھی معنوں کا یہی گہرا تعلق انگریزی کے علاوہ اور دوسری زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور حالانکہ آج کل ہمارے (انگریزی) پنس رانگ کے بنتے ہیں مگر اُن کو اب تک کاپرس (یعنی تانبے کے ٹکڑے) ہی کہا کرتے ہیں۔

بجز لوہے کے اور دوسری خاص دھاتیں کچھ عجیب طور سے غیر فنا پذیر واقع ہوئی ہیں کہ ادھر سے ادھر منتقل کرنے یا رکھ چھوڑنے سے ان میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ ہر ایک قسم کی دھات میں تقریباً ایک جنسیت بھی پائی جاتی ہے اور دو ٹکڑوں میں بجز وزن کے کچھ اور فرق نہیں ہوا کرتا البتہ سونے اور چاندی کے ٹکڑوں میں خالص اور غیر خالص مقدار کی وجہ سے کچھ تفاوت ہو جاتا ہے۔ جس کے معلوم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں دھاتیں بدرجۂ کمال تقسیم پذیر بھی واقع ہوئی ہیں خواہ ان کو توڑ کر ٹکڑے کئے جائیں یا پگھلا کر تقسیم کیا جائے کوئی دشواری نہیں پھر یہ ٹکڑے بلا کسی اتلاف یا خرچ کے پگھلا کر جوڑ بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ مزید برآں بہت سی دھاتوں میں نقش پذیری اور شناخت پذیری بھی بدرجۂ اتم موجود رہتی ہے ہر دھات کا ایک مخصوص رنگ، کثافت اور سختی ہوا کرتی ہے جس سے معمولی تجربہ کا آدمی بھی ایک دھات کو دوسری دھات سے بآسانی ممیز کر سکتا ہے متورق Melleable اتنی ہوتی ہیں کہ ان کو توڑ مروڑ کر جس شکل میں چاہیں بہ آسانی گھڑ لے سکتے ہیں اور ٹھپّہ سے ان پر مستقل نقش بھی جم جاتا ہے۔ الغرض سوائے اُن چینی سے بنے ہوئے سکّوں کے جن کا سیام میں رواج تھا ہم کو سوائے فلزات کے کسی اور شئے سے سکہ بنائے جانے کا علم نہیں ہے۔

البتہ ثبات قدر کے لحاظ سے اناج کی طرح دوسری بہت سی چیزوں کی بہ نسبت دھاتیں کچھ ایسی تشفی بخش نہیں ہوتیں۔ غیر متمدن قومیں جس طرح آج کل دھاتوں کی وقعت و توقیر کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی دھاتوں کا بڑی بیش قدر چیزوں میں شمار رہا ہوگا مگر ان کی قدر بہت کچھ گھٹ گئی ہے اور صنعت و حرفت کی ترقی اور نت نئے کیمیاوی طرائق اخذیت کے اختراع کی وجہ سے ان کی قدر دن بدن گھٹتی ہی جا رہی ہے اب تو ان کی قدر کے سلسلے میں بھی تغیر و تبدل ہونے لگا چنانچہ تانبا جو بقول مسٹر گلیڈسٹون عہد ہومر میں سب سے عام اور ایک مفید دھات تھی قدر کے اعتبار سے لوہے سے کم تھا مگر اب اس کی قدر بڑھ گئی ہے اُس زمانے میں سیسے سے بہت کم لوگ واقف تھے

اور قدر بھی اتنی نہ تھی مگر سونے تانبے اور ٹین کا نمبر بلحاظ سلسلہ قدر وہی تھا جو آجکل ہے۔

لوہا

اب ان متعدد دھاتوں میں سے ہر ایک پر تھوڑی دیر غور کیا جائیگا۔ قدیم زمانے میں لوہے کا بہ طور زر کثرت سے رائج ہونا ارسطو۔ پالکس اور دیگر مصنفین کی تحریرات سے ثابت ہے آہنی زر کا گو اب کوئی نمونہ موجود نہیں ہے مگر اس کی وجہ بآسانی معلوم ہو سکتی ہے اس دھات کو بہت جلد زنگ کھا جاتا ہے اور نمونہ دستیاب نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ اس زر کی جسامت کتنی اور شکل کس قسم کی تھی۔ غالباً ان چھوٹے چھوٹے ڈلوں کی طرح جو وسط افریقہ کے باشندوں میں اب بھی تجارت میں مستعمل ہیں یہ زر بھی ڈلوں سیخوں یا سلاخوں پر مستعمل ہوگا جاپان میں تو آہنی زر اب تک چھوٹی رقموں کے کام آتا رہا ہے مگر اس کی تسکیک بالکل بند کر دی گئی ہے ارزانی کے قطع نظر زنگ کی وجہ سے اس دھات کے منقوشات بہت جلد غائب اور مفقود ہو جاتے ہیں اور میلے کچیلے ہو جانے کے علاوہ تقلیب سکہ اور جعلسازی بہت آسان ہے اس لئے آجکل متمدنہ ممالک میں خالص آہنی سکوں کا استعمال بالکل خارج از بحث ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ لوہے کو کسی اور دھات سے مرکب کر کے پنس بنانے کے کام میں لایا جائے۔

سیسا جیسا کہ یونانی اور لاطینی شعرا کے کلام میں کہیں کہیں ذکر ہے سیسے کا بھی زمانۂ قدیم میں بطور زر عام رواج تھا۔ اب تک بھی یعنی ۱۶۳۵ء تک مساشوسٹ میں سیسے کی گولیاں خردہ (change) وریزگاری کے کام آتی تھیں اور ہر گولی پنس کے برابر ہوا کرتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ادائیوں کے لئے ملک برما میں بھی ان کا رواج ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زیادہ نرمی کی وجہ سے خالص دھات کے سکے نہیں بنائے جا سکتے مگر سیسا جو پیتل کے مرکب کا ایک خاص جزو ہے نہایت کثرت سے مسکوک ہوتا رہا ہے۔

ٹین ٹین بھی اس غرض کے لئے مختلف زمانوں میں مستعمل ہو چکا ہے

سب سے ابتدائی سکہ جس کا کچھ بھی تحقیق سے حال معلوم ہو سکا سائراکیوز کے ڈائیونیسیز کا جاری کیا ہوا تھا چونکہ زمانۂ قدیم میں ٹین کارنوال ہی میں دستیاب ہوتا تھا اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ سب سے ابتدائی برطانوی سکے ٹین سے کے بنائے گئے ہوں گے۔ چنانچہ شہنشاہان روما کے بنائے ہوئے قسم قسم کے ٹین کے سکے اکثر عجائب خانوں کی الماریوں میں رکھے ہوئے نظر آتے ہیں انگلستان کے بادشاہوں نے بھی کئی بار اس کے سکے ڈھالے ہیں چنانچہ ۱۶۸۰ء میں چارلس دوم نے ٹین ہی کے پنس جاری کئے تھے اور جعل سازی کے سدباب کے لئے اس کے بیچ میں تانبے کا ایک نگینہ جڑوا دیا تھا۔ ولیم اور میری کے عہد میں بھی ۱۶۹۰-۹۱ء ٹین کے نصف پنس اور فارذنگ بنوائے گئے۔ کسی زمانے میں باشندگان جاوا میکسکو اور دوسرے ملکوں میں ایسے سکوں کا رواج رہا ہے اب بھی ابنائے ملاکا کے نواح میں ان کا چلن جاری ہے اور صرف وزن سے اندازہ کر لیا جاتا ہے۔ پنس بنانے کے لئے یہ دھات بہت سی باتوں کے لحاظ سے اچھی ہے سفید نفیس رنگ کے قطع نظر زنگ کا بھی تو اس پر بالکل اثر نہیں ہوتا اور تانبے سے کچھ بیش قدر ہی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی نرمی اور خمیدگی و شکستگی کا میلان اس کے بطور زر مستعمل ہونے میں کچھ ایسے موانعات ہیں جن کا ارتفاع اپنے بس کی بات نہیں ہے۔

تانبا یہ دھات باعتبار تسکیک کئی پہلوؤں سے بہت موزوں ہے خشک ہوا میں پڑے رہنے سے اس میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ اس کا ایک خاص نفیس لال رنگ ہوتا ہے اور یہ ٹھپے سے بہت اچھا نقش بھی قبول کر لیتی ہے جو بہ نسبت دوسری تمام دھاتوں کے زیادہ دیرپا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی تنہا اور کبھی طلائی یا نقرئی زر کے تحت اس کا مسلسل استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہودیوں کے قدیم سکے تانبے ہی کے ہوا کرتے تھے اور ۲۶۹ء ق۔م تک جب کہ پہلے پہل رومتہ الکبریٰ میں چاندی کی تسکیک ہوئی ہے ان کا زر قلزی ایک قسم کے غیر خالص تانبے کا ہوا کرتا تھا جس کو ایز کے نام سے موسوم کرتے تھے زمانۂ مابعد میں بھی تانبا نہ صرف زر کسری کے لئے مستعمل ہوا ہے بلکہ سو سال پہلے تک سویڈن اور

روس کا زر کم و بیش اسی دھات کا بنایا جاتا تھا مگر اب اس کی کم قدری ہی اس کے استعمال میں بڑی رکاوٹ ہے چنانچہ ایک پنس میں اگر بلحاظ قیمت دھات شریک کی جائے تو ۸۷۰ گرین یعنی تقریباً دو اونس تانبا صرف ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی قیمت بھی کچھ زیادہ تغیر پذیر ہے اس لئے توقع نہیں ہے کہ تانبا آئندہ کبھی خالص حالت میں زر کے لئے استعمال کیا جا سکے گا پنس بنانے کے لئے تو کانسہ ہی بیحد موزوں اور بہترین دھات ثابت ہو چکا ہے۔

چاندی اس سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ چاندی اپنی بے مثل اور نفیس چمک دمک کی وجہ سے تمام دھاتوں میں ممتاز ہے گو بعض فلزاتی مرکبات بھی انیکو لم یا برطانوی دھات کی طرح تقریباً اسی قدر چمکدار بنائے جاتے ہیں مگر وہ یا تو اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ جلد ٹوٹ پھوٹ جایا کرتے ہیں یا ایسے نرم کہ ان میں وہ فلزاتی چھن چھناہٹ نہیں ہوتی جو چاندی کے لئے مخصوص ہے۔ چاندی کو اگر عرصے تک کھلی جگہ میں رکھ دیا جائے تو اس کا رنگ کسی قدر مدھم پڑ جاتا ہے اور سطح پر سلور سلفائیڈ کی ایک باریک تہ جم جاتی ہے لیکن اس سے چاندی کے بطور زر مستعمل ہونے پر کوئی مضر اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ تہ بالکل موہوم سی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس نقلی اور اصلی دھات کے شناخت کرنے میں یہ سیاہی مائل دھبّہ بڑی مدد دیتا ہے۔ چاندی کو اگر اعتدال سے مرکب کیا جائے تو اس میں خاصی سختی پیدا ہو جاتی ہے اور جلد ٹوٹ پھوٹ یا گھس جانے کا احتمال نہیں رہتا الغرض سونے کو چھوڑ کر کوئی اور دھات نرمی اور نقش پذیری میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

سکہ یا چاندی کی بنی ہوئی چیزیں مندرجۂ ذیل علامتوں سے پہچانی جاتی ہیں:

۱۔ رگڑنے یا کھرچنے سے اس میں ایک عمدہ سفید چمک نمایاں ہوتی ہے۔

۲۔ دیر تک خشک ہوا میں رکھی رہے تو اس کی سطح پر ایک پتلی سی سیاہی مائل جھلی یا تہ جم جاتی ہے۔

۳۔ اس میں ایک معتدل اوسط درجہ کی کثافت اضافی پائی جاتی ہے۔

۴۔ زمین پر ٹپکنے سے ایک مخصوص فلزاتی کھن کھن سنائی دیتی ہے۔

۵ - اس میں اچھی خاصی سختی ہوتی ہے۔
۶ - تیز نائٹرک ایسڈ (ترشہ) میں چاندی حل ہو جاتی ہے اور اس سیال چاندی کو اگر روشنی دکھائی جائے تو بالکل سیاہ ہو جاتی ہے۔
اب یہ بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ آغاز فن تسکیک سے لیکر آج کے دن تک ہر زمانے میں چاندی سکہ بنانے کے لئے مستعمل ہوتی ہے۔ سونے اور تانبے کی قدر سے جو اس کی قدر کو نسبت حاصل ہے اس کی وجہ سے نظام زر میں سونے اور تانبے کے بین بین درمیانی جگہ لینے کے لئے چاندی بیحد موزوں ہے۔ قدر بھی اس کی پچاس پچاس کیا سو سو سال تک کم وبیش مستقل رہا کرتی ہے کیونکہ زر کے علاوہ اس دھات کا ایک بڑا ذخیرہ ظروف اور قسم قسم کے زیوروں گھڑیوں وغیرہ کی شکل میں ہمیشہ موجود رہا کرتا ہے یعنی اگر کچھ دنوں رسد میں کمی ہو جائے تو عام ذخیرے پر کوئی قابل لحاظ اثر مترتب نہیں ہوتا مزید براں اس کی کانیں دنیا کے تقریباً تمام حصوں میں پائی جاتی ہیں اور جہاں جہاں سیسا برآمد ہوتا ہے وہاں ایک قلیل مگر مستقل مقدار چاندی کی بھی دستیاب ہوتی رہتی ہے بشرطیکہ سائنس کی اختراع کے طریقے پر اس کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔

سونا چاندی خوش نما ہے مگر سونا اس سے بھی بڑھ کر خوبصورت ہے فی الواقع اس میں چند مفید اور خاص اوصاف کچھ اس قسم سے مشترک پائے جاتے ہیں کہ تمام دنیا کی اشیائے معلومہ میں اس کی ٹکر کی کوئی اور دھات نہیں گہرے زرد اور چمکدار رنگ کے ساتھ جس کو سنہری سے بہتر اور کوئی نام نہیں دے سکتے۔ اس میں ایک حیرت انگیز لوچداری اور اور اتنی بڑی کثافت اضافی ہے کہ شاید ہی پلاٹینم جیسی چند نادر الوجود دھاتیں اس سے بڑھ سکتی ہوں کسی سکّے کو پرکھنا اور یہ دیکھنا مقصود ہو کہ وہ سونے کا بنا ہوا ہے یا نہیں تو ہم بالعموم ان تین باتوں کو جانچتے ہیں۔
(۱) چمکدار زرد رنگ (۲) اعلیٰ کثافت اضافی (۳) زمین پر ٹپکنے سے فلزاتی گونجدار آواز جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سکّے کے اندر پلاٹینم یا سیسے کا جز تو نہیں ہے۔

اس پر بھی اگر کسی دھات کے سونا ہونے یا نہ ہونے میں شک ہو تو حل پذیری سے پتہ چل جائے گا۔ سونے میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ نہ تو گھستا پستا ہے اور نہ حل ہوتا ہے۔ کتنی ہی دیر کھلی ہوا میں رکھئے۔ ہوا خواہ خشک ہو یا تر یا گندہ اس پر نہ کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ میل جمتی ہے۔ ماسوا اس کے یہ سادہ ترشوں میں حل بھی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ہم رنگ اور مصنوعی دھات اس میں ملی ہوئی ہو تو وہ طاقتور نائٹرک ترشہ سے علحدہ ہو جائے گی اور سونے کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ مرکب حالت میں اس کے ساتھ جو تانبے یا چاندی کے اجزا اس میں ملے ہوئے رہتے ہیں وہ بھی ترشوں کے اثر سے ایک حد تک محفوظ ہو جاتے ہیں۔ غرض سونا تسکیک کے لئے ہر لحاظ سے بدرجۂ اتم موزوں ہے۔ خالص حالت میں یہ ٹین کی مانند نرم ہوتا ہے لیکن جہاں اس میں دسواں یا بارھواں حصہ تانبے کا ملا دیا جائے اتنا سخت اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ نہ باآسانی گھٹ سکتا ہے اور نہ پس سکتا ہے۔ اس میں ایک خاص فلزاتی کھن کھناہٹ بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور طرہ یہ ہے کہ بدرجۂ کمال متورق ہے اور بہت عمدگی سے نقش قبول کر لیتا ہے اس کی اماعت کا معیار اعلیٰ مگر اوسط درجہ کا ہوتا ہے بڑی سے بڑی بھٹی کی حرارت بھی اس کو مائید (Oxidise) نہیں کر سکتی اور نہ کسی نے اس کو بھاپ کی شکل میں اڑتے ہوئے دیکھا اسی وجہ سے پرانے سکوں اور ٹوٹے پھوٹے ٹکڑوں کو پگھلا کر پھر بلا کسی نقصان کے جوڑ سکتے ہیں جس کا خرچہ بالکل ناقابل لحاظ یعنی فی اونس نصف پنی یا بالفاظ دیگر ایک فیصدی کے بیسویں حصے سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔

پلاٹینم یہ دھات منجملہ ان چند نادر الوجود فلزات کے ہے جو زمانۂ حال میں دریافت ہوئی ہیں۔ ایک طرف تو اعلیٰ نکتۂ اماعت، اور آکسیجن سے تقریباً بالکل بے تعلقی کی وجہ سے یہ سب سے زیادہ غیر فنا پذیر ہوتی ہے دوسری طرف اس کا سفید رنگ اور نہایت اعلیٰ کثافت اضافی ایسی چیزیں ہیں جن سے اس کے تمیز کرنے میں کسی کو دھوکے کا اندیشہ نہیں اسی لئے چونکہ زر کے لئے وہ بہت موزوں معلوم ہوئی روسی سلطنت نے جس کے

یورال پہاڑی میں یہ بکثرت دستیاب ہوتی ہے ۱۸۲۸ء میں پلاٹنم کے سکے ڈھالنا شروع کئے ۔ بارہ، چھ، اور تین رُوبل کے سکے جاری ہوئے مگر استعمال کے بعد اس میں بہت جلد چند خامیاں نظر آئیں چمک دمک میں چونکہ سونے اور چاندی کی برابری نہیں کر سکتی اس لئے زیورات کے لئے یہ شاذ ونادر ہی کام آتی ہے ۔ آلات کیمیاوی کے لئے البتہ اس کا تھوڑا بہت استعمال ہوجاتا ہے مگر چونکہ اس کا کوئی بڑا ذخیرہ اور شکلوں میں موجود نہیں رہا کرتا اور یہ خود عسیر الحصول بھی ہے اس لئے رسد کم ہے اور طلب کے ذرا سے تغیر سے اس کی قدر میں زمین و آسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی تسکیک کے مصارف بھی بہت کثیر ہوتے تھے پگھلانے کی دشواری اور گھٹیا سکوں کو واپس لیکر پھر مسکوک کرنا بڑی دقت اور کثیر مصارف کا موجب تھا مختصر یہ کہ پلاٹنم تسکیک کے لئے بالکل ناموزوں ثابت ہوی اور بیس سال کے بعد روس میں اس کی تسکیک قطعاً موقوف کردی گئی اور متداول سکے واپس لے لئے گئے اخذیت اور استعمال کے طریقوں میں چونکہ اب بہت کچھ اصلاحیں ہوچکی ہیں اس لئے ۱۸۶۷ء کی پیرس کی بین الاقوامی کانفرنس زر میں جو روس کے نمایندہ یم ڈی۔ یعقوبی نے تجویز پیش کی تھی کہ کم از کم پانچ فرانک کے سکے کے لئے پلاٹنم کام میں لائی جانی چاہئے لیکن میرے خیال میں کبھی اس تجویز پر عمل نہ ہو سکے گا ۔

نِکل ماہرین فلزات پہلے اس دھات کو زہر کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر اب اس کو صنعت و حرفت ہی میں نہیں بلکہ علم زر میں بھی ایک اہم درجہ حاصل ہوگیا ہے اور صرف دوسری دھاتوں کے ساتھ ترکیب دیکر اس کو استعمال کرتے ہیں ۔ تسکیک کے لئے بالعموم یک ربع نکل کے ساتھ تین حصے تانبا شریک کیا کرتے ہیں ۔ بلجیم کے چھوٹے سکے اور ممالک متحدہ امریکہ کے سینٹ اسی سے بنائے جاتے ہیں اور بظاہر اس میں سہولت بھی ہے ۱۸۶۹ء میں جمیکا کی نوآبادی کے لئے انگلستان کی دار الضرب سے اسی مرکب کے پنسیاں اور نصف پنسیاں بقدر تین ہزار پونڈ ڈھال کر بھیجے گئے تھے ۔ ٹاور مل یعنی انگلستان کی دار الضرب سے اب تک جو بہترین سکے جاری ہوئے ہیں ان میں سے یہ بھی ایک نہایت خوبصورت سکہ تھا اور جاپن کے لئے بھی بعض خصوصیات سے کے

لحاظ سے بہت موزوں تھا مگر قباحت یہ تھی کہ کچھ وزندار اور جسیم بن گیا تھا۔ دقت صرف یہی نہ تھی بلکہ ۱۸۷۳ء میں جب امی دار الضرب کے نائب مہتمم سے ان سکوں کی کچھ اور مقدار مہیا کرنے کی درخواست کی گئی تو اس نے یہ محسوس کر کے انکار کر دیا کہ نکل کی قیمت بہت چڑھ گئی ہے یعنی جس قیمت کا سکہ بنانا مقصود ہے اس سے دھات ہی کی قیمت زیادہ ہو گی۔ قیمت کے اس اضافے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کی کانیں بہت کم ہیں اور دوسرے جرمنی میں جس نے اپنے نئے نظام زر کے پانچ اور دس فننگ کے سکوں کے واسطے اسی مرکب کو اختیار کیا تھا۔ اس کی بڑی مانگ تھی یہ سکے جو المانی حکومت چلا رہی ہے شلنگ اور پنس سے ہلکے اور چھوٹے ہوتے ہیں اور جس غرض کے لئے وضع کئے گئے ہیں بدرجۂ اتم موزوں ہیں توقع ہے کہ جرمن گورنمنٹ کے پاس بہت جلد بجائے ایک بدترین زر کے بہترین زرکسری قائم ہو جائے گا اور کچھ دنوں کے بعد جب کہ استعمالی ذخیرے اور سالانہ پیداوار میں اضافہ ہونے لگے گا تو نکل کی قیمت کی تغیر پذیری سے جو آجکل دقت محسوس ہو رہی ہے چنداں قابل لحاظ نہ رہے گی۔

دوسری دھاتیں جن جن دھاتوں کے وجود سے کیمیا داں باخبر ہیں ہم نے ان میں سے صرف چند ہی کا ذکر کیا ہے اس لئے یہ سمجھنا بالکل نادرست اور بیجا ہو گا کہ زمانۂ آیندہ میں بھی ہمیشہ انھی دھاتوں سے سکے بنائے جائیں گے جن کو زمانۂ سابق وحال میں اس غرض کے لئے استعمال کیا گیا۔ ایک طرف تو یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ آیندہ سونے سے بھی زیادہ بیش قدر کسی دھات کو استعمال کیا جائیگا اب تک جن دھاتوں کا خاص ذریعہ تبادلہ کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اُن کا سلسلۂ شماریوں ہے۔ (۱) پہلے تانبا (۲) دوسرے چاندی اور (۳) تیسرے سونے کا نمبر آتا ہے۔ جوں جوں فلزات کی قدر زوال پذیر ہوتی گئی بیش قیمت دھاتوں نے کم قیمت دھاتوں کی جگہ لے لی۔ اب سونا جو چاندی سے زیادہ نقل پذیر ہے سرعت کے ساتھ چاندی کی جگہ لیتا جا رہا ہے۔ کیا عجب ہے جو اس سے بھی زیادہ بیش قدر کوئی دھات مثلاً کمیاب ریڈیم یا آسیمم جن کی رسد پر ابھی قابو حاصل نہیں ہوا ہے یا وہ عجیب دھات جس کو پلاٹینم کہتے ہیں سونے کو علیحدہ کر کے اُس کی جانشیں ہو جائیں۔

دوسری طرف الومینیم اور مینگنیز کی طرح بہت سی ایسی دھاتیں بھی موجود ہیں جو چاندی کی بہ نسبت زیادہ کفایت سے دستیاب ہوتی ہیں پس اس امر کی تحقیق بیجا نہ ہوگی کہ زر کسری کی دقتیں جو اب محسوس ہو رہی ہیں ان ارزاں دھاتوں کے استعمال سے کس حد تک رفع ہوجائیں گی ہم آگے چلکر بالتفصیل اس سے بحث کریں گے ۔

فلزاتی مرکبات بے شمار فلزاتی مرکبات کی کسی نہ کسی وقت تسکیک ہوتی رہی ہے اور یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ دھاتیں خالص حالت میں شاذونادر ہی استعمال کی گئی ہیں ۔ ان سے ہمیشہ مرکب حالت میں تسکیک کا کام لیا گیا ہے ۔ سونا اور چاندی بھی جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے یا تو باہدیگر مرکب ہوتے ہیں یا تانبے کے ساتھ ان کو ترکیب دیا جاتا ہے ۔ خود تانبے کا بھی دوسری دھاتوں کی شرکت کے ساتھ استعمال ہوا ہے چنانچہ رومی سکہ آیز خالص تانبے سے نہیں بنتا تھا بلکہ اس مرکب دھات سے بنایا جاتا تھا جس کو آیز کے نام سے موسوم کرتے تھے اور جو تانبے اور ٹین کے اشتراک سے تیار ہوتا تھا ۔ یہ مرکب تقریباً رانگ کے مشابہ تھا جو آجکل انگلستان اور فرانس میں چھوٹے سکوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے پیتل کو بھی رومن شہنشاہوں نے کثرت کے ساتھ مسکوک کیا ہے ۔

یہ امر واقعی ہے کہ بہت سی صورتوں میں ماہرین کو فلزات کے پگھلاتے وقت ہی معلوم ہوگیا کہ ہر دھات کے ساتھ قدرتاً اُس کا ملِواں (Alloy) بھی شریک رہا کرتا ہے اور چونکہ اس کو علیحدہ کرنے پر قابو حاصل نہ ہوا اس لئے انھوں نے اس کا مرکب حالت ہی میں استعمال شروع کردیا ۔ اسی طرح ہم اس عجیب وغریب دھات کی بھی توضیح کرسکتے ہیں جس میں ساٹھ ستر حصہ تانبا ، بیس پچیس حصے جست اور پانچ سے گیارہ حصہ تک چاندی اور تھوڑی تھوڑی مقداریں سونے سیسے اور ٹین کی موجود رہا کرتی ہیں جس کو قدیم شاہان نارتھمبرلینڈ اپنے چھوٹے سکے موسوم بہ اسٹائکوس کے لئے کام میں لاتے تھے ۔

بادشاہوں اور سلطنتوں نے مشکل کے زمانوں میں اسی دھات کی کثرت سے تسکیک کی ہے جو سب سے زیادہ سہولت سے ہاتھ لگ گئی چنانچہ جیمس دوم کا

آئرش سکّہ پھوٹی ہوئی توپوں، ٹوٹے ہوئے گھنٹوں یا گلے ہوے تانبے پیتل وکانسہ کے ٹکڑوں اور باورچی خانوں کے برتنوں غرض ہر ناکارہ دھات کے مجموعے سے جو اس بادشاہ کے ملازمین کے ہاتھ لگی، بنایا گیا تھا۔ اسی بادشاہ نے چاندی کے کرؤن کی قیمت پر پیتل کے کروَن بناکر چلانے کی کوشش بھی کی تھی۔

سکّے

بدیہی بات ہے کہ اجزاء کی موزونیت کے لحاظ سے دھاتوں کو دوسری تمام اشیاء پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ دھاتوں میں بھی چند اس اعتبار سے بہت ممتاز ہیں۔ خاصکر سونے اور چاندی کے متعلق تو بقول ٹرگوٹ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہ لحاظ حقیقت اشیاء یہ دھاتیں بلالحاظ اجماع و قانون تمام دنیا میں زر عمومی بنی ہوی ہیں۔ اگر فن تسکیک کی اختراع نہ بھی ہوئی ہوتی تو غالباً دنیا میں یہی بطور زر رائج ہی ہوتیں۔ مگر اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کے مخصوص وزن کے ٹکڑوں کو سکے کی شکل میں ترتیب دینے سے ہم کیونکر اُن کی بیش قدر خواص سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

دھاتوں کی اولیں حالت اجزاء محض یہ تھی کہ ان کے ٹکڑوں اور اوزان کا تخمینی اندازہ کر کے دوسری اشیاء کے عوض خرید و فروخت کر لی جاتی تھی بعض ابتدائی نمونہ جات زر دیسی تانبے کے بھدے ناتراشیدہ ڈلوں پر مشتمل ہیں جن کو اٹروسکن لوگ بطور زر استعمال کیا کرتے تھے چنانچہ آرشی جناسیو کے عجائب خانہ واقع بلونہ میں ایک اٹروسکن کا استخوانی ڈھانچہ رکھا ہوا نظر آتا ہے جو زمین مین نصف مدفون ہے اس کے استخوانی ہاتھ کی گرفت میں اب تک تانبے کا ایک کھردرا ٹکڑا موجود ہے جو اُن کے عقائد کے موافق چاران دیوتا کے مطالبے کی بجاآوری کے لئے

رکھدیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں پلائنی بھی بیان کرتا ہے کہ سروئیس ٹلیس کے عہد کے قبل تک ناتراشیدہ تانبے کے ٹکڑے رائج تھے۔ اغلب ہے کہ اس کے بعد تانبے پیتل اور لوہے کا چھوٹی سیخوں یا سلاخوں کی شکل میں استعمال شروع ہوا۔ چنانچہ یونانیوں کی اکائی قدر "ڈرکما" کا ماخذ یہی امر ہے کہ ایسی چھ سلاخیں جن کو "اُوبولس" بولتے تھے ایک مٹھی میں پکڑی جاسکتی تھیں۔ غرض یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب سے پہلا نظام زر اسی قسم کا تھا جس کا رواج صرف ٹکڑوں کی تعداد اور شمار سے ہوا کرتا تھا۔

دریا برآمدہ قطعات اراضی سے سونا ذرّات یا بورے کی شکل میں آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اس لئے اولین زر کی پہلی شکل یہی ہے۔ سونے کے بورے کو قدیم باشندگانِ پیرو حفاظت کے خیال سے بُروکی نلیوں میں بھر دیا کرتے تھے اور اس طرح زیادہ سہولت کے ساتھ اس کا لین دین ہوتا تھا۔ کلیفورنیا۔ اسٹریلیا اور نیوزیلینڈ کے سونے کی معدنوں پہ تو آج تک بھی بورے کو دوسری اشیاء کے معاوضے میں تول تول کر بیچا کرتے ہیں۔ سونے چاندی کی گداخت اور ہتھوڑے سے ٹھوک پیٹ کر مختلف شکلوں میں گھڑ لینے کا فن بہت پہلے ایجاد ہو چکا تھا۔ آجکل بھی غریب ہندوستانی جس کے پاس کچھ روپیہ پس انداز ہو جاتا ہے سُناروں کے ہاتھ سے روپیوں کو گلا کر ٹھوک پیٹ کر ہنسلی۔ کڑے وغیرہ بنوا لیتے ہیں جو ذخیرۂ دولت اور نیز پہننے کے لئے زیور کا کام دیتے ہیں۔

اسی طرح قدیم گاتھ اور کلٹ قومیں سونے کے موٹے موٹے تار بنا لیا کرتی تھیں جن کے پیچدار چھلّے بنا کر تا وقتیکہ تجارت میں اس کی ضرورت نہ پڑے لوگ انگلیوں میں پہنے رہا کرتے تھے۔ اس میں کچھ شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ اس چھلّے وار زر میں جس کے نمونے یورپ اور ایشیا کے مختلف قطعات میں کثرت سے دستیاب ہوئے ہیں سب سے پہلی تسکیک کی تخمینی شباہت تھی بعض صورتوں میں تو یہ چھلّے عمداً ہم وزن بھی بنائے گئے ہوں گے جیسا کہ جولیس سیزر نے برطانیوں سے متعلق کہا ہے کہ ان کے پاس آہنی چھلّے تھے جن کا ایک مقررہ وزن ہوتا تھا اور زر کا کام دیتے تھے۔ دوسری صورتوں میں

چھلّوں یا تعویذوں کی وزن سے خرید و فروخت ہوتی تھی چنانچہ بعض مصری تصاویر میں لوگ ان چھلّوں کا وزن کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں شاید ایسا بھی ہوا ہو کہ بار بار وزن کرنے کی دقت سے بچنے کے خیال سے چھلّوں کے سربمہر کیسے مقررہ اوزان کی بنائے جاتے ہوں۔ چنانچہ توریت کے صحیفۂ بادشاہان کے پانچویں سورے اور ۲۳ ویں آیت میں نعمان کا جہازی کو نقرہ کی تھیلیاں دینے کا ذکر آیا ہے کوئی عجب نہیں ہے کہ وہ تھیلیاں اسی قسم کی ہوں۔ چھلّے دار زر کا تو نوبیا میں اب تک رواج باقی ہے بطور زر استعمال کرنے کے لئے سونے چاندی کی اور بھی کئی شکلیں بنائی گئی ہیں چنانچہ ملک سیام کا زر بہت چھوٹی سینخوں یا ڈلیوں کا ہوتا ہے جن کو ایک عجیب طرح سے موڑ کر دوسرا لیتے ہیں اور پانڈیچری اور نیز دوسرے مقامات پر سونا منکوں یا گنڈیوں کی شکل میں رائج ہے۔

تسکیک کی اختراع

تسکیک کی اختراع کا سنہ یقین سے تو نہیں مگر اندازے سے بتلایا جا سکتا ہے عہد ہومر میں زر مسکوک بالکل مفقود تھا مگر لائی کرگس کے زمانے میں لوگ اس سے واقف تھے اس لئے بہت سے مستند حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس درمیانی زمانے میں یعنی تقریباً نو سو سال قبل مسیح اس فن کی ایجاد ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک روایت ہے کہ فیڈان یعنی آرگاس کے بادشاہ نے تقریباً ۸۹۵ ق۔م جزیرۂ ایجینا میں چاندی کے سکّے ضرب کئے تھے اور اس روایت کی تائید ان مہور نقرئی ڈلوں سے ہوتی ہے جو ایجینا میں دستیاب ہوئے ہیں مگر بعد کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فیڈان آٹھویں صدی قبل مسیح کے بیچ میں گذرا ہے اور گروٹ نے یہ باور کرنے کے معقول وجوہ بتلائے ہیں کہ یہ سکّے ایجینا میں نہیں بلکہ خود آرگاس ہی میں بنائے گئے تھے۔

جس طریقے سے یہ اختراع معرض وجود میں آئی وہ بالکل ظاہر ہے۔ مواہیر کا استعمال، جیسا کہ نینوا کی مہور اینٹوں یا مصری تصویروں سے معلوم ہوتا ہے، عام طور پر بہت قدیم زمانے سے ہوتا رہا ہے۔ پہلے پہل تو قبضے کی دلیل کے طور پر یا معاہدات کی تصدیق کے لئے ان کا استعمال ہوا اور پھر وہ رفتہ رفتہ

سند کا کام دینے لگیں جب کسی حاکم نے دھاتوں کے ٹکڑوں کے وزن کی تصدیق اپنے ذمہ لی تو فطرتاً اس کے اظہار کے لئے اس نے اپنی مُہر سے کام لیا ہوگا جیسے کہ گولڈ اسمتھ ہال میں اب بھی خالص سونے کی خوبی کے اظہار کے لئے کوچے لگا کر علامت کر دی جاتی ہے۔ قدیم ترین اشکال تسکیک میں اس بات کی چنداں کوشش نہیں کی جاتی تھی کہ اُس کو ایسی وضع کا بنایا جائے کہ بغیر مُہر یا نقش کو بگاڑنے کے وزن میں کوئی کمی نہ کی جا سکے۔ چنانچہ لیڈیا اور یلی یونیز میں اول اول جو سکے ضرب ہوئے اُن کے صرف ایک رُخ پر مُہر ہوا کرتی تھی اور ایرانی زر جس کو لارین بولتے ہیں چاندی کا ایک گول تار چھ انگل لمبا اور دوہرا مُڑا ہوا ہوتا ہے جس کے ایک حصہ کو چپکا کر مُہر کر دی جاتی ہے۔ غالباً یہ بھی چھلے دار زر کی ایک یادگار ہے ملک چین کا زر رائج الوقت بھی ایسی چاندی کا ہوتا ہے جس کو سائیسی کہتے ہیں ان کی شکل نعل دار چھوٹے ٹکڑوں کی ہوتی ہے جن کو کسنے اور پرکھنے کے بعد حکومت اپنی مُہر ثبت کر دیتی ہے۔

سِکّہ کیا چیز ہے گوکہ چھلّے۔ منکے اور مُہر کئے ہوئے ڈلے اسی چیز کے مماثل ہیں جس کو ہم سکّہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں تاہم یہ ظاہر ہے کہ زر مکمل بنانے کے لئے اُن میں کچھ اور اضافہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ مُہر کے ثبت کرنے سے منشا یہ ہے کہ نہ صرف خوبی یا کھرے پن اور اصلی وزن کی تصدیق ہو بلکہ یہ بھی کہ تسکیک کے بعد کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا دھات کی تسکیک سے مراد جیسا کہ اُس کا موجودہ مفہوم ہے یہ ہے کہ دھات کو پتّر بنا کر گول، بیضوی، مربع، شش پہلو یا ہشت پہلو یا اور کوئی باقاعدہ شکل میں گھڑ لیا جائے اور منقوش ٹھپوں سے ہر دو رُخ پر اور بعض اوقات کناروں پر بھی نقش ثبت کیا جائے۔ اس طریقہ سے عمدہ بنے ہوئے سکّوں میں نہ صرف جعلسازی اور تصنّع دشوار ہے بلکہ بیش خرچ بھی اور منقوشات کی صفائی سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی نے سکّے میں دست اندازی نہیں کی ہے یہاں تک کہ کثرت استعمال سے جو فرسودگی آ جاتی ہے اس کا بھی تخمینی اندازہ نقش و نگار کے چکنا ہو جانے سے یا کسی قدر محکوک ہو جانے سے یا نوکوں کے گول ہو جانے سے بآسانی کر لیا جا سکتا ہے۔ شویلیر نے سکّے کی تعریف

یوں کی ہے کہ وہ زر کے ایسے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کی خوبی اور وزن مصدقہ ہو۔ اس تعریف میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو سائیسی نقرہ یا مہور سلاخوں یا دھات کے ڈلوں سے سکّہ کو ممیز کر سکے اس لئے ہم اس تعریف کو ترجیح دیں گے کہ سکّے دھات کے ایسے ٹکڑے ہوتے ہیں جن کے وزن اور کھرے پن کی تصدیق ان منقوشات کے اعتبار سے ہوتی ہے جو ان ٹکڑوں کی سطحات پر ثبت کئے جاتے ہیں۔

سکّوں کی مختلف شکلیں گو مدّور وضع کے سکّوں کی بہت کچھ کثرت رہی ہے مگر مختلف زبانوں میں قسم قسم کے سکّے ڈھالے گئے ہیں۔ المانی ریاستوں سے جو بے شمار اقسام کے سکّے جاری ہوئے ہیں ان میں شش پہلو اور ہشت پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔ البتہ مربع شکل کا صرف ایک ہی سکہ رڈبرٹ نے سالسبرگ سے ۱۵۱۳ء میں جاری کیا تھا جس کے بیچ میں ایک گول مُہر کی گئی تھی انگلستان اور دوسرے ملکوں سے بے قاعدہ مربع اور نیم مدّور یا نارنگی کی پھانک کی شکل کے سکّے محاصرہ کے زمانوں میں ضرب ہوئے ہیں بعض عجیب ترین نمونہ جات زر جن کا استعمال ہوا ہے خالص تانبے کے بڑے بڑے پتّر ہوا کرتے تھے جن کا اٹھارھویں صدی کے آخر تک سویڈن میں رواج تھا۔ ان کی دبازت ۳/۸ انچ اور طول وعرض مختلف ہوا کرتا تھا۔ ہاف (نیم) ڈالر ۳½ مربع انچ اور دو ڈالر کا سکہ ½ ۷ انچ مربع اور وزن ساڑھے تین پونڈ یا پونے دو سیر ہوتا تھا۔ چونکہ ان کی پوری سطح مُہر سے منقش نہ ہوسکتی تھی اس لئے ہر گوشہ کے قریب ایک ایک اور بیچ میں ایک گول مُہر کردی جاتی تھی تاکہ دست اندازی حتی الامکان دشوار اور دِقّت طلب ہو جائے۔

مشرقی قوموں کے سکّوں کی شکلیں اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہیں جاپان کے زر مُروّجہ کا بیشتر حصہ چاندی کے اٹزیبوس پر مشتمل ہوتا ہے جو چاندی کے چوکونی پتّر ہوتے ہیں اور دونوں رُخوں پر کوئی نقش یا مقولہ ثبت رہتا ہے۔ جن کے حروف اور لکیریں بعض کندہ کی ہوئی ہوتی ہیں اور بعض اُبھری ہوئی چھوٹے نقرئی سکّوں کی شکل بھی اسی وضع کی ہوتی ہے۔ جاپانی کم قیمت سکّے تانبے یا مرکب دھات کے بڑے ٹکڑے بیضوی شکل کے ڈھلے ہوئے ہوتے ہیں جن کے بیچ میں ایک مربع سوراخ ہوتا ہے۔ چین کے کاش نامی سکّے پیتل کی ایک قسم کی

دھات سے بنے ہوئے گول قرص ہیں جن کے وسط میں ایک مربع سوراخ اس غرض سے کر دیا جاتا ہے کہ ان میں ڈورا ڈال کر آسانی سے توڑا بنا لیا جائے فارموسا کے سکوں کی بھی وضع یہی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ وہ کسی قدر دبیز اور بڑے ہوتے ہیں۔ چین، جاپان، اور فارموسا کے مسّی اور ادنیٰ دھاتوں کے سکّے اپنی چوڑی اور چپٹی کور سے ممیز ہو جاتے ہیں۔ اُنکی سطح پر اُبھرے ہوئے حروف اور لکیریں بولٹن اور واٹ کے مسّی پنس سے بہت ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ یہ سکّے دھات کو گھڑ کر بنائے جاتے ہیں اور اُبھری ہوی نوکیں سوہن سے گھس کر صاف کر لی جاتی ہیں۔ فرنگی سکوں کی بہ نسبت یہ سکّے زیادہ دیرپا بھی ہوتے ہیں اور ان کے نقش بھی زیادہ عرصہ تک برقرار رہتے ہیں۔ بس عیب ہے تو یہ کہ ان میں جعل آسانی سے ہو سکتا ہے۔ سب سے نرالا سکہ کسی زمانے میں ملک ایران میں رائج تھا اس کی شکل شمشیر نما ہوا کرتی تھی۔

سکّے کی بہترین شکل یہ ایک نہایت اہم بات ہے کہ سکوں کے لئے حتی الامکان بہترین شکل، اور تسکیک کا بہترین طریقہ اختیار کیا جائے۔ زر کے استعمال سے جرائم کی فہرست میں گویا ایک نئے جُرم یعنی تقلیب سکّہ کے مصنوعی جرم کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس ناجائز فن کو اختیار کرنے کی ترغیب اور تحریص کچھ ایسی قوی ہوتی ہے کہ کوئی سزا اس کے انسداد کے لئے کارگر نہیں ہو سکتی جیسا کہ دو ہزار سال کے تجربہ سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ بغاوت کی پوری سزائیں دی گئیں اور ہزاروں آدمیوں کی گردنیں اُڑا دی گئیں مگر کچھ بھی انسداد نہ ہوا پس روڈنگ کا یہ قول بلاشک وشبہ درست ہے کہ اس جُرم کے سدباب میں تعزیر کی بجائے تسکیک کے فن کی ترقی میں اگر ہماری کوششیں صرف ہوں تو زیادہ سودمند ہوں گی۔ سکوں کی تسکیک اتنی مکمل ہو کہ کامیابی کے ساتھ اس کی نقل کرنے یا اس میں کمی بیشی کر سکنے کا سوال ہی باقی نہ رہے۔

سکّہ کے لئے موزوں اور مناسب شکل کی تجویز کے وقت حسب ذیل چار خاص امور مد نظر رہنے چاہئیں:۔

(۱) انسداد تقلیب سکّہ

(۲) بد دیانتی سے کوئی سکّے میں تراش خراش نہ کر سکے۔

(۳) کثرتِ استعمال سے جو جائز خراشیدگی ہوتی رہتی ہے وہ حتی الامکان کم ہو۔

(۴) کمال ساخت کا نمونہ ہونے کے علاوہ وہ جاری کرنے والی سلطنت اور استعمال کرنے والی قوم کی ایک تاریخی یادگار بھی ہو۔

جعلسازی کے سدباب میں ہمارے بس کی خاص بات یہ ہے کہ سکہ جس قدر مشین سے بنتا ہے وہ حتی الامکان مکمل ہو اور ٹسکیک ایسی ہو کہ اعلیٰ درجہ کی مشین کے بغیر ایسا بننا ممکن ہی نہ ہو۔ جس زمانے میں تمام سکے ڈھال کر بنائے جاتے تھے سکہ سازوں کی طرح جعلسازی بھی پوری مہارت سے نقل اُتار لیتا تھا۔ اس لئے رومن سلطنت میں اصلی اور نقلی سکے کا امتیاز کرنا بڑا دشوار کام تھا۔ گھڑے ہوئے زر کی ڈھلے ہوئے زر سے اصلاح ہوئی اور مشین کے بنے ہوئے زر سے گھڑے ہوئے زر کی بھی اصلاح ہو گئی ہے۔ بولٹن اور واٹ نے جو بھاپ سے چلنے والا شکنجۂ ٹسکیک ایجاد کیا ہے وہ دوسری زبردست ترقی اصلاح کی ہے مگر اُلہارن اور تھونیلیر نے جو "گھٹنا جوڑ" (Knee-joint) شکنجہ اختراع کیا ہے اور جس کو تا ور ہل کے سوا تمام ملکوں کی دارالضرب میں استعمال کیا جا رہا ہے ٹسکیک کی مشین میں آخری ترقی ہے۔

زمانۂ جدید کے سکوں کے کناروں پر جو نازک لکیریں۔ مہر اور مقولے یا نقش ثبت کئے جاتے ہیں اُن پر بطور خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اس سے سکے کی تراش خراش اور دست اندازی کا سدباب ہو جائے گا اور جعلساز کی مہارت بھی عاجز ہو جائے گی۔ قدیم قوموں کے سکوں کی کوریں غیر منقوش اور کھردری ہوتی تھیں۔ سب سے پہلا سکہ جس کے کنارے ارد گرد منقوش کئے گئے چارلس نہم شاہ فرانس نے ۱۵۷۳ء میں جاری کیا تھا۔ انگریزی ٹسکیک میں پہلے پہل ۶۲-۱۶۵۸ء سے جب کہ دارالضرب میں کل اور پیچ کا استعمال قطعی طور پر اختیار کر لیا گیا سکہ کی کوروں پر نقش کیا جانے لگا۔ اب تمام بڑے سکے جو انگریزی ہی نہیں بلکہ دوسرے بہت سے کارخانہ جات ٹسکیک سے نکلتے ہیں اُن کے کناروں پر ارد گرد نقش ضرور ہوتا ہے۔ یہ نقش کل کے دونوں ٹھپوں کی اس محیط اور منقش درمیانی دیوار سے جو بوقت ٹسکیک سکے کی گرفت کرتی ہے کندہ ہوتے ہیں۔ ان محیط دیواروں کا بنانا بڑی وقت کا کام ہے اگر بن بھی گئیں تو تاوقتیکہ ٹسکیک کے شکنجے میں نہ لگائی جائیں بےکار ہیں جعلساز

ہاتھ سے تو یہ کور کے نقش نہیں بنا سکتے کیونکہ سوہان سے ان منقوشات کا ٹھیک اور کافی باقاعدگی کے ساتھ بنانا تقریباً ناممکن ہے۔

ملک فرانس کے پانچ فرنگی سکّے کی کوروں پر اُبھرے ہوئے حروف میں اس مقولہ کے الفاظ درج ہوتے ہیں (Dieu protege la France) (یعنی خدا فرانس کی حفاظت کرے) ایسے اُبھرے ہوئے حروف جعلساز کی قوت اور مہارت سے بہت بالا ہیں۔ انگریزی کراؤن کی کور پر یہ مقولہ (Decus et Tutamen) بمعنی (صلیب اور محافظت) اور سال حکمرانی کندہ حروف میں ثبت رہتے ہیں جن کی کیلیے یا برمے سے بآسانی نقل بن سکتی ہے اور جرمنی کے نئے طلائی سکّے کی کوریں تو بالکل صاف ہوتی ہیں البتہ دس مارک کے سکّے کے کناروں پر اردگرد کچھ نشانات اور بیس مارک کے سکّے کی کور پر (Got mit uns) کا مقولہ پست حروف میں درج رہتا ہے یہ طریقہ بہ نسبت کناروں کو اچھی طرح منقوش کرنے کے جیسا کہ دوسرے ملکوں کی ٹکسالوں میں ہوتا ہے یقیناً نہایت ہی غیر تشفی بخش ہے۔ اسی سلسلے میں یہ دریافت بھی قابل لحاظ ہے کہ اردگرد کی لکیروں اور نقش یا مقولے کے اُبھرے ہوئے حرفوں کو کیوں نہ مرکب کر دیا جائے تاکہ جعلسازی کا امکان اور بھی کم ہو۔ دو ایک صدی بیشتر چاندی کے سکّوں کے اردگرد اُبھرے ہوئے نقش ونگار کی ایک لڑ رہا کرتی تھی مگر بہتر تو یہ ہوگا کہ آیندہ کلوں کے ذریعہ سے ایسے نفیس۔ نازک اور دقیق نقوش بنائے جائیں کہ ہاتھ سے ان کی نقل کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو۔

سکّہ جات بطور نمونۂ کمال ہم نے پچھلی فصل میں بتلا دیا ہے کہ اگر کھوٹے اور نقلی سکّوں کا سد باب کرنا ہے تو سکّے کی ساخت کیسی ہونی چاہئیے جعلسازی کی وجہ سے یا رگڑ کھانے سے جو سکّوں میں فرسودگی آجاتی ہے ان سے بچنے کی بہترین تدابیر اور ذرایع سے ہم تیرھویں باب میں بالتفصیل بحث کریں گے۔ یہاں سکّوں کے بطور تمغۂ کمال استعمال ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں تفصیل اور طوالت چنداں مناسب نہیں معلوم ہوتی مگر یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ انگلستان کی دارالضرب سے اب تک جس قدر سکّے نکلے ہیں یا نکل رہے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ہماری بد مذاقی کی یادگار ہیں۔ شلنگ اور چھ پنس کے سکّوں پر جو نقش ہے کیا

اس سے بڑھ کر اور کوئی بھدّے اور بے ڈھنگے نقش کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ یہ نقش اُس زمانے سے چلے آرہے ہیں جبکہ انگلستان میں فنون لطیفہ کی ہر شاخ بیخ و بن سے بڑھی نہ تھی اور پھولنے پھلنے کی نوبت نہ آئی تھی جس طرح خانگی کوششوں کی بدولت فن تعمیر اور دیگر فنون لطیفہ اور دستکاریوں کی کایا پلٹ ہوگئی ہے اسی طرح کیا یہ توقع بیجا ہے کہ حکومت بھی اپنی کوششوں میں اُن کا اتباع کرے گی؟ فلورن کی وضع البتہ شلنگ سے بہت بہتر ہے اور بعض باتوں کے لحاظ سے قدیم انگریزی شلنگ کی طرز سے ملتی جلتی ہے۔ اس سے بھی عمدہ ایک بہت خوش وضع کراؤن ۱۸۴۵ء میں قریب قریب اسی شکل کا تیار تو ہوا مگر رائج نہیں کیا گیا مسٹر لونے جب کہ وہ دار الضرب کے مہتمم تھے سنٹ جارج اور اژدہے والے قدیم نقش کو پھر اختیار کیا۔ گو یہ نقش ڈھال اور پھولوں کے ہار والے نقش سے زیادہ خوش نما ہے تاہم ہماری رائے میں اب وہ وقت آگیا ہے کہ تمام سکّوں میں از سر نو ایک عام اصلاح عمل میں لائی جائے۔

تاریخی سکّے بعض ریاستوں نے اپنے سکّوں سے اہم واقعات مثل تخت نشینی، سالگرہ یا فتوحات وغیرہ کی یادگار کا کام لیا ہے چنانچہ جرمن ریاستوں اور خصوصاً پرشیا نے اس قسم کے کئی خوبصورت سکّے ضرب کئے ہیں جن کی ایک لمبی فہرست ہے اور سلسلہ کراؤننگ تھیلر (۱۸۶۱ء) اور سیجس تھیلر (۱۸۷۱ء) تک پہنچتا ہے بیشتر ایسے سکّے بہت جلد تمغہ جات کے طور پر الماریوں میں بند کر کے محفوظ رکھ لئے جاتے ہیں۔ اگر اس بات کا تصوّر ممکن ہو کہ کبھی علم مفقود اور کتب نیست و نابود ہو جائیں اور عہد حال کے بڑے بڑے شہر اور ان کی یادگاریں لاپتہ ہو جائیں تو یہی تمغے ان کی سب سے زیادہ دیرپا یادگار بن سکتے ہیں اور ان ہی سے زمانہ آئندہ کے ماہرین سکوکات شاہان پرشیا کی تاریخ کا پتہ چلا سکیں گے چنانچہ باختریا کے شاہی خاندانوں کے گم شدہ حالات حال ہی میں اسی نہج پر ظاہر ہوئے ہیں۔

۱۸۴۲ء میں یم انٹی نورجولی نے فرانس کی مجلس قانون سازی میں ایک تاریخی نظام زر کی تجویز پیش کی تھی اور ۱۸۵۲ء میں پھر اس تجویز کا اعادہ کیا۔ یم۔ ارنسٹ ڈوماس

نے بھی کانسے کا بیس فرنکی سکہ جاری کرنے کی تجویز کی ہے جو یا تو زر کا کام دیں گے یا تاریخی یادگار بن جائیں گے۔ افسوس ہے کہ فرانس میں ان تجاویز کو جامۂ عمل نہیں پہنایا گیا انگلستان میں بھی کبھی کوئی ایسی تسکیک نہیں ہوئی ہے۔ تاریخی زر کے اجرا میں ہمارے نزدیک تو محض نئے ٹھپوں کی تیاری کے خفیف اخراجات کے سوا اور کوئی بات قابل اعتراض نہیں معلوم ہوتی۔

شاہی اختیار تسکیک ہر متمدن قوم کو عمدہ بنے ہوئے سکوں کی ایک کافی مقدار درکار ہوتی ہے پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقدار کیونکر مہیا کی جائے۔
یہ لازمی ہے کہ ہر قیمت کے سکے میں ٹھیک ہم قدر خالص دھات کی مقدار ہو جس کی تصدیق کے لئے سکوں پر مخصوص علامت کرنا بھی ضروری ہے مگر جس طرح خانگی کاریگر اور دستکاروں سے ہم الپین۔ گنڈیاں اور سوئیاں لیا کرتے ہیں کیوں اسی طرح سکوں کی کافی مقدار کی فراہمی کا کام بھی ان ہی خانگی کاریگروں کے تفویض نہ کر دیا جائے۔ اچھی تسکیک کے اطمینان کے لئے قانون ساز مجلس کی خاص نگرانی میں گورنمنٹ کا ایک محکمہ خاص اسی غرض سے کیوں نہ کھول لیا جائے۔

چونکہ ہر رائے کا موئد کوئی نہ کوئی نکل ہی آتا ہے چند ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو سکہ سازی کو معمولی مقابلے کے آزاد عمل ہی پر چھوڑ دینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ خاص کر مسٹر ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب "عمرانی سکونیات" Social Statics میں یہ اصول واضح کیا ہے کہ جس طرح ہم بقال سے چائے اور باورچی سے روٹیاں لیا کرتے ہیں اسی طرح ہٹیسن اینڈ سنز یا برمنگھم کی کسی اولوالعزم کمپنی کے تفویض یہ کام کر دیا جائے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر اور اپنے نفع و نقصان کو دیکھکر شلنگ اور پنس تیار کر کے دیا کریں۔ بحث ان کی یہ ہے کہ جس طرح لوگ اچھی چائے دینے والے بقال اور پورے وزن کی عمدہ روٹیاں دینے والے باورچی کو دوسروں پر ترجیح دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک دیانتدار اور کامیاب سکہ ساز بھی بازار پر بھی حاوی ہو جائیگا اور اس کا بنایا ہوا عمدہ زر ادنی درجہ کے زر کا قدم ہی نہ جمنے دے گا۔

گو ہم کو مسٹر اسپنسر کے جیسے جید عالم کے خیالات اور رائے کا ہمیشہ پاس خاطر کرنا چاہئے مگر اس معاملے میں ہماری یہ مضبوط رائے ہے کہ انھوں نے ایک عام اصول کو

ایک ایسی خاص اور مستثنیٰ شکل میں ٹھوس دیا ہے جہاں وہ کسی طرح مطابق ہی نہیں ہوسکتا
انھوں نے مشہور عام قانون گرشیم کو (جس کا آئندہ باب میں ذکر ہوگا) بالکل ہی نظرانداز
کردیا یہ مسلمہ ہے کہ عمدہ زر خراب زر کو اجراء سے ہرگز خارج نہیں کرسکتا۔ کیونکہ
دوسرے معاملات کے برعکس زر کے معاملے میں خودغرضی جیسا کہ ہم آگے چل کر
وضاحت کریں گے ایک بالکل مخالف سمت میں عمل کیا کرتی ہے پس اگر ٹسکیک کو
آزاد چھوڑ دیا جائے تو جو لوگ گھٹیا سکےّ کم قیمت پر فروخت کریں گے ان ہی کا بازار
گرم رہے گا۔

تجربہ بھی اس حقیقت کی پوری تائید کرتا ہے کیونکہ مختلف مقامات پر مختلف
زمانوں میں خانگی کاریگروں کے بنائے ہوے سکےّ جاری اور رائج ہوئے ہیں مگر نتیجہ
ہمیشہ یہی رہا کہ زر کی خوبی میں فرق آگیا۔ ایک مدت تک انگلستان کا مسیّ زر محض خانگی
کاریگروں کے تیار کئے ہوے سکوّں پر مشتمل تھا جن کا وزن بہت ہلکا اور تعداد
بے حد و حساب تھی مسٹر اسمائلس نے بولٹن اور واٹ کی سوانح عمری میں ایک دلچسپ
خط کی نقل کی ہے جس میں بولٹن اپنے ایک دورے کا ذکر کرتے ہوئے شکایت کرتا
ہے کہ چنگی کے ناکوں پر بالاوسط کھوٹے سکوّں کی تعداد کھرے سکوّں سے دوچند
وصول ہوتی تھی اور چھوٹے چھوٹے کارخانہ دار چاندی کے بیس شلنگ کے عوض میں
چھتیس کھوٹے شلنگ خرید لیتے تھے اور ان ہی گھٹیا سکوں میں مزدوروں کو اُجرت
تقسیم کرتے اور بہت کچھ منافع کما لیا کرتے تھے۔ چلن میں ان گھٹیا سکوں کی مقدار اس قدر
کثیر تھی کہ اسٹاک پورٹ کے باشندوں اور مجسٹریٹوں نے ایک عام جلسے میں یہ قاعدہ
پاس کرلیا کہ سوائے انگلسی کمپنی کے سکوّں کے جن کا وزن پورا ہوتا تھا آیندہ سے کوئی
اور ہاف منیں قبول ہی نہ کیا جائے۔ ثبوت کی ضرورت ہو تو اسی سے دیکھ لیجئے کہ
خودغرضی کا انفرادی عمل بُرے سکوّں کو اجرا سے خارج کرنے میں بالکل ساکت اور
معطل رہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پبلک جلسے اور رزولیوشن کو کچھ بھی کامیابی ہوی ہوگی؟
کچھ بھی نہیں! چین کا رائج الوقت زر کسری جس کو کاش یا کی کہتے ہیں خانگی سکہ سازوں
کا بنایا ہوا ہوتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ جسامت خوبی۔ اور قدر ان سکوّں کی گھٹتی ہی جارہی ہے
ہماری رائے میں مقابلے کے عمل پر چھوڑ دینے کے لئے زر سے زیادہ

ناموزوں کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، دستوری قانون نے بھی اختیار تسکیک کو ہمیشہ ایک مخصوص شاہی اختیار تسلیم کیا ہے۔ اور سول قانون کا بھی تو یہ ایک کلیہ ہے (monetandi jus principum ossibus inhœret). بہتر تو یہ ہے کہ اس معاملے کو حکومت عاملہ اور اس کے ماہر فن مشیر کاروں ہی پر چھوڑ دیا جائے جنھوں نے زر اور تسکیک کے مضمون کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھا اور ان پر غور کیا ہے۔ جماعتی نزاعات اور عوام الناس کی رائے سے اس کو حتی الامکان علیحدہ رکھکر بالکلیہ ماہرین کے تصفیہ پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس میں شک نہیں کہ ازمنۂ ماضی میں بڑے مشہور جعلساز اور گھٹیا سکے بنانے والے بادشاہ بھی گذرے ہیں مگر زمانۂ حال میں اس کا کوئی احتمال اور اندیشہ نہیں ہے برخلاف اس کے اندیشہ تو بالکل دوسری طرف ہے کیونکہ جمہوری یا عمومی حکومتیں عامۃ الناس کی رائے کو حامی بنائے بغیر اپنے نظام زر کی بدیہی اور لازمی اصلاح کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکیں گی اور لوگ عادت کے اثر سے یا تسکیک کے نکات سے نابلد ہونے کی وجہ سے بہتر سے بہتر تجویز کو بھی منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔

آٹھواں باب

اجراءِ زر کے اُصول

قبل اس کے کہ ہم زمانۂ حال یا زمانۂ قدیم کی قوموں کے اختیار کردہ اصلی نظام ہائے زر سے بحث کریں لفظ زر کے مفہوم اور مختلف معنی اور سکوں کی ترویج و اجراء کے فطرتی اصول پر تھوڑی دیر غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اول ہم کو اُن تین چیزوں کو ممیز کرنا ہے جو عملاً کسی نظام زر میں علٰحدہ علٰحدہ پائی جاتی ہیں۔ یعنی اصلی سکّے جو استعمال میں ہوں۔ اون کے ظاہر کرنے کے اعداد۔ اور ان اعداد کا مفروضہ اکائی قدر سے تعلق۔ سکّوں کو ہم اس اعتبار سے بھی ممیز کر دینا چاہتے ہیں کہ ان کی قدر کس حد تک مشمولہ دھات پر منحصر ہوتی ہے یا یہ کہ اس کے تبادلہ میں کس قدر دھات ملسکتی ہے یا اون دوسرے سکّوں کے اعتبار سے جو قانون کی رُو سے مساوی القدر قرار دیئے گئے ہیں۔

قدر کی مستند اکائی ابتدا ہی میں ہم کو یہ بھی واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قدر کی مستند اکائی سے ہمارا مفہوم کیا ہے۔ ہر اکائی میں ایک مقررہ مقدار کسی ایسی مجسم شئے کی ہونی چاہیئے جس کی تعریف وزن یا طول وعرض کی اکائیوں کے حوالہ سے کی گئی ہو۔ بعض لوگ قدر کو محض ایک ذہنی یا خیالی مسئلہ سمجھتے ہیں اس لئے بقول لارڈ کیا سل ریہہ پونڈ کی تعریف کے لئے حواس خمسہ کے مائل ایک اور حس یعنی حسِ قدر کا اضافہ کرنا پڑے گا۔ اور اسی طرح گز کی تعریف طول کے

احساس سے اور گرین کی تعریف حسِّ وزن سے کرنی پڑے گی۔ لیکن جس طرح علم طبیعیات میں ہر مقدار کو کسی نہ کسی مجسم اور معیّنہ مقدار یا نمونے کے حوالے سے ظاہر کیا کرتے ہیں اسی طرح قدر کی پیمائش اور اظہار کے لئے بھی ایک یا زیادہ معینہ اور نہ بدلنے والی مقداریں منتخب کی جانی چاہئیں۔

عجب نہیں جو لوگ غلط فہمی کی بناء پر مستند اکائی قدر کی اصطلاح کو ایک معینہ قدر کی چیز تصور کریں مگر جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں قدر دو چیزوں کے باہمی مبادلے کی نسبت ہوا کرتی ہے جس میں تغیر ہوتے رہنا ایک لازمی بات ہے اور نہ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ ہے کہ کسی شئے کی قدر دو دن بھی یکساں برقرار رہے گی۔ معیار قدر کا جو کچھ مفہوم ہے وہ اسی قدر ہے کہ کوئی ایسی یکساں اور تقریباً غیر تغیر پذیر شئے منتخب کی جائے جس کے حوالے سے بلا لحاظ ان احساسات اور ذہنی مسائل کے جو چیزیں لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتی ہیں۔ تبادلہ کی تمام نسبتیں محسوب اور ظاہر کی جاسکیں وجوہ متذکرۂ بالا کی بنا پر کوئی نہ کوئی دھات سونا یا چاندی یا تانبا عموماً سب سے زیادہ موزوں معیار کی چیز سمجھی گئی ہے۔

زر کی مستند اکائی کا خالص وزن یا جسامت ایک بالکل ناقابلِ لحاظ اور غیر اہم چیز ہے بشرطیکہ جملہ عوام الناس اس اکائی پر متفق ہو جائیں اور اس کا ہمیشہ کیلئے ٹھیک تعین کر کے اس پر کاربند بھی رہیں۔ مثلاً انگریزی گز کے تعین سے قبل یہ کوئی قابلِ لحاظ بات نہ تھی کہ وہ کچھ اور انچ لمبا یا چھوٹا تھا اور نہ یہ قابلِ لحاظ ہے کہ انچ۔ فوٹ۔ فرلانگ یا میل میں سے کس کو معیار کی اکائی قرار دیا جائے۔ معیار خواہ کوئی چیز ہو مگر مقرر ہو ہمیشہ کے لئے۔ اور دوسری تمام چیزیں معلومہ نسبتوں کے ساتھ اسی معیار کے حوالے سے محسوب کی جائیں۔ اسی طرح یہ بھی بالکل غیر اہم ہے کہ سونے کے لئے ٹرائے پونڈ کو معیار سمجھا جائے یا اونس کو یا گرین کی اس تعداد کو جو سا ورن میں ہوتی ہے مگر یہ لازمی ہے کہ جب کسی معاہدہ میں زر کا ذکر کر دیا گیا ہو تو اس سے ٹھیک یہ معلوم ہو جانا چاہئیے کہ ایک شخص سے دوسرے شخص کو کس قدر طلائے مستند واجب الادا ہے۔

یم شیو یلیر اور برّاعظم یورپ کے بعض دیگر ماہرین معاشیات نے معیار قدر کی

ایک ایسی عمومی اکائی قرار دینے کی تائید میں بحث کی ہے جو میٹرک سسٹم یعنی نظام اعشاریہ پر مرتب کی جائے یعنی ٹھیک دس گرام سونے کو وہ قدر کی اکائی مقرر کرنا چاہتے ہیں اور گویا یہ سمجھتے ہیں کہ زر اور اوزان کی مطابقت میں کوئی جادو کا اثر ہوگا۔ شاید یہ مطابقت ان تاجروں کے لئے کسی قدر باعث سہولت ہو جو دھاتوں کی تجارت کرتے ہیں اور جن کو سکے پگھلا کر برآمد کرتے وقت فلزی قدر کا حساب کرنا پڑتا ہے یا دارالضرب کے اُن عمال کو آسانی ہو جائے جو سکوں کے اوزان کی جانچ اور حساب کرتے ہیں ورنہ عام طور پر تو لوگوں کے لئے اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ یعنی معمولی کاروبار کے لئے جو لوگ سکوں کا استعمال کرتے ہیں اُن کو یہ دریافت کرنے کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی کہ معیار کیا ہے اور اس میں کتنی دھات رہتی ہے چنانچہ دس ہزار انگریزوں میں سے غالباً ایک بھی یہ نہ جانتا ہوگا اور نہ اس کو جاننے کی ضرورت ہے کہ ہر ساورن میں ۱۲۳،۲۷۴۴ گرین طلائے مستند ہونی چاہیئے۔ لیکن اگر ہم کسی دھات کی ایک مقدار معینہ کو معیار تسلیم کرنے پر متفق ہو جائیں تو اُن سکوں کے اوزان جو دوسری دھاتوں کے بنے ہوئے ہیں پیچیدہ اعداد کسری ہو جائیں گے جن کا حساب ان دھاتوں کی تغیر پذیر بازاری قدر سے کرنا پڑیگا

حاصل کلام یہ ہے کہ قدر کی مستند اکائی میں مستند دھات کا کوئی باقاعدہ وزن نہیں ہوتا اور چونکہ اس کا وزن عام وجوہ کی بناء پر چنداں اہمیت نہیں رکھتا اس لئے ایسا معیار مقرر کیا جاتا ہے جو بلحاظ عادات اقوام و بنظر حالات غیر اختیاری سب سے بڑھکر موجب سہولت معلوم ہو۔

سکہ۔ زرحسابی اور اکائی قدر

اب ہم تین چیزوں کو ایک دوسرے سے ممیز کر دینا چاہتے ہیں جن کا گو ایک دوسرے سے خاص لگاؤ ہے مگر ایک یا یکساں ہونا ضروری نہیں۔ یہ لازمی نہیں ہے کہ اکائی یا منتخبہ دھات کے وزن کا سکہ ہی بنایا جائے ممکن ہے کہ سکے کے لئے یہ مقدار بہت زیادہ یا بہت کم ہو۔ ضرورت صرف اسی قدر ہے کہ مروجہ سکے یا تو اس اکائی کے اضعاف ہوں یا اجزائے ضربی یا ایسے ہوں جو اکائی کے حوالے سے بآسانی ظاہر کئے جا سکتے ہوں ساتھ ہی یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ اعداد جن سے قدر ظاہر کی جاتی ہے

سکوں یا اکائیوں کی تعداد ہوا کرے۔ زرِ حسابی جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے زرِ مستند اور زرِ مروجہ سے بالکل جداگانہ ہو سکتا ہے۔ انگلوسیکسن "نظام زر" پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ فرق بآسانی واضح ہو جائے گا۔ ان کے ہاں مستند چاندی کا پونڈ ہی قدر کی اکائی تھا جو ظاہر ہے کہ سکے کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ گو انگلوسیکسن بادشاہوں نے چاندی کے پنس اور ہاف پنس کی ایک خاصی مقدار جاری کی تھی مگر معمولی زرِ حسابی ہمیشہ شلنگ ہی رہا جو چار سے پانچ تک بڑھتے بڑھتے بالآخر ولیم اوّل کے عہد میں بارہ پنس کے مساوی مقرر ہو گیا اور اب تک اسی طرح باقی ہے حالانکہ اس نام کا کوئی سکہ ہنری ہفتم کے عہد تک مسکوک ہی نہ ہوا تھا۔ شلنگ تو خیر اب تک باقی ہے مگر اور دوسرے زرہائے حسابی صفحۂ یاد سے بالکل محو ہو چکے ہیں۔ مثلاً مانکوس کو جو تیس پنس کے مساوی یعنی پانچ پنس والے چھ شلنگ کے برابر تھا اب کوئی بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح مارک۔ اورا اور تھرمسا بھی انگلوسیکسن قوم کے زرِ حسابی رہ چکے ہیں۔

ہمارے موجودہ انگریزی نظام میں اتفاق سے تینوں زر ایک دوسرے کے بالکل مطابق واقع ہوئے ہیں جس سے بلاشبہ بڑی سہولت ہوتی ہے۔ چنانچہ ساورن وقتِ واحد میں خاص سکہ بھی ہے اور اکائی قدر بھی بڑے بڑے معاملات میں زرِ حسابی بھی ہوتا ہے گو کہ چھوٹی چھوٹی رقموں کے اظہار میں شلنگ کو اب تک ترجیح دی جاتی ہے۔ آجکل فرانس کا زرِ حسابی اور اکائی قدر طلائی فرانک ہے مگر چونکہ اس کا وزن صرف ۳۲۲۶ء۰ گرام یا تقریباً پانچ گرین سے بڑھ کر نہیں ہوتا اس لئے پانچ، دس، بیس فرانک ہی کے طلائی سکے بنائے جاتے ہیں اور کسری زر نقرئی سکوں کا ہوتا ہے۔ ملک روس میں پیٹر اعظم کے عہد سے قبل فرضی روبل ایک زرِ حسابی تھا جو ایک سو مسّی کوپک کے مساوی ہوا کرتا تھا۔

مانٹسکیو نے جو یہ بیان کیا ہے کہ مغربی ساحل آفریقہ کے حبشیوں میں قدر کی علامت ایک بالکل خیالی چیز تھی جس کو ماکوٹ بولتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مانٹسکیو نے زرِ حسابی کا صحیح مفہوم سمجھا ہی نہیں۔ حبشیوں میں ماکوٹ کوڑیوں کی ایک مقررہ مگر تغیر پذیر تعداد کا نام تھا جو اُس زمانے میں دو ہزار تھی۔ علاوہ ازیں پرتگیزوں نے بھی

چاندی کے آٹھ۔ چھ۔ اور چار ماکوٹ کے سکے بہ حساب فی ماکوٹ پونے تین پنس اپنی نوآبادیوں کے استعمال کے لئے ڈھالے ہیں۔

جب کسی ملک کے زر میں تغیر ہونے لگتا ہے تو تسکیک حساب اور قدر کی اکائیاں بھی علیحدہ ہوجاتی ہیں۔ اور جیسا کہ آج کل ناروے میں ہو رہا ہے بعض اوقات ایک نیا نظام حساب پرانے سکوں کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسٹاک ہوم کی گورنمنٹ زر کے لئے سویڈن کا نظام اعشاریہ جاری کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور کہتے ہیں کہ بعض تاجروں نے تو ابھی سے کرونر اور آور میں اپنے حسابات مرتب کرنا شروع کر دیا ہے حالانکہ زر مستعملہ بالکلیہ قدیم اسکلنگ اور مسکوک کاغذی ڈالروں پر مشتمل ہے۔ برخلاف اس کے بعض اوقات گو تسکیک نئی ہوجاتی ہے مگر پرانا طریق حساب ہی عموماً اور غیر ملکی معاملات میں خصوصاً قایم رہ جاتا ہے۔ مثلاً پچھلے سال تک انگلستان اور امریکہ کے باہمی مبادلۂ خارجہ کی شرحیں ایسے ڈالروں کی تعداد میں ظاہر کی جاتی تھیں جو ۱۷۸۹ء کے قانون کے بموجب چار شلنگ چھ پنس کے برابر متصور ہوتے تھے۔ یہ شرح دراصل میکسکو کے ڈالر کی قدیم روایتی مساوات مبادلہ تھی مگر امریکن ڈالر کی تسکیک کے بعد بھی یہ شرح بدستور قایم رہی حالانکہ اب نیا ڈالر ۱۶ر۳ر۴۹ انگریزی پنس سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔

زر حسابی اور زر مسکوک میں تفاوت پیدا کرنے والے عموماً دو سبب ہوا کرتے ہیں کثرت استعمال اور رگڑ کی فرسودگی کی وجہ سے یا بددیانتی کی قطع برید سے سکوں کا مقررہ وزن گھٹ جاتا ہے تاہم اس کمی کی تلافی کے لئے کچھ اوسط مقدار چھوڑ کر سابقہ معیار قدر اور زر حسابی کا تعلق برقرار رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ امسٹرڈم، ہمبرگ اور دوسرے شہروں میں ہوتا رہا ہے۔ جب کسی ملک میں کم قدر سکوں کا اجرا ہوجاتا ہے تو زر حسابی یا تو مثل سابق برقرار رہتا ہے یا اس کے ساتھ ساتھ بدل جاتا ہے۔ پس انگلستان کی تاریخ کے خاص زمانوں میں قیمتیں نئے گھٹیا سکوں کے حوالے سے ظاہر کی جاتی تھیں یا پرانے عمدہ سکوں کی شرح سے اس کا تصفیہ کرنا گو غیر حل پذیر نہ سہی ایک نہایت پیچیدہ اور دشوار مسئلہ ضرور ہے۔ پروفیسر جے۔ ای۔ ٹی راجرس نے اپنی بے نظیر کتاب "انگلستان کی زراعت اور قیمتوں کی تاریخ"

مطبوعۂ کلیرنڈن پریس کی پہلی جلد کے صفحہ ۱۷۵ میں بیان کیا ہے کہ چودھویں صدی میں گو بظاہر سکّوں کا لین دین عدد سے ہوتا تھا مگر اکثر ان کا وزن بھی کر لیا جاتا تھا۔ چنانچہ کالج کے قدیم حسابات میں جن کی مصنّف مذکور نے جانچ کی ہے خرچ کے مدات کے تحت سکّوں کا وزن کرنے کی ترازو اور بٹ کی قیمت اور سکّوں کی گھٹوتی کی پابجائی کے اندراجات پائے گئے ہیں۔

بہت سے ملکوں میں آجکل بھی زرِ رواں صرف کسی ایک سادہ اور بالکل ٹھیک سلسلۂ سکّہ جات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ مختلف جسامت۔ وضع۔ اور قدر کے سکّوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو غیر ملکوں سے درآمد کئے جاتے ہیں۔ ایسی شکلوں میں زرحسابی اور عام ذخیرۂ مسکوکات میں اختلاف کا پیدا ہونا لابدی ہے کیونکہ سکّے کی قدر کا بالعموم ایک ایسی تجارتی فہرست سے جو زرِ حسابی کے اعتبار سے مرتب ہوئی ہو اندازہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح چند سال قبل تک جرمنی کی ریاستوں میں انگریزی اور فرانسیسی سونا بلاپس وپیش قبول کر لیا جاتا تھا۔ کناڈا میں بھی چند سال پہلے متعدد نظام زر بہت پیچیدہ اور بُری طرح خلط ملط ہو گئے تھے اور داد وستد قسم قسم کے بدیسی سکّوں پر جو زیادہ ڈالر کی قسمیں ہوا کرتی تھیں مشتمل تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ دو مختلف زرحسابی بھی پائے جاتے تھے ایک تو ہیلی فاکس کے زر کا پونڈ جس میں بیس پنس والے بیس شلنگ ہوتے تھے اور یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ایسے ساٹھ پنس کا ایک ڈالر ہوتا ہے اور دوسرا زرحسابی خود ہیلی فاکس کا اسٹرلنگ زر تھا جو مبادلہ خارجہ کی شرح کے اظہار کیلئے اب بھی مستعمل ہے کناڈا میں آجکل زر کی اکائی ڈالر ہے اور زر رائج الوقت بنک کی نوٹوں اور پانچ۔ دس۔ بیس، پچیس اور پچاس سنٹ کے نقرئی سکّوں پر مشتمل ہے لیکن انگریزی ساورن اور ہاف ساورن بھی چل جاتے ہیں۔

زرِ مستند اور زرِ وضعی

سکّوں میں جب کہ وہ بطور زرِ مستند یا زرِ وضعی استعمال ہوتے ہیں تمیز کرنا ضروری ہے۔ سکّۂ مستند وہ ہے جس کی قدر مبادلہ میں بالکلیہ اس دھات کی قدر پر منحصر ہوتی ہے اور مُہر کرنے کا منشا صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ اس کی دھات کی مقدار بلحاظ وزن وخوبی قابل اعتبار ہے۔ اگر ان کو مثل خام دھات کے کام میں لائیں یا ان کی گداخت کریں یا ان ملکوں میں

برآمد کریں جہاں وہ قانوناً رائج نہیں ہیں تو ان کی دھات کی قدر جو قانون کی تابع نہیں ہے ہر جگہ تسلیم کی جائے گی۔

برعکس اس کے زر وضعی کی قدر اس وجہ سے قرار پاتی ہے کہ اس کا قانون یا رواج کی بدولت ایک مقررہ نسبت کے ساتھ زر مستند کے ساتھ مبادلہ ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ زر وضعی کی دھات کی بھی کچھ قدر ضرور ہوتی ہے مگر وہ قدر قانونی سے کتنی بھی کم ہو سکتی ہے مثلاً انگریزی نقرئی سکوں میں بلحاظ نرخ بازار نو سے بارہ فی صدی کا تفاوت ہے اور رانگ کے سکوں میں تو یہ فرق ۵۰ فیصدی تک پہنچ گیا ہے۔ رانگ کے فرانسیسی سکوں میں جو دھات ہوتی ہے وہ بھی قدر قانونی کے ایک ربع سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ بہت سی صورتوں میں تو اس سے بھی زیادہ تفاوت ہوتا ہے چنانچہ جرمنی ریاستوں میں جو اب تک کروتزر نامی سکہ رائج تھا۔ اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ دوڈ کے جاری کئے ہوئے ہاف پنس جن سے آئرلینڈ میں بڑی بے اطمینانی اور ہل چل مچ گئی تھی اور اسی صوبے میں جیمس دوم نے جو زر کسری جاری کیا تھا انتہائی کم قدر سکہ وضعی کی مثالیں ہیں۔

سکوں کی قدر وضعی اور قدر غلزی

اس دھات کی قدر کو جو سکے میں موجود رہتی ہے بالعموم سکہ کی قدر ذاتی کہا کرتے ہیں مگر لفظ ذاتی کے اس استعمال سے بڑے بڑے مغالطوں کا اندیشہ ہے کیونکہ قدر کا جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں کوئی وجود نہیں ہوا کرتا اور نہ وہ کوئی وصفِ ذاتی ہوتی ہے قدر ایک حالت یا تعلق اضافی کے سوائے کچھ اور نہیں ہے۔ مغالطہ کا اندیشہ رفع کرنے کے لئے ہم ایسے موقعوں پر قدر ذاتی کے بجائے قدر غلزی کا لفظ استعمال کریں گے تاکہ اس کو وضعی۔ مروجہ یا قانونی قدر سے جو یا تو خود بخود یا قانوناً دوسرے سکوں کے ساتھ مبادلہ کرنے میں ظاہر ہوتی ہے وہ ممیز ہو جائے۔

کسی سکے کی قدر غلزی وضعی قدر سے دو طریقوں پر کم ہو سکتی ہے ایک تو دھات کا وزن کم کر دینے سے اور دوسرے اس کی خوبی اور خاصیت کو گھٹا دینے سے۔ انگلستان کا نقرئی سکہ اب تک اپنے صحیح اور مستند وزن پر قایم رکھا گیا ہے یعنی اس کا وزن ٹرائے پونڈ کا گیارہ اونس دو پینی ویٹ ہے

جو نہ معلوم کب سے چلا آرہا ہے۔ قانون مجریہ ۱۸۱۶ء کی رو سے نقرئی سکے جو پہلے کم از کم برائے نام زر مستند تھے وزن گھٹا کر زر وضعی بنا دئے گئے چنانچہ اب بھی ان کی یہی حالت ہے۔ مگر فرانس اور دوسرے ان ملکوں میں جو زر کے بین الاقوامی سمجھوتے میں فریق تھے پچاس سنٹ ایک فرانک اور دو فرانک کے نقرئی سکوں کی خالصیت کو ایک سو یا ایک سو پینسٹھ حصہ فی ہزار گھٹا کر زر وضعی بنا دیا گیا ہے یہ چنداں اہم نہیں ہے کہ ان دو طریقوں میں سے کسکو اختیار کیا جائے۔ مگر انگریزی طریقہ ہی بشرطیکہ سکے کی خردگی تکلیف دہ نہ ہوجائے کسی قدر بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض لوگ کانٹے سے سکوں کا وزن کرکے تو اطمینان کرلے سکتے ہیں مگر دھات کی خوبی کو پیشہ ور یا ماہر فلزیات کے سوائے اور کوئی پرکھ نہیں سکتا۔

اس امر کا اظہار غیر ضروری ہے کہ ایسے سکے جو کسی ملک میں زر وضعی کی طرح قانوناً رائج ہوں غیر ملکوں میں اپنی فلزاتی قدر کے حساب سے قبول کئے جاسکتے ہیں۔

زر قانونی۔ زر کو ایک اور طرح سے ممیز کرنے کی ضرورت معلوم ہے یعنی کوئی زر قانوناً ابھی تر ہے یا نہیں یا جیسا کہ فرانسیسی کہتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ زر میں قانونی قوت ہے یا نہیں۔ زر قانونی سے ایسے زر کا مفہوم لیا جاتا ہے جس کو قرض خواہ اپنے ایسے دیون کی ادائی میں جو ملکی زر رائج الوقت کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہو لینے پر مجبور ہو۔ قانون سازی سے ایک بڑا مقصود معاہدات کی تعبیر کی بے اطمینانی کو رفع کرنا ہے اسی لئے قانون تسکیک نے کھلے الفاظ میں دیون زر کی ادائی کے متعلق مدیون کی قانونی آمادگی کی تعریف کردی ہے۔ مثلاً اگر کوئی مدیون اپنا قرضہ زر قانونی کی شکل میں پیش کرے اور قرض خواہ لینے سے انکار کردے توگو قرض خواہ اپنا دیون پھر طلب کرسکتا ہے اور نالش کی بھی ممانعت نہیں ہے مگر اخراجات نالش کا بار خود قرض خواہ کو برداشت کرنا پڑے گا۔

لیکن اس بات کی کوئی قانونی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مبادلے یا معاہدات ملکی زر ہی کے حوالے سے منعقد ہوا کریں کیونکہ عام قانون کی رو سے دو چیزوں کے راست تبادلے یا کسی قسم زر کے حوالے سے خرید و فروخت کے معاہدات ناجائز نہیں ہیں بشرطیکہ معاہدے کی شرایط صاف اور واضح ہوں چنانچہ قانون تسکیک

(نشان (۳۳،۳۴) عہد وکٹوریہ سی ۱۰) کی دفعہ ششم کی رو سے گو ہر معاہدہ خرید و فروخت ادائی بینک نوٹ ۔ داد و ستد یا زر کا کوئی اور معاملہ ہو سب کا قانونی اور ملکی زر رائج الوقت کے حوالے سے تکمیل پانا ضروری قرار دیا گیا ہے تاہم یہ بھی روا رکھا گیا ہے کہ یہ معاملے اگر برطانوی مقبوضات یا کسی ملک غیر کے زر رائج الوقت کے حوالے سے کر لی جائیں تو کوئی قباحت نہیں ہے

اگر ہم نے اس کا مفہوم صحیح سمجھا ہے تو ہر شخص خرید و فروخت یا مبادلہ حسب دلخواہ کسی زر یا شے کے حوالے سے کر سکتا ہے اور اس امر کا منشا کہ بعض سکے صرف ایک حد مقررہ تک قانونی ہوں گے محض اسی قدر ہے کہ حکومت ایک مقررہ ذریعۂ تبادلہ فراہم کرتی ہے اور ٹھیک بتلا دیتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ قانون متذکرہ بالا میں یہ بھی ہے کہ انگریزی زر وہی ہوگا جو اس قانون کی متابعت میں انگریزی دار الضرب سے جاری ہو مگر ہر قرض خواہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو اپنا دیون ایسے زر میں قبول کر لے جو زر قانونی نہ ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کا معاہدہ بھی کسی طرح ممنوع نہیں ہے مثلاً اگر کسی شخص نے سو پونڈ کی حد تک سامان فروخت کرنے اور اس کی قیمت رانگ کے سالم یا نصف پنیوں میں لینے کا معاہدہ کیا ہو تو اس میں بلا شک و شبہ کوئی قباحت نہیں ہے حالانکہ بارہ سے زیادہ ایک پنس بھی زر قانونی نہیں سمجھا جاتا ۔

گو زر قانونی کا ٹھیک مفہوم ہر ملک میں ایک ہی ہونا لازمی نہیں ہے لیکن امور مندرجۂ بالا ان تمام ملکوں سے متعلق ہیں جہاں جہاں انگریزی قانون کی عملداری ہے

اجرائے زر میں عادت کا اثر

عادت کی قوت اور عام رسم و رواج کے اثر کو تا وقتیکہ ذہن نشین نہ رکھا جائے بہت سے عمرانی مسائل سمجھ میں نہیں آسکتے بالخصوص مضمون زر میں تو یہ حقیقت بالکل مطابق ہوتی ہے ۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بار بار یا اقتدار حکمرانوں نے پرانے سکوں کے واپس لینے یا نئے سکوں کے اجرا کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن لوگوں کی عادتیں اور فطرتی احساس خود غرضی قانون اور تعزیرات کی قوت سے بھی بالاتر ثابت ہوئے ہیں۔ اجرائے زر کی بعض صورتوں میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں گو ان کی توضیح نہیں ہو سکتی

تاہم زر کو استعمال کرنے والوں کے خواص و عادات اور زر کو اکٹھا رکھنے یا دبے ڈالنے میں جو لوگوں کی غرض و غایت ہوا کرتی ہے ان کا تجزیہ اور تحقیق کی جائے تو اس مضمون پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

سب سے پہلے یہ غور کرنا چاہئیے کہ سکّے رکھنے والے عوام الناس کے بڑے گروہ کا کوئی خاص نظریہ نہیں ہوتا اور نہ مضمون زر کے متعلق کچھ ان کو واقفیت رہتی ہے۔ عام خبریں اور روایتیں ہی ان کی رہبری کرتی ہیں چنانچہ کسی سکّے کو قبول کرتے وقت سب سے اہم سوال جو اُن کے دل میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ اسی قسم کے سکّے دوسرے لوگوں نے بھی بلا پس و پیش قبول کئے ہیں یا نہیں حیرت کی بات ہے کہ ناروے کے دور و دراز اقطاع میں آجکل قدیم کاغذی ڈالر کی نوٹ کو نئے بیس کرونز کے خوشنما طلائی سکّوں پر بھی ترجیح دی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر دیہاتی لوگوں کے پاس سکّہ تولنے کے قابل کانٹا اور باٹ نہیں رہتے اور غیر مانوس سکّے کی قدر ذاتی یا قدر قانونی معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوا کرتا اُدھ کھرے پن کا اندازہ تو سوائے کیمیاوی تجزیہ کرنے والے یا ماہر حکاک کے کوئی کر ہی نہیں سکتا بہت سے مسافروں کو جو نئے سکّے ایسے ممالک میں اپنے ساتھ لیکر گئے تھے جہاں ان سے کوئی مانوس نہ تھا لین دین میں بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے چنانچہ جب ہمارے رانگ کے پنس بالکل نئے نئے جاری ہوئے تھے مجھے شمالی ویلز میں چند سکّے اپنے ساتھ لیجانے کا اتفاق ہوا وہاں ان کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا۔

سکّوں کو لوگ عموماً مانوس شکل ہونے کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں اور جو لوگ بالکل ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں اُن میں تو یہ بات اس درجہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ نئی نئی تسکیکوں میں پرانی مہر اور نقش کو ہمیشہ یکساں برقرار رکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور بہت سی صورتوں میں تو پرانا سنہ تسکیک ہی نہیں بلکہ کسی متوفی بادشاہ کی شبیہ کو بھی نئے سکوں پر برقرار رکھا گیا ہے چنانچہ میریا تھریسیا کا ڈالر اب تک آسٹریا کی دارالضرب میں مسکوک ہوتا ہے اور نقش و نگار و سنہ ٹھیک وہی ہے جو ۱۷۸۰ء کی پہلی اجرائی کے وقت تھا کیونکہ شمالی افریقہ کی بعض ریاستوں اور بحر شام کے نواح میں اس سکّے کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ برطانوی حکومت نے بھی

ایبی سینیا کی مہم شروع کرتے وقت وبسیوں سے لین دین کرنے کے لئے ان ہی سکوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ اسی طرح میکسکو کے ڈالر بالعموم نقرۂ خام سے بھی زیادہ قیمتی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ بلاد شرقی میں ان کا لین دین زیادہ آسانی سے ہوتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ عادت کی برتری اور سکے کی اصلی قدر کو جانچنے کے ذرائع کا فقدان ہی پے در پے زر کے استخفافات کا باعث ہوئے ہیں کیوں کہ جعلساز اور ان ہی کی طرح بادشاہوں نے بھی یہ معلوم کر لیا ہے کہ نئے سکوں کی وضع اور شکل اگر بالکل پرانے سکوں کے جیسی بنا دی جائے تو لوگ بلا چون وچرا گھٹیا سکوں کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔

انگلستان اور دوسرے ممالک کی تسکیک کی تاریخ میں گھٹیا سکوں کی سرکاری وغیر سرکاری اجرا کے غیر دلچسپ اور اکتانے والے واقعات کے بار بار اعادے کے سوا اور کیا رکھا ہے البتہ کہیں کہیں زر کے معیار کو بحال کرنے کی قابل تعریف مگر ناکامیاب کوششوں کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ عہد کانسٹل کے رومن دیناروں کے اجرا میں ایک پوری قوم کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی جو بار بار مسلسل کوششیں کی گئی ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔ محکوم جرمنی رعایا میں چونکہ جعلسازوں نے ملمع کئے ہوئے دینار جاری کر دئے تھے لوگوں نے بھی ریتی سے رگڑ رگڑ کر ان کی جانچ کرنا شروع کیا اور رگڑ سے جو کوچا سکوں میں بن جاتا تھا اس کو لوگ اصلی اور جانچے ہوئے سکے کی علامت سمجھنے لگ گئے رومن حکومت نے بھی اپنے نئے سکوں کو اسی قسم کے کوچے دیکر بنانے کی ضرورت محسوس کی لیکن جعلساز بھی ہمت ہارنے والے نہ تھے انھوں نے بھی ملمع کئے ہوئے دینار بالکل اسی طرح کوچے دیکر پھیلا دئے جن میں بظاہر اندرونی دھات عمدہ نظر آتی تھی۔ اس وضع کے کوچے دئے ہوئے جعلی سکے اب تک عجائب خانوں کی الماریوں میں رکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قانون گریشم۔ اگر سکوں کی شکل میں بظاہر کوئی تفاوت نہ ہو تو عوام الناس بالعموم ایک سکے کا دوسرے سے امتیاز نہیں کرتے۔ مگر بینکر، صراف، سنار اور دھات کی تجارت کرنے والوں کی مختصر جماعت اس قسم کے فرق سے ضرور باخبر ہوتی ہے اور جانتی ہے کہ اس وجہ سے کیونکر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے

یہی لوگ تو سکوں کو گلا کر، یا ایسے ملکوں کو برآمد کر کے جہاں جلد یا بدیر ان کی گداخت ہو جاتی ہے بے سکہ کر ڈالتے ہیں۔ کچھ سکے تو سمندر کی نذر ہو جاتے ہیں یا گم جاتے ہیں اور کچھ بمقدار ایسے مسافروں کے ساتھ پردیس چلی جاتی ہے جو پہلے سے سکوں کی فلزی قدر کی ٹھیک تحقیق نہیں کر لیتے مگر کثیر اور بیشتر حصۂ مستند تسکیک کا چلن سے ایسے لوگ نکال لیتے ہیں جو اس بات سے واقف ہیں کہ دار الضرب سے جو حال حال میں نئے اور بھاری سکے نکلے ہیں ان کو چن کر رکھ لینے میں فائدہ ہوگا۔ اسی طرح اُس عادت کی ابتدا ہوتی ہے جس کا آجکل انگلستان میں بڑا دور دورہ ہے جس کو عام زبان میں سکوں کا چُننا یا چھانٹ لینا اور اصطلاح میں گاربلنگ یعنی مطلب کی چیز کا اخذ کر لینا کہتے ہیں۔ جیسے ہی لوگوں کو موقع ملتا ہے لوگ نئے اور اچھے سکوں کو تو گداخت کر لیتے ہیں اور پرانے فرسودہ سکوں کو چلن میں پھر شریک کر دیتے ہیں۔

ان ہی واقعات کی بنا پر ہم کو ایک نہایت قانون یا اصول ابھرا کی اہمیت اور حقیقت معلوم ہوتی ہے جس کو مسٹر میک لیوڈ نے بڑی مناسبت سے سر تھامس گرشیم کے نام پر جن کو اس کی حقیقت تین صدی پیشتر معلوم ہوئی تھی قانون یا نظریۂ گرشیم سے موسوم کیا ہے۔ قانون گرشیم مختصراً یہ ہے کہ "برا زر تو اچھے زر کو چلن سے خارج کر دیتا ہے لیکن اچھے زر میں برے زر کو خارج کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی"

اس کلیے پر اگر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک بیّن تضاد معلوم ہوگا کہ جب نئے خوشنما اور ٹھیک وزن کے سکے دار الضرب سے نکلتے ہیں تو لوگ چلن میں پرانے اور گھٹیا سکوں کو ترجیح دیکر کیسے قایم رکھتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ اسی وجہ سے زر کی اصلاح میں بہی خواہان ملک نے جب کبھی کوشش کی ہے سود مند ثابت نہیں ہوئی۔ حکومتوں نے بے سود بڑے بڑے خسارے برداشت کئے اور وہ مدبر جنھوں نے علم زر کے اصولوں پر کبھی غور نہیں کیا تھا حیران اور سرگردان ہوتے رہے۔

دوسرے تمام معاملات میں تو خود غرضی سے ہر شخص بری شے کو ناپسند اور اچھی چیز کو اختیار کیا کرتا ہے لیکن زر کے معاملے میں اس کے برعکس کیفیت بالکل دگرگوں معلوم ہوتی ہے۔ یہاں بری چیز تو رکھ لیتے ہیں اور اچھی چیز کو علحدہ کر دیا جاتا ہے۔

اس کی توجیہ بالکل آسان ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ عام لوگ فی الاصل اچھی چیز سے کنارہ کش نہیں ہوتے بلکہ ہلکے اور بھاری سکوں کو یکساں بلاپس وپیش دست بدست منتقل کرتے رہتے ہیں کیونکہ اُن کی نظروں میں زر ذریعۂ تبادلہ کے سوائے اور کچھ نہیں مگر وہ لوگ جو ملکی سکوں کی گداخت اور برآمد یا اُن کو حل کرنا یا ذخیرہ کرنا چاہتے ہیں یا ورق طلا بنانے کی غرض رکھتے ہیں وہ تو ضرور عمدہ اور بھاری سکے ہی ان اغراض کے لئے منتخب کریں گے۔

مسٹر ہربرٹ اسپنسر کی خانگی کاریگروں کے ذریعے سے زر کی فراہمی کی تجویز کی جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں صرف قانون گریشم ہی سے بخوبی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ جو لوگ فرنیچر۔ کتب یا ملبوسات کے خواہشمند ہیں اُن سے تو یہ توقع کیجا سکتی ہے کہ اپنی مقدور کے موافق ضرور بہترین شئے کا انتخاب کرلیں گے اس لئے کہ وہ چیز انہی کو رکھنی یا استعمال کرنی پڑیں گی لیکن زر کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ زر رکھنے کے لئے تو وضع ہوا نہیں اور نہ اس کو اپنے ہی جیب میں رکھنے کی ضرورت ہے اس کو تو دوسروں کی جیبوں میں منتقل کرنا ہے پس جس قدر برے سکے ہم اپنے ہمسایوں کو قبول کرنے پر آمادہ کریں اسی قدر ہمارا فائدہ ہے۔ اسی وجہ سے زر فلزی میں انتفاخ کا ایک قدرتی میلان ہوتا ہے جس کی روک تھام صرف حکومت کی سخت اور دائمی نگرانی ہی سے ہو سکتی ہے۔

زر کی تنظیم میں قانون گریشم کی بدولت احتیاط کی دو باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں پہلے تو یہ کہ دارالضرب سے جو سکے جاری ہوں وہ حتی الامکان مستند وزن کے ہوا کریں ورنہ تھوڑا سا تفاوت برآمد کرنے والوں یا خام دھات بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت کا سبب ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ گھٹیا اور کم وزن سکوں کو فوراً واپس لینے کی معقول تدبیر اختیار کرنی چاہئیں۔ ورنہ زر وضعی کی حیثیت سے مدت مدید تک اُن کا چلن ہوتا رہے گا۔ چونکہ تمام تجارت متساوی القدر اشیا کے مبادلوں پر مبنی ہوتی ہے اس لئے خاص زر میں بھی دھات کی مقدار اس قدر ٹھیک اور برابر ہو کہ عام اشخاص ہی نہیں بلکہ دھات فروش بنک۔ اور صراف بھی بلاپس وپیش ان کی داد و ستد کے لئے آمادہ رہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول ایسے

سکوں سے متعلق نہیں ہے جو زر وضعی ہوں۔ کیونکہ اس کی مقررہ قدر فلزی قدر سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بیوقوفی سے اگر کوئی زر وضعی سے دوسرا کام لینا چاہیے تو وہ تفاوت کی حد تک گھاٹے میں رہے گا اسی وجہ سے جب تک کہ بے فکری سے اس کا لین دین ہوتا رہے سکۂ وضعی کا وزن کچھ اہمیت نہیں رکھتا اور مقررہ وزن سے موجودہ وزن کم ہونے کی وجہ سے قلب ساز کو بھی کوئی ترغیب و تحریص نہیں ہوتی۔

انگلستان میں آجکل عادت کے اثر اور سکوں کے امتیاز کے ذرایع کی عدم موجودگی کی وجہ سے طلائی تسکیک مستند میں بوجہ فرسودگی کم قدری (Aberasion Depreciation) ہوتی جارہی ہے۔ ساورن قانوناً اسی وقت ساورن کہلاتا ہے جب کہ اس کا وزن ۵ء۱۲۲ گرین سے زیادہ ہی رہے مگر بعض اوقات باوجودیکہ ساورن کی فلزی قدر گھٹ رہی نہیں بلکہ چھ چھ اور آٹھ آٹھ پینس بھی گھٹ جاتی ہے لوگ معمولی تجارت میں بے پرواہی سے ان کا لین دین کرتے رہتے ہیں اس طرح گویا ہر سکۂ مستند میں فرسودہ اور گھٹیا ہوکر زر وضعی بن جانے کا میلان رہتا ہے اور صرف گورنمنٹ ہی ایسے سکوں کو چلن سے واپس لے سکتی ہے۔

قانون گرشیم کی توسیع

قانون گرشیم میں برے زر کو خارج کرنے میں اچھے زر کی ناقابلیت کا جو ذکر ہوا ہے وہ صرف ایک ہی دھات کے سکوں کے متعلق تھا لیکن یہی اصول ان تمام اقسام زر کے تعلقات پر بھی حاوی ہے جو ایک ہی وقت میں جاری اور رائج ہوں۔ خواہ سونے کا چاندی سے مقابلہ کیجئے یا چاندی کا تانبے سے یا سونے کا زر کاغذی سے سب اسی اصول کے تابع ہوں گے یعنی چلن میں نسبتۃً ارزاں ذریعۂ مبادلہ قائم رہے گا اور گراں غائب ہوجائے گا۔ اس کی انتہائی مثال جاپانی نظام زر میں پیدا ہوی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں جب کہ ممالک متحدہ اور انگلستان و جاپان کے مابین معاہدہ ہوکر جاپان کی تجارت یورپ و امریکہ کے لئے آزاد ہوگئی اس ملک میں ایک بالکل عجیب نظام زر رائج پایا گیا۔ وہاں کا سب سے بیش قدر سکہ کوبنگ تھا جو ایک سونے کی دو انچ لمبے اور سوا انچ چوڑے بیضوی شکل کے قرص ہوا کرتے تھے جن کا وزن

وہ سوگرین اور نقش و نگار بالکل ابتدائی اور ادنیٰ قسم کا تھا جاپانی شہروں میں تو اس کی قیمت چار نقرئی اٹنبری بو کے برابر تھی لیکن انگریزی زر کی نسبت سے اس کی قیمت اٹھارہ شلنگ یا پانچ پنس ہوا کرتی تھی حالانکہ خود نقرئی اٹنبری بو صرف ایک شلنگ چار پنس ہی کے برابر تھا۔ اس طرح جاپانی اپنے طلائی زر کی دھات کو اصلی قیمت کے (یعنی جو دنیا بھر میں سونے کی تھی) صرف ایک ثلث پر محسوب کر رہے تھے چنانچہ سب سے پہلے فرنگی تاجروں کو اس طرح فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ہاتھ آگیا۔ وہ کوبنگ کو دیسی شرح تبادلہ پر خرید کر اپنے زر کو سہ چند کر لیا کرتے تھے مگر آخر کار دیسیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے فوراً باقی ماندہ طلائی سکے چلن سے اٹھا لئے۔ اب تو ہانگ کانگ کی انگریزی دارالضرب جاپانیوں نے خرید لی ہے اور اپنے زر کی مکمل اصلاح کر رہے ہیں۔

جو بات جاپان میں بدرجۂ انتہا وقوع پذیر ہوئی انگلستان اور دوسرے فرنگی ممالک میں بھی کم و بیش ہوتی رہی ہے۔ تسکیک میں سونے اور چاندی کی قانونی نسبت اور ان کی تجارتی تناسب میں (اگر صرف ایک یا دو ہی فیصدی کا تفاوت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ایک دھات کو بجائے دوسری کے برآمد کرنے میں فائدہ ہوگا چنانچہ جیسا کہ ہم آگے چلکر بیان کریں گے۔ فرانس میں ۱۸۴۹ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیانی زمانے میں چلنی زر کا ایک معتد بہ حصہ چاندی سے سونے میں منتقل ہو گیا یعنی سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کی جگہ لے لی۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ کئی ملکوں کی تسکیک کی نوعیت اسی طرح قرار پائی ہے یہی وجہ ہے جو انگلستان اور ممالک متحدہ نے خاص زرِ طلائی اختیار کیا ہے یہ باور کرنے کی بھی معقول وجوہ ہیں کہ روما کے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانوں میں چاندی اور تانبے کے زر میں باقاعدگی اور نظم قائم کرنا بہت دشوار معلوم ہوا اور طلائی سکوں کے شیوع و اجراء سے اس پیچیدگی اور دشواری میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔

نواں باب

نظام ہائے زر فلزاتی

اب ہم اُن مختلف نظام ہائے زر فلزاتی کی تنظیم اور ساخت کی جو سابق میں تھے یا اب موجود ہیں یا جن کا وجود ممکن ہے تحقیق اور تجزیہ کر سکتے ہیں۔ اُن نظامات کی تعداد جو فی الواقع اختیار کئے گئے ہیں۔ اس سے بہت بڑھ کر ہے جو بالعموم فرض کی جاتی ہے اور گو موسیو کورسیل سینوئیل نے بعض خاص نظامات کا کسی قدر تشفی بخش تذکرہ کیا ہے اور شیویلیر وگارنیر و دیگر مصنفین یورپ و انگلستان نے اُن کو کسی قدر ترتیب سے بیان بھی کیا ہے لیکن اُن سب کی کوئی معقول ترتیب و تفریق کہیں ہماری نظر سے نہیں گذری۔ اس لئے یہاں ایک کم و بیش مفید اور کارآمد نظام زر کی ساخت میں دو یا زیادہ دھاتوں کو استعمال کرنے کے جو ممکنہ طریقے ہو سکتے ہیں ان پر ایک نمایۂ نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

زر فلزی کے اہتمام میں گورنمنٹ پانچ طریقوں پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ گورنمنٹ صرف باٹ پیمانے کا ایک نظام مہیا کرے اور بیش قیمت دھاتوں کو مثل دوسری چیزوں کے قومی اوزان اور پیمانوں کے حوالے سے ایسی اشکال میں جو انفرادی طور پر لوگوں کے لئے باعث سہولت ہوں دست بدست منتقل ہوتے رہنے کی اجازت دے۔ اس طریق کو ہم نظام زر وزنی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

۲- دوسرے یہ کہ بار بار وزن کرنے کی دقت سے بچنے اور دھاتوں کی خوبی کی بے اطمینانی رفع کرنے کے لئے کھرا پن اور اوزان مقرر کر کے ایک یا زیادہ دھاتوں کے سکے بنا دے اور لوگوں کو ان سکوں سے جس کسی کے حوالے سے وہ مناسب سمجھیں اپنے معاہدات کی تکمیل کرنے دیا کرے اس طریقے کو غیر محدود نظام زر عددی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

۳- تیسرے یہ کہ متعدد دھاتوں کے مختلف سکے ضرب کئے جائیں اور غلط فہمیوں کے سدباب کے لئے یہ حکم دیدیا جائے کہ تمام معاہدات جو ملکی زر رائج الوقت کے حوالے سے مرتب ہوں تاوقتیکہ ان میں کوئی خاص شرط نہ ہو یہی سمجھا جائے گا کہ اس سے مراد ایک مخصوص دھات کا خاص سکہ ہے۔ اور دوسرے سکے اس مخصوص سکے کے حوالے سے اپنی اپنی بازاری شرح سے چلتے رہیں گے۔ اس نظام کو زر قانونی کہہ سکتے ہیں۔

۴- چوتھے یہ کہ گورنمنٹ دو یا زیادہ دھاتوں کے سکے جاری کر کے یہ حکم دے کہ ان میں سے کسی ایک یا دوسرے سکوں میں معاہدات زر کی تعمیل قانون کی مقرر کردہ شرح سے کی جایا کرے۔ یہ متعدد زر قانونی کا نظام ہے

۵- پانچویں یہ کہ کسی سکے کو ایسا خاص زر قانونی قرار دیکر جس کے حوالے سے تمام بڑے معاہدات زر کی تعمیل ہونا لازم ہو اور دوسری دھاتوں کے سکوں کو بھی محدود مقداروں میں خاص سکے کی مقررہ مساوات سے قبول کرنے کا حکم دیا جائے۔ اس نظام کو مشترک زر قانونی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

زر وزنی جس ترتیب سے ہم نے خاص خاص نظامات زر کی ابھی تفصیل بتلائی ہے وہ صرف منطقی سلسلہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخی سلسلہ ترتیب بھی ہے جس کے موافق مختلف نظامات زر کا شیوع اور اجرا ہوا ہے چنانچہ کثیر ثبوت اس بات کا موجود ہے کہ سادہ زر وزنی ہی اولین نظام زر تھا اور نہ اس میں شبہ کی گنجائش ہے کہ ترازو کی اختراع کے قبل دھات کے ڈلے اور ڈلیوں کے وزن اور جسامت کا تخمینی اندازہ کر کے تبادلہ کیا کرتے تھے مگر بعد تمام اہم معاملات میں ترازو اور باٹ ایک ضروری چیز

ہو گئے چنانچہ توریت میں ایسے بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قدیم یہودی زر کا لین دین وزن سے کیا کرتے تھے چنانچہ (Genesis xxiii:16) میں ابراہیم علیہ السلام کا عفران کو چاندی کے چارسو شکل جو تجارت میں عام طور پر رائج تھے، تول کر دینے کا ذکر آیا ہے مگر اس چاندی کو سکہ نہ سمجھنا چاہئیے کیونکہ یہ ڈلوں یا ٹکڑوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی اسی طرح صحیفہ ایوبؑ (xxviii:15) میں مذکور ہے کہ "عقل سونے سے نہیں خریدی جا سکتی اور نہ اس کی قیمت میں چاندی تول کر دی جا سکتی ہے"۔

ارسطو اپنی کتاب "سیاسیات" کے پہلے مقالے کے نویں باب میں زر کی ابتدا کے متعلق اپنے قیاس کا ذکر کرتے ہوئے صاف بیان کرتا ہے کہ اول اول وزن یا جسامت سے دھاتوں کا لین دین ہوتا تھا اور پلائنی بھی اس کی تائید کرتا ہے اس کی صحت کا یقین اور اس کی مزید تائید اس عجیب واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ غلاموں کی خرید و فروخت کے وقت روستہ الکبریٰ کے بازاروں میں تکمیل ضابطہ کے لئے ترازو ساتھ رکھنے کا رواج باقی تھا حالانکہ اس تجارت میں اس کی کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔

اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ابتداً ہر نظام تسکیک نظام اوزان کے مطابق ہوا کرتا تھا اور قدر کی اکائی کسی منتخبہ دھات کے وزن ہی کی اکائی ہوا کرتی تھی۔ انگریزی پونڈ یقیناً مستند اسٹرلنگ چاندی کا سکسن پونڈ ہوتا تھا مگر چونکہ سکے کے لئے یہ مقدار بہت زیادہ تھی اس لئے اس کو ۲۴۰ پینیوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر پینی کا وزن ایک پینی ویٹ قرار پایا انگریزی اور اسکاچ پونڈ اور فرانسیسی لیبر ایک بین الاقوامی عمومی زر اور نظام اوزان کی یادگار ہیں جن کی ابتدا شارل مین سے منسوب کی جاتی ہے لیکن رفتہ رفتہ ان میں اختلاف ہوتا گیا اور کسی نہ کسی ملک میں گھٹیا سکے بننے لگے اس لئے وہ عمومیت جاتی رہی۔ شکل۔ ٹالنٹ۔ ایز۔ سٹیٹر۔ لیرا۔ مارک اور فرانک وغیرہ کی طرح اور بھی قدر کی بہت سی خاص اکائیاں وزن ہی کی اکائیاں تھیں۔

پرانے عہد نامے میں زر کا مفہوم تین مقامات پر عبرانی لفظ قسیطہ سے

ادا کیا گیا ہے جس کا پہلے مترجموں نے بھیڑ ترجمہ کیا ہے اس سے اس واقعے کا ایک اور ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ پہلے مویشی ذریعۂ مبادلہ کی طور پر مستعمل رہے ہیں لیکن میرے فاضل دوست پروفیسر تھیوڈورس بیان کرتے ہیں کہ قسطہ کا یہ ترجمہ ایک اتفاقی غلطی کی بدولت ہو گیا ہے ورنہ دراصل قسطہ کے معنی ایک مقررہ وزن یا ٹھیک مقدار کے ہوتے ہیں چنانچہ اسی لفظ کے مشابہ عربی میں قسط کا لفظ ہے جس کا معنی ترازو کے ہوتے ہیں۔

بہت سے طبقات بنی نوع میں اب تک زر وزنی کا طریق باقی ہے مثلاً سلطنت برما میں سونا چاندی اور سیسا یہ تین دھاتیں رائج ہیں اور تمام ادائیاں تول کر کی جاتی ہیں۔ چاندی کے وزن کی اکائی کو ٹِسکل کہتے ہیں۔ گو سلطنت چین اور کوچین چائنا میں دراصل کاش یا سا ایک سکوں کا زر قانونی رائج ہے تاہم سونے اور چاندی کو تول تول کر بھی کام میں لاتے ہیں اور وزن کی اکائی ٹائل کہلاتی ہے۔ ملک چین کے زر کا ایک نہایت دلچسپ تذکرہ یم۔ بی۔ کاونٹ روشی شوارت کا جرنل ڈی اکنامسٹ (Vol. xv p. 103) میں پایا جاتا ہے مصنف مذکور کہتے ہیں کہ سونا اور چاندی ہر دو ایک شے تجارتی سمجھے جاتے ہیں۔ ان پر کوئی مشہور اور معتبر مہر اور دھات کے کھرے پن کے اطمینان کے لئے گورنمنٹ کی کوئی علامت ثبت نہیں رہتی۔ مسافروں کو یہ دھاتیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی ہیں کیونکہ کاش کے توڑوں کی اگر کافی مقدار رکھنی ہو تو ڈھونے کے لئے چھکڑے بھی ساتھ لینے پڑیں گے۔ مگر سونے اور چاندی کے مبادلے میں جھوٹی ترازو اور کھوٹے اوزان اور دھاتوں کی ناقابل اعتبار خوبی کی وجہ سے مسافروں کو یقیناً بڑا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے کیونکہ سونے کا ٹائل خریدتے وقت تو شاید اٹھارہ ٹائل چاندی دینی پڑیگی لیکن اس کو بیچتے وقت اکثر چودہ ٹائل سے زیادہ چاندی نہیں ملتی۔

خواہ اس طریقہ میں کتنی ہی دشواریاں ہوں تاہم زر وزنی ایک بالکل ضروری اور قدرتی نظام معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب کبھی سکے فرسودہ ہو جاتے ہیں یا مختلف سکوں کا خلط ملط ہو جاتا ہے یا حکومتوں کے زوال و انقلاب یا دوسرے اسباب کی وجہ سے اچھے اور باقاعدہ نظام زر پر بھی لوگوں کو بھروسہ

باقی نہیں رہتا عوام الناس اسی طریقہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ گو اینگلو سیکسن قدیم تین چاندی کی پینی کا وزن ایک پنی ویٹ سمجھا جاتا تھا تاہم ان سکوں کا وزن ضرور کر لیتے تھے اس طرح گویا اتلاف اور فرسودگی کا معاوضہ اور غیر صحیح و جعلی سکیک کا بٹہ دینے کا رواج تھا۔ ایز کا وزن پہلے تو رومی پونڈ کے برابر تھا مگر اس کا وزن رفتہ رفتہ کم کر دیا گیا یہاں تک کہ پہلی پیونک جنگ کے وقت دو اونس سے بڑھ کر نہ تھا اور دوسری پیونک جنگ کے وقت تو گھٹ کر صرف ایک ہی اونس رہ گیا تھا۔ اس لئے قدرتاً لوگوں نے بھی اس دھات کو وزن کر کے لینا شروع کیا چنانچہ ایز گریو ایسا زر تھا جس کی داد و ستد بجائے عدد کے وزن سے ہونے لگی تھی

آجکل بھی زر وزنی جتنا کہ سمجھا جاتا ہے اس سے بہت زیادہ مستعمل ہے بہت سے ممالک میں زر سونے چاندی اور تانبے کے متعدد پرانے اور متفرق سکوں پر مشتمل ہے جو غیر ملکوں سے آ گئے ہیں اور جن کی فرسودگی۔ کاٹ کسر اور گھٹوت کی مقداریں مختلف ہوتی ہیں ایسے ملکوں میں نقصان اور دھوکے سے بچنے کے لئے سکوں کو تول لینے سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا نقش اور مہر محض دھات کی خوبی کے ضامن سمجھے جائیں۔ بڑی بڑی بین الاقوامی معاملتوں میں اب بھی زر وزنی ہی خاص طریقہ ہے کیونکہ زر قانونی کے متعلق جو گورنمنٹ قواعد اور ضابطے نافذ کرتی ہے وہ ملکی حدود کے باہر موثر نہیں ہوتے اور چونکہ ہر قسم کے سکوں میں کمی بیشی۔ فرسودگی اور وزن کی بے اعتباری کا پیدا ہونا لازمی ہے اس لئے سکے دھات کے وزن کے لحاظ سے قبول کئے جاتے ہیں۔ ان غیر ممالک کے سکوں کو جو باقاعدہ ٹکسالوں سے جاری ہوتے ہیں بغیر گداخت کئے صرف وزن ہی سے لے لیا جاتا ہے مگر ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سکوں کو جنھوں نے کبھی کبھی کم قدر سکے بھی بنائے ہیں گداخت کی جاتی ہے اور محض خام دھات متصور ہوتے ہیں

غیر محدود زر عددی

انتظام زر میں سہل ترین طریقہ حکومت کے لئے یہ ہے کہ سکے کے ابتدائی مفہوم کو پھر اختیار کر کے سونے چاندی اور تانبے کے ٹکڑوں کو جو وزن کی اکائیوں کے برابر مصدقہ ہوں جاری کرے

اور عام لوگوں کو ان دھاتوں میں سے جس کے حوالے سے چاہیں معاہدات اور خرید فروخت کرنے دیا کرے اس قسم کے مصدقہ دھات کے ٹکڑے بھی گویا مثل دیگر اشیا کے بازار کی اشیائے تجارتی ہو جائیں گی اور باہمدیگر اپنی ذاتی قدر پر چلتی رہیں گی۔

قانون نفر میڈ ورسنہ سے فرانس کی انقلابی حکومت کا منشا بھی اسی قسم کے نظام زر کا قیام تھا۔ مگر یہ قانون بے اثر رہا۔ غایت یہ تھی کہ دس دس گرام کے سونے چاندی اور تانبے کے قرص اجرا میں شامل کر دیئے جائیں اور ان کے چلن میں کوئی قاعدہ یا ضابطہ مقرر کرنے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔ یم گارنیر نے بھی (اگر ہم نے اس کا مفہوم صحیح سمجھا ہے) ایک تجویز تقریباً اسی قسم کی پیش کی ہے یعنی یہ کہ ۹/۱۰ خوبی کے ایک گرام سونے کو قدر کی اکائی قرار دیکر ایک، دو، پانچ، آٹھ، اور دس گرام کے سکے ضرب کئے جائیں اور ساتھ ہی ساتھ مستند چاندی کے سکوں کو بھی جو گرام ہی کے اضعاف ہیں بدستور چلنے دیا جائے۔ یم شویلیر کا مجوزہ بین الاقوامی نظام زر بھی ایک حد تک اسی اصول پر مبنی ہے کیونکہ وہ سکۂ خاص میں سونے کا وزن دس گرام ہونا ضروری سمجھتے ہیں مگر جیسا کہ مسٹر بیج ہاٹ نے کہا ہے عام لوگوں کی بڑی جماعت کے لئے سکوں کا نظام اوزان کے مطابق ہونا کوئی خاص فائدہ کی بات نہیں ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کو تو سکے کا وزن دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی وہ صرف اس قدر معلوم کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی نقرئی سکے میں کتنے مستی سکے ہوتے ہیں یا طلائی سکے میں کئے نقرئی سکے آئیں گے۔ اب اگر یم شویلیر کی تجویز پر تمام و کمال عمل کیا جائے اور تمام سکوں کو گرام کے اضعافی وزن کا بنایا جائے تو گویا ہم لوگوں کو ہر معاملت میں ہمیشہ مشکل اور پیچیدہ حسابی عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں کیونکہ کوئی شخص یہ ٹھیک دریافت کئے بغیر کہ نقرہ کے بازاری نرخ کے حساب سے دس گرام کے طلائی سکے میں کتنے دس گرام والے نقرئی سکے آسکتے ہیں صحیح بدل (خردہ) ہی نہ دے سکے گا اس حساب سکے لزوم سے نہ صرف دشواری اور تضییع اوقات ہو گی بلکہ واقف کاروں اور بٹے بازوں کا عملاً فائدہ ہو گا اور غریب ناواقف لوگ

گھاٹے میں رہیں گے۔
ہم کو یقین ہے کہ اسی بدیہی نقص کی وجہ سے مندرجۂ بالا نظام زر پر کسی گورنمنٹ نے عمل پیرا ہونا مناسب نہ سمجھا۔ تاہم مختلف ملکوں کے سکوں کے باہم خلط ملط ہوجانے کی وجہ سے دنیا کے بہت سے ملکوں میں تقریباً اسی نوعیت کے نظام زر معرض وجود میں آگئے ہیں اور بہت ساری ایسی نیم متمدن قومیں ہیں جن کی کوئی قومی ٹکسال نہیں تجارت میں ادھر ادھر سے جو سکے ان کے ہاں آجاتے ہیں یہ لوگ انھی کو کام میں لاتے ہیں چنانچہ مغربی ساحل افریقہ پر گو اسپینی ڈالر ایک عام اور مشہور سکہ ہے لیکن ڈنمارک فرانس اور ہالینڈ کے سکے بھی چلتے ہیں۔ اسی طرح جنوبی امریکہ کی کئی ریاستوں کے نظام زر بہت پیچیدہ اور امریکن "ایگل" طلائی ڈبلون، نقرئی ڈالر، انگریزی ساورن اور پیاسٹر پر مشتمل ہیں جن میں کبھی کبھی ملکی ٹکسالوں کے جاری کئے ہوئے کم و بیش گھٹیا سکے بھی شامل ہوجاتے ہیں۔ بعض برطانوی مقبوضات میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے چنانچہ برطانوی جزائر غرب الہند میں جہاں اسپینی ڈالر معیار قدر سمجھا جاتا ہے اور دوسرے تمام سکوں کی قدر اسی کے حوالے سے ظاہر کی جاتی ہے انگریزی زر کے ساتھ ساتھ امریکہ، میکسکو، اسپین و نیز دیگر ممالک کے ڈالر بھی رائج ہیں۔ ممالک مشرقی میں بھی ایسا ہی سکوں کا خلط ملط موجود ہے چنانچہ سنگاپور میں اسپینی اور میکسکو کے ڈالر کے ساتھ ساتھ ہندوستانی روپیوں کا بھی چلن ہے گو ایران مین ملکی ٹکسال ہے مگر کچھ ایسی بھدّی اور سکوں کا وزن کچھ ایسا ناقابل اعتبار ہے کہ باٹ اور کانٹے کا استعمال ضروری سا ہوگیا ہے حالانکہ آسٹرین، روسی اور ترکی طلائی سکّے عدد سے چلتے ہیں۔ بہت سی اعلیٰ نظم و نسق کی حکومتوں نے بھی غیر ملکی سکوں کا رواج جائز ہی نہیں رکھا ہے بلکہ اُن کے چلن کو بہت کچھ ترقی دی ہے مثلاً جرمنی میں فرانسیسی اور انگریزی سکہ جات طلائی ایک مسلم اور مقررہ شرح سے قبول کرلئے جاتے تھے۔ ممالک متحدہ میں بھی ۱۸۳۴ء کے قانون سے اسپینی، فرانسیسی انگریزی نیز میکسکو اور دوسرے ملکوں کے طلائی سکوں کا چلن جائز قرار دیا گیا تھا گو ۲۱ فروری ۱۸۵۷ء کے قانون سے یہ منسوخ ہوگیا ہے تاہم اس کی رو سے بھی محکمہ جات سرکاری میں

غیر ملکی سکے قبول کئے جا سکتے ہیں۔

انگلستان میں ہم نے کئی پشتوں سے ایک خالص نظام زر سے استفادہ کیا ہے اس لئے بہت سی مختلف قدر کے مسکوکات کے خلط ملط ہو جانے سے جو پیچیدگی اور دشواریاں پیدا ہوتی ہیں ان کا ہم کو احساس نہیں ہے تاہم اس ملک میں بھی اٹھارویں صدی کے اوائل میں کچھ عرصے تک اسپینی ڈالر اجرا میں شامل رہے ہیں۔

گذشتہ صدیوں میں آج کل کی بہ نسبت سکوں کی خلط ملط بہت زیادہ عام تھی۔ کوئی ملک ایسا نہ تھا جس کے زر میں غیر ملکی اجنبی سکے شامل نہ ہو گئے ہوں چنانچہ تجارت سے متعلق کوئی پرانی کتاب ایسی نہ ملیگی جس میں ان سکوں کی جو تاجروں کو ملا کرتے تھے فہرستیں اور تبادلے کی شرحیں درج نہ ہوں۔ اور صرافی تو ایک عام اور بڑا منفعت بخش پیشہ سمجھا جاتا تھا۔

یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ نظام زر عددی اسی وقت تک قائم اور جاری رہ سکتا ہے جب تک کہ نقش ونگار کی تازگی اور صفائی سے سکوں کا پورے وزن کا ہونا مانا جائے اور مقررہ شرح سے لوگ ان کو قبول کرتے رہیں۔ نقرئی ڈالر چونکہ بڑا ہوتا ہے اور رگڑ بہت کم کھاتا ہے اسی لئے لوگ مختلف اقسام کے ڈالروں کو ٹھیک مقررہ شرحوں سے قبول کرنے لگ جاتے ہیں اسی وجہ سے گرم ممالک میں ڈالر صدیوں سے عملاً بین الاقوامی زر بنا رہا ہے لیکن جونہی سکوں میں فرسودگی اور دست اندازی کے آثار نمودار ہوتے ہیں ان کا چلن وزن پر محدود ہو جاتا ہے اور یوں ہم پھر ابتدائی نظام زر پر اتر آتے ہیں۔

یم لفیر ہر راگ نے اس نظام کو جس میں کوئی ریاست دو یا زیادہ دھاتوں کے سکے جاری کرتی ہے اور ان کو بہ حساب عدد ان دھاتوں کے بازاری نرخوں کے تناسب سے چلنے دیتی ہے نظام متوازی المعیار کے نام سے موسوم کیا ہے اور کچھ نئی مثالیں بھی دی ہیں مثلاً سویڈن کا نقرئی رکس ڈالر جو اندرون ملک رائج ہے اور جس کے ساتھ بین الاقوامی داد وستد کے لئے طلائی ڈوکٹ مستعمل ہیں اسی طرح ہندوستان کی گورنمنٹ نے بھی متعدد مرتبہ اپنے موجودہ تنہا نقرئی زر قانونی کے ساتھ ساتھ طلائی معیار متوازی قائم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ طلائی مہریں یا اشرفیاں ہندوستان میں

ایک عرصے سے رائج ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی تعداد زر مسکوک کا دسواں حصہ ہے اُن کا وزن اور خوبی ٹھیک روپیہ کے برابر ہے اور قیمت بالعموم پندرہ روپیہ یا پندرہ روپیہ دس آنے آٹھ پائی ہوا کرتی ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جس طریق کو مسٹر فیر ہر زاگ نظام متوازی المعیار کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ بہ لحاظ حالات یا تو نظام زر عددی غیر محدود کے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے مطابق ہوتا ہے یا ایسے واحد زر قانونی کے مطابق جس کے ساتھ ساتھ مختلف قدر کا کوئی اور زر تجارتی بھی شریک ہو لیکن ہندوستان کا زر یقیناً شکل دوم کے تحت آتا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وقت واحد میں دو مختلف اور متوازی زر مستند رائج ہوں۔ گو ریاستوں کا دو یا زیادہ دھاتوں کو مسکوک کرنا اور رعایا کو ان میں سے کسی ایک کے حوالے سے داد و ستد کرنے دینا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے لیکن عموماً ان دونوں میں سے صرف ایک ہی کو قدر کا مستند معیار تسلیم کرتے ہیں۔

مفرد زر قانونی کا نظام

قدرۃً سب سے پہلے زر کے مسکوک کرنے والوں نے جو نظام اختیار کیا وہ مفرد زر قانونی تھا۔ پہلے تو صرف ایک قسم کے یا ایک ہی وزن اور مختلف اوضاع کے سکے ہی کافی سمجھے گئے مثلاً لوہا چھوٹی سلاخوں کی شکل میں لیسیڈیمون اور غالباً دوسری قدیم ریاستوں میں واحد زر قانونی تھا اور روما میں یقیناً ایک عرصے تک ابز ہی زر قانونی رہا ہے چین میں تو اب تک پیمانہ قدر و نیز زر قانونی پیتل کے کاش یا سا ایک ہی ہیں جن میں ڈور اڈال کر ہزار ہزار کے توڑے بنا لئے جاتے ہیں۔ انگلستان میں بھی اگبرٹ کے عہد سے لیکر ایڈورڈ سوم کے عہد تک باستثنا چند چھوٹے طلائی سکوں کے صرف چاندی ہی مسکوک ہوتی رہی اور وہی تنہا پیمانۂ قدر اور زر قانونی سمجھی جاتی تھی اور پینی کے سوائے اس کے کوئی اور قسم کے سکے بہت کم ضرب ہوتے تھے اسی طرح سویڈن اور روس میں بھی اٹھارویں صدی کے اوائل تک صرف تانبا ہی زر قانونی رہا ہے۔

ایک دھاتی زر میں سادگی اور اطمینان کی بڑی سہولتیں ہیں۔ ہر شخص کو ٹھیک معلوم رہتا ہے کہ اس کو کس قدر لینا یا دینا ہے اور جب سکے ایک ہی جسامت

یا چند جبا متوں کے ہوں جیسا کہ قدیم انگریزی سکے ہوا کرتے تھے تو حساب کی غلطی سے
کسی کے نقصان کا اندیشہ بھی باقی نہیں رہتا۔ مگر اس میں ایک بیّن دشواری یہ ہے کہ
اگر منتخبہ دھات زیادہ ارزاں یا زیادہ گراں ہو تو بڑی اور چھوٹی معاملتوں کا تکمیل پانا
وقت طلب ہوجایا کرے گا مثلاً سویڈن کے مسی پتروں یا چینی کاش کے توڑوں
میں اگر سو پونڈ کی رقم دینی ہو تو باربرداری کے لئے چھکڑے کی ضرورت لاحق ہوگی
اور کاش کا گننا بھی تو قریب قریب غیر ممکن ہے اسی طرح نقرہ کی تسکیک میں بہت چھوٹی
معاملتوں کے قابل سکے نہیں بنائے جاسکتے ہم کو حیرت ہے کہ جب نقرئی پنی ۲۲½
گرین کی بنائی جاتی تھی چلر یا ہٹلل تجارت کا کیونکر بند و بست ہوتا ہوگا کیونکہ اُس وقت
تو بیش قدر دھاتیں اور بھی زیادہ بیش قدر تھیں سوائے اس کے اور کیا ہوتا ہوگا کہ پنیاں
یا نصف پنیوں اور فاردنگ (یعنی فورتھنگس یا چار چیزیں) میں بانٹ دیتے ہوں گے
مگر اس زمانہ کے فارونگ کی قوت خرید بھی آجکل کے تین چار پنس کے سکوں کے
برابر تھی۔ الحاصل اس زمانے میں زر کی کل مقدار نقرئی پنیوں ہی پر مشتمل تھی۔

اسی وجہ سے یہ دیکھا گیا ہے کہ گورنمنٹ تو ایک ہی دھات کا سکہ جاری
کرتی ہے مگر لوگ اپنی سہولت کے لحاظ سے دوسری دھاتوں کے سکے پیدا اور
جاری کر لیتے ہیں چنانچہ انگلو سیکسن زمانے میں بازنطین کے طلائی "بازنط" اور فلارنس
کے طلائی فلورن کی انگلستان اور دوسرے ممالک یورپ میں بڑی قدر کی جاتی تھی
بعد کی صدیوں میں بھی کسی قانونی زر مسی کی تسکیک نہ ہونے کی وجہ سے تاجروں ہی
کا زر وضعی عام طور پر سے رائج ہوگیا تھا۔

مرکب زر قانونی کا نظام

فطرۃً مفرد زر قانونی میں سے دوسرے اور نیز مرکب زر قانونی
کے نظام معرض وجود میں آگئے ہیں مثلاً انگلستان کے پلانٹجنٹ
بادشاہوں نے یہ محسوس کر کے کہ گو تسکیک صرف نقرہ ہی کی
ہو رہی ہے مگر لوگ سونا بھی استعمال کرتے ہیں بالآخر طلائی سکے بھی جاری کر دئے
اور ان ہر دو قسم کے سکوں کی شرح مبادلہ کا بھی تعین کر دیا۔ چونکہ اس میں کوئی خاص
روک ٹوک نہ تھی اس لئے یہ طریق ایک دوسرے زر قانونی کا نظام بن گیا۔ کچھ عرصے کے
بعد جب ان دھاتوں کی قدر کا تناسب سکوں کے اوزان کی باہمی نسبت سے

مطابق نہیں ہونے لگا تو فرمان شاہی سے ایک دھات کی قیمت کو دوسری دھات کے حوالہ سے مقرر کر دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی طرح ۱۲۵۷ء سے ۱۶۶۳ء تک انگلستان کے طلائی اور نقرئی زر کا یوںہی انتظام رہا اس وقت تک ایک یا کسی دوسری ادنیٰ دھات کی تو تشکیل ہی نہ ہوتی تھی اور ۱۶۶۳ء سے ۱۷۱۷ء تک کوئی فرمان شاہی اس کے متعلق صادر بھی نہیں ہوا اور گنی کی قیمت کو شلنگ کے حوالہ سے یونہی گھٹنے بڑھنے رہنے دیا گیا چنانچہ ایک وقت تو گنی تیس شلنگ کے برابر ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ایک حد تک چاندی کی کم قدری بھی مگر بڑا سبب نقرئی سکوں کی قطع و برید اور ان کی فرسودگی میں مضمر تھا۔ اس طرح گویا اس زمانے میں انگلستان میں نقرہ کا معیار مفرد قایم تھا۔

اٹھارویں صدی کے اوائل میں نقرئی زر کی غیر اطمینان بخش حالت کے متعلق بہت کچھ ردّ و کد اور بحث مباحثہ ہوا اور سر ایزک نیوٹن مہتمم دارالضرب سے خواہش کی گئی کہ اصلاحات کے متعلق تجاویز اور رپورٹ پیش کریں چنانچہ ۱۷۱۷ء میں انھوں نے اپنی مشہور و معروف رپورٹ پیش کی جس میں یہ سفارش کی گئی کہ گنی کی قیمت مقرر کرنے کی تجویز پر گورنمنٹ پھر عمل پیرا ہو اور اس کے لئے اکیس شلنگ کی شرح بہترین بتلائی گئی۔ اس تجویز کو منظور کر لیا گیا چنانچہ اب تک گنی کی قیمت اکیس شلنگ قایم ہے۔ اس کے بعد پھر انگلستان میں ایک دوسرا معیار جاری ہوگیا کیونکہ ہر شخص کو اختیار تھا کہ جس سکے میں چاہے داد و ستد کرے۔ مگر عملاً تناسب قانونی کا ہمیشہ تجارتی قدر زر سے مطابق رہنا ناممکن ہے نیوٹن صاحب کی مقرر کردہ شرح میں تو سونا اپنی فلزی قیمت سے ۱½ فیصدی زیادہ ذی قدر قرار پا رہا تھا اس لیئے قانون گرشیم کے اثر سے ان اصولوں کے تحت جن کا آٹھویں باب میں بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ پورے وزن کے نقرئی سکے یا تو چلن سے اٹھا لئے گئے یا غیر ملکوں کو برآمد کر دیئے گئے اور سونا ہی عملی پیمانہ قدر بن گیا چنانچہ اب تک اس کی یہی حالت قایم ہے۔

دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی جہاں جہاں دو دھاتوں کے اجتماع سے وقت واحد میں جاری رہنے والے دو معیار قایم کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں

ان کا بھی یہی انجام ہوا چنانچہ مساشوسٹس میں ۱۷۶۲ء میں چاندی کے ساتھ سونا بھی بشرح ۲½ پنس فی گرین زر قانونی قرار دیا گیا تھا مگر چونکہ اس طریقہ پر چاندی کی قدر اصل سے پانچ فیصدی زیادہ ہو رہی تھی بہت جلد نقرئی سکے چلن سے غائب ہو گئے۔ اس تکلیف دہ غیر مطمئن حالت کو رفع کرنے کے لئے نت نئے قانون نافذ کئے گئے مگر جب تک سونے کی یہ قدر برقرار رکھی گئی قاعدہ اور قانون معطل اور بے سود ثابت ہوا۔

ان میں اور بعض دوسری صورتوں میں ایک گورنمنٹ نے اس تجربہ پر وقوف حاصل کئے بغیر سونے اور چاندی کے اجرا کو مشترک کرنے کی کوشش کی تھی۔ غالباً انقلاب فرانس تک بھی دو معیاری نظام کو بہترین طریقہ سمجھ کر کسی نے منتخب نہیں کیا اور جب سے کہ انقلابی حکومت نے مشہور و معروف قانون "لالوئی ڈو ہفتم جرمنل سال یازدہم" نافذ کیا ہے اس نظام کو فرانسیسی ماہرین معاشیات سے منسوب کر دیا گیا مگر جب تک یم اولوسکی نے ۱۸۶۹ء کے جرنل ڈی اکنامسٹ کے مضامین کے ایک سلسلے میں اس کی تشریح نہیں کی کسی کو اس قانون کی ابتدا کا حال بھی معلوم نہ تھا۔

۱۷۹۰ء میں مرابو نے مسائل و طرائق زر کے متعلق ایک مشہور و معروف یادداشت پیش کی جس میں اسلئے سید سے خیالات یکجا جمع کر دیئے اور یہ تجویز کی کہ زر خاص چاندی کا ہونا چاہئے کیونکہ چاندی آسانی اور کثرت سے دستیاب ہوتی ہے اور یہ بھی رائے دی کہ زر دستوری یعنی قانونی زر تو چاندی کا ہو مگر ساتھ ساتھ سونے اور تانبے کے سکوں کو بھی مزید علامات قدر کے طور پر استعمال کرنے دیا جائے ان تجاویز پر اس حد تک عمل ہوا کہ فرانک کا وزن پہلے تو یکم اگست ۱۷۹۳ء کے قانون کی رو سے دس گرام چاندی اور بعد ازاں قانون ۲۸ تھرمیڈور سال سوم کے تحت پانچ گرام مقرر ہو گیا۔ چوبیس اور اڑتالیس لیور کے طلائی سکے تو بدستور چلن میں رہے مگر مجوزہ دس گرام کے طلائی سکوں کے بننے کی نوبت نہ آئی۔

نویں سال جلوس میں گاڈن نے یہ تجویز پیش کی کہ چاندی کے سکوں کے لحاظ سے طلائی سکوں کا وزن مقرر کرتے وقت "ایک اور ساڑھے پندرہ" کی نسبت اختیار کرنی چاہئے پس جب کہ فرانک ۹/۱۰ خوبی کی پانچ گرام چاندی کا قرار پایا تو

بیس فرنکی طلائی سکّے میں اسی خوبی کا ۱۵۴۸، ۶ گرام سونا ہونا چاہئیے۔ غالباً اس نے یہ سمجھا تھا کہ یہ نسبت بازاری نسبت کے بالکل برابر ہوگی اس لئے دونوں قسم کے سکّے ایک عرصے تک ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے اور اگر کوئی تبدیلی ہو بھی گئی تو اس کا خیال یہ تھا کہ طلائی سکّوں کو گلاکر پھر مختلف وزن کے سکّے بنا لئے جاسکیں گے۔ ایک بڑی ردو قدح اور مباحثہ کے بعد جس میں برنگر، لبرٹن، ڈارو اور باسک نے بڑا حصہ لیا گاؤن کی تجویزیں منظور تو ہوگئیں مگر صرف ان وجوہ کی بناء پر نہیں جن کو گاؤن نے پیش کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ طلا کو یک قلم غیر مسکوک کر دینا مناسب نہیں سمجھا گیا کیونکہ اس سے چلنی ذریعہ تبادلہ میں بڑی کمی واقع ہوجاتی اور نہ سونے کے سکّوں کی قدر کو غیر مقررہ چھوڑ دینا قرین صواب معلوم ہوا کیونکہ اس سے پیچیدگیوں کا اندیشہ تھا۔

انقلابی حکومت کے مقننین نے جو نسبت اختیار کی وہ اتفاقاً اس حد تک چاندی کی قدر کو بڑھانے کا باعث ہوگئی کہ فرانس کا زر خاص طور پر وزندار پانچ فرنکیوں یا آکوس ہی پر محدود ہوگیا۔ اور جب تک کلیفورنیا اور اسٹریلیا کی دریافتوں سے ادائیوں کے لئے سونا زر ارزاں نہ ہوگیا۔ یہ وزندار زر نقرہ چالو رہا اور پھر بتدریج کم ہوکر غائب ہوگیا دو معیاری نظام کے عمل سے ہم آیندہ چل کر بارھویں باب میں پھر بحث کریں گے۔

مشترک زر قانونی ایک دھاتی نظام زر میں دھات کی گرانی اور ارزانی کے اعتبار سے جو چھوٹی یا بڑی ادائیوں میں دقت پیدا ہوتی ہے اس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اگر دو یا زیادہ اقسام کے سکّے مختلف دھاتوں کے پورے وزن کے بنا کر جاری کئے جائیں اور ان کے باہمی تعلق کو اختلاف پذیر رہنے دیا جائے تو حساب لگانے کی دقت عارض ہو جاتی ہے۔ اور اگر مقررہ نسبت کے ساتھ دونوں کو زر قانونی بنا دیا جائے تو زر ایک یا دوسری دھات پر باری باری سے مشتمل ہونے لگے گا اور صراف تبادلے سے فائدہ اٹھانے لگیں گے ایک اور ممکنہ نظام ابھی باقی رہتا ہے جس میں ایک دھات کے سکّے تو معیار قدر اور زر قانونی قرار دئیے جاتے ہیں اور ان کے تحت زر کسری کے لئے دوسری دھاتوں کے

سکّہ جات وضعی جو تھوڑی تھوڑی رقموں کی حدتک زر قانونی بھی ہوں مہیا کئے جاتے ہیں۔ ان وضعی سکّوں کی قدر ان سکّہ جات مستند پر منحصر ہوتی ہے جن سے ان کا قانوناً مبادلہ ہوسکتا ہے اور یہ ایسے انداز سے بنائے جاتے ہیں کہ اُن کی قدر فلزی ہمیشہ قدر قانونی سے کم رہے۔ پس نہ تو ان سکوں کی گداخت ہی سے کوئی منفعت ہوتی ہے اور نہ برآمد کرنے میں کوئی نفع ملتا ہے۔ ان کی نسبت تبادلہ بھی ہمیشہ سہل اور قانون سے مقرر کی ہوئی ہوتی ہے۔

مشترک زر قانونی قدرۃً دو معیاری نظام سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں دو معیاری نظام کے تحت اگر سونے کی قانونی قدر اس کی قدر فلزی سے بڑھ جائے تو تمام پورے وزن کے نقرئی سکے چلن سے خارج ہوکر رفتہ رفتہ برآمد کر دیئے جائیں گے حتیٰ کہ صرف ہلکے چاندی کے سکوں کا زر وضعی ہی باقی رہ جائے گا۔ لارڈ لورپول نے زر فلزی کے مضمون کی مکمل تحقیق میں مشترک زر قانونی کو دوہرے زر قانونی پر ترجیح دیتے ہوئے معقول وجوہ کی بنا پر انگلستان میں اس کے اختیار کئے جانے پر زور دیا ہے اس کے وجوہ اور مباحث ان کے بے نظیر جواب مضمون موسوم بہ "تبصرہ بر سکّہ جات ملکی" میں موجود ہیں جو بادشاہ وقت کے نام ایک مکتوب کی شکل میں تحریر ہوا ہے۔ اُن کی یہی تجاویز جن پر ۱۸۱۶ء میں عمل ہوا ہمارے موجودہ نظام زر کی بنیاد ہیں۔

بغیر کسی خاص منصوبے کے یا تسلیم کئے جانے کے کسی نہ کسی ملک میں ہمیشہ مشترک زر کے نظام کا وجود رہا ہے جب کبھی قانون یا رواج کی مقررہ شرح پر طلائی اور نقرئی سکّے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور نقرئی سکوں کا وزن تراش خراش یا فرسودگی کی وجہ سے مقررہ وزن سے گھٹنے لگتا ہے تو مشترک زر کا نظام خود بخود معرض وجود میں آجاتا ہے۔ ۱۷۱۷ء سے لیکر جبکہ گنی اکیس شلنگ کی مقرر کر دی گئی ۱۸۱۶ء کے موجودہ نظام قایم ہونے تک انگریزی زر کی بنیاد بادی النظر دو معیاری نظام پر قایم تھی لیکن عملاً نقرئی سکّے اس قدر کمیاب اور کم قدر تھے کہ اُن کی حیثیت زر وضعی سے بڑھ کر نہ تھی۔ تاجروں کے تانبے کے وضعی سکّے بھی چونکہ وہ ہمیشہ وزن میں ہلکے ہوتے تھے اور رواجاً نقرئی سکوں سے ایک مقررہ نسبت کے ساتھ ان کا

مبادلہ ہوا کرتا تھا اس سلسلے کی ایک تیسری کڑی تھے۔ مگر سب سے پہلے لارڈ لورپول ہی نے اس کو محسوس کرکے اُن اصول کو واضح کیا جن پر اس قسم کا نظام مشترک عمل کرتا ہے۔ اس میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں ہے کہ یہ نظام جس کو انھوں نے صراحت سے بیان کیا ہے نہایت سہل اور کم صرف زر کے لئے بیحد موزوں اور مناسب ہے۔

مشترک زر قانونی کو کم و بیش مکمل شکل میں دنیا کی اکثر ترقی یافتہ قوموں نے اختیار کیا ہے۔ گو فرانس۔ بلجیم۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی بادی النظر میں دو معیاری نظام پر قایم ہیں مگر عملاً انھوں نے بھی پانچ فرانک سے کم قیمت کے سکوں کو گھٹاکر زر وضعی بنالیا ہے۔ ان کی چاندی کی خوبی ۹/۱۰ سے گھٹ کر ۸۳۵ حصہ فی ہزار یا سوا سات فیصد گھٹ گئی ہے اور ان کو محدود مقدار کے لئے زر قانونی بنادیا گیا ہے۔ فرانس کا زر مسّی پہلے ہر ادائی میں پانچ فرانک سے کم مقدار تک زر قانونی تھا اور ممالک متحدہ میں بھی جب زر فلزی عام طور پر مستعمل تھا گو وہاں بظاہر دو معیاری نظام قایم تھا مگر سونے کی قدر اتنی بڑھاکر محسوب کی جاتی تھی کہ گویا عملاً نظام مشترک ہی رائج تھا۔ ماسوا اس کے قانون مجریہ ۲۱ر فروری ۱۸۵۳ء کی رُو سے چھوٹے نقرئی سکوں کا وزن گھٹاکر ان کو پانچ ڈالر کی حدتک زر قانونی قرار دیا گیا۔ تین سنٹ کا نقرئی سکّہ اور تانبے۔ کانسہ اور نکل کے متعدد سکّے بھی جو ممالک متحدہ کی ٹکسال سے جاری ہوئے زر وضعی ہی تھے جن کی حد استعمال زر قانونی مختلف تھی۔

نیا جرمن نظام زر بھی مشترک زر قانونی کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

دسواں باب

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس نظام زر فلزی کا تذکرہ کرتے ہیں جو انگلستان میں پچاس برس سے زیادہ عرصے تک جاری رہا اور جو بلحاظ ان اصولوں کے جن پر تین مختلف دھاتوں کے سکوں کو جمع کر کے ایک مشترک زر قانونی کا نظام تیار ہوتا ہے سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے ہم کو مسٹر لو کا مشکور ہونا چاہیئے جنھوں نے قانون نشان (۳۳) عہد وکٹوریہ سال دہم کو اس مسئلے کے ساتھ قوانین و احکام کی تدوین اور سہولت کے لئے پارلیمنٹ سے پاس کرایا تھا جس سے وہ آئین و ضوابط تسکیک و اجرائے زر صحت اور یقین کے ساتھ معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

انگریزی طلائی سکہ انگریزی ساورن معیار قدر اور خاص زر قانونی ہے۔ اس میں ۱۲۳ء۲۷۴۴۷ گرین (یا ۷ء۹۸۸۰۵ گرام) مستند انگریزی سونا ہوا کرتا ہے اس میں گیارہ حصے خالص سونے کے اور ایک حصہ کھوٹ کا یعنی بالعموم تانبے کا رہتا ہے۔ اس لئے ہر ساورن میں کم از کم ۱۱۳ء۰۰۱۶ گرین یا ۷ء۳۲۲۳۸ گرام طلائے خالص ہونا چاہیئے مگر چونکہ کسی ٹھیک وزن کے سکے کا بنانا تقریباً محال ہے اور اجرا ہونے کے بعد اس کا قایم رکھنا ممکن نہیں اس لئے مذکورۂ بالا وزن کو صرف ایک ایسا وزن مستند سمجھنا چاہیئے جس کو بالاوسط اور نیز ہر سکے میں قایم رکھنے کی دار الضرب کو پوری سعی کرنی چاہیئے۔

ساورن کے وزن سے ہم سونے کی ٹکسالی قیمت اخذ کر لے سکتے ہیں کیونکہ اس کے وزن کے گرین کی تعداد کو اگر ۴۸۰ اونس کے گرین کی تعداد یعنی

۸۰ ۴۸ سے تقسیم کریں تو ٹھیک معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر اونس میں جو دار الضرب کو دیا جاتا ہے کتنے سالم ساورن یا اجزائے ساورن تیار ہوں گے بحساب کرنے سے یہ تعداد ۵۷ ۳ ۸۹ ، ۳ معلوم ہوتی ہے جو تین پونڈ سترہ شلنگ ساڑھے دس پنس کے برابر ہے۔ اسی کو اگر ٹکسال کے پرانے حسابات کی اصطلاح میں بیان کیا جائے تو گویا یہی ہوگا کہ سونے کے بیس ٹرائے پونڈ میں ۹۳۴ سالم اور ایک نصف ساورن تیار ہوگی۔ دار الضرب سے سونے کی خرید و فروخت میں جو قیمتوں کا تعین گورنمنٹ کرتی ہے اس کے خلاف میں نے ایسے لوگوں کو صدائے احتجاج بلند کرتے سُنا ہے جو یہ بھی مانتے ہیں کہ ساورن کا کوئی نہ کوئی مقررہ وزن ہونا ضروری ہے مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ قیمت مقررہ وزن کا بدل ہے اور مقررہ وزن قیمت مقررہ کا بدل جو ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔

عملاً دیکھو تو سکّے کا وزن ہمیشہ ایک مسئلہ حدود کا ہے یعنی سکّہ کا جاری ہوتے وقت جو وزن ہوتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حد ہونی چاہیئے اسی طرح اس وزن کی حد مقرر کرنا بھی ضروری ہے جس پر قانوناً سکہ چلن میں رہ سکتا ہے۔ اس کمی بیشی کا وزن جو سکّے کی ٹھیک تکمیل نہ ہونے کے باعث پیدا ہوتی ہے مہتمم دار الضرب کے لئے ۲/۱ گرین کی حد تک قابل درگذر ہے جس کو ٹکسال کی اصطلاح میں حد فرق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ الغرض قانوناً ٹکسال سے کوئی ایسا ساورن نہیں جاری ہو سکتا جس کا وزن ۴۷۰۰ ، ۱۲۳ گرین سے کم یا ۴۷ ۴ ، ۱۲۳ گرین سے زیادہ ہو۔ اسی طرح چونکہ سونے کی خوبی بھی بارہ میں گیارہ حصے یا ۶۶ ، ۹۱۶ فی ہزار کی نسبت پر ٹھیک قایم کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے اس لئے وزن کی طرح خوبی کے لئے بھی دو حصے فی ہزار تک حد فرق دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ انگلستان کی دار الضرب بلحاظ وزن و خوبی اس حد کے اندر ہی کامیابی کے ساتھ تکمیل کر لیتی ہے۔

ان قاعدوں کے تحت ہر ساورن جو ملکہ کی مستند مُہر سے منقوش ہو کر دار الضرب سے نکلتا ہے زر قانونی ہے جس کو قبول کرنے میں کوئی قرض خواہ پس و پیش نہیں کر سکتا اِلّا جب کہ گھس جانے سے یا ناجائز قطع برید کی وجہ سے

ساورن کا وزن ۱۲۲٫۵۰ سے کم ہو گیا ہو اور کوئی ساورن جو اس قلیل ترین وزن جاریہ سے ہلکا ہو گیا اگر کسی شخص کے حوالے کیا جائے تو قانوناً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لینے والا اس نقص کو دریافت کرے اور اس پر لازم ہے کہ ایسے سکے کو یا تو قطع کر ڈالے یا توڑ مروڑ کر دینے والے کو واپس کر دے جس پر اس نقصان کی ذمہ داری رہے گی ساتھ ہی یہ بھی محکوم ہے کہ اس طرح بگاڑا ہوا سکہ اگر وزن میں حد مقررہ سے کم نہ پایا جائے تو وہ بگاڑنے والے ہی کو لینا ہوگا اور اپنی غلطی کا خمیازہ خود اسی کو برداشت کرنا پڑے گا۔ کھوٹے کھرے سکوں کے متعلق اس قسم کے قضیات کے سرسری تصفیے کا منر جسٹس آف دی پیس کو اختیار دیا گیا ہے۔

دوسرا طلائی سکہ جو فی الاصل جاری ہوا ہاف ساورن ہے اس کا وزن مستند اور حد فرق ساورن کا ٹھیک نصف ہوا کرتا ہے مگر خوبی کا حد فرق بالکل ساورن کا سا ہے۔ اس کا قلیل ترین وزن جاریہ ۶۱٫۱۲۵ گرین (یا ۳٫۹۶۰۸۳ گرام) ہوتا ہے قانون ٹسکیاک نے دو اور پانچ پونڈ کے طلائی سکوں کی ٹسکیاک کی بھی اجازت دی ہے جن کے اوزان اور حد فرق ساورن کے اضعافی ہونے چاہئیں۔ چارلس دوم سے لیکر جارج سوم کے عہد تک اکثر بادشاہان انگلستان نے دو اور پانچ گنی کے سکے ضرب کرائے ہیں اور ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں بھی دو اور پانچ پونڈ کے سکوں کے نمونے تیار تو ہوئے مگر بڑے ہونے کی وجہ سے چالو نہ ہو سکے اور نہ بوجوہ متذکرہ باب سپنسر دہم ان کا اجراء قرین مصلحت ہے۔

انگریزی نقرئی سکہ پونڈ کی مزید ذیلی تقسیم چاندی اور کانسہ کے ان سکہ جات وضعی سے ہوتی ہے جو ایسے اوزان کے بنائے جاتے ہیں کہ ان کی قانونی مقررہ قدر طلائی سے قدر فلزی کے بڑھ جانے کا کبھی اندیشہ نہیں رہتا۔ ۱۸۱۶ء کے قبل مستند چاندی کے ایک ٹرائے پونڈ سے جس میں فی ہزارہ ۹۲۵ فیصد خالص چاندی اور ۷۵ حصے کھوٹ کے ہوتے تھے ۶۲ شلنگ تیار کئے جاتے تھے تاکہ ہر شلنگ میں مستند دھات کے ۹۲٫۹۰ گرین ہوں۔ اس قاعدے سے سونا بہ نسبت چاندی کے ۱۵٫۲۱ گنا زیادہ ذی قدر قرار پاتا تھا چونکہ بعض اوقات سونے کی نسبت سے چاندی کی قدر کے بڑھ جانے کا امکان تھا اس لئے

لارڈ لورپول نے اپنے "مکتوب موسومہ بادشاہ" میں بڑی دانشمندی سے یہ معروضہ کیا تھا کہ شلنگ کے وزن کو اور گھٹانا چاہیئے چنانچہ قانون نشان (۵۶) عہد جارج سوم کے دفعہ ۶۸ کی رو سے چاندی کے ٹرائے پونڈ میں ۶۶ شلنگ بنانے کا حکم دیا گیا اس طرح گویا تقریباً چھ فیصدی تخفیف شلنگ کے وزن میں ہوگئی حدیت قانون تا ایک ہی ۱۸۱۶ء کے بہت سے شرایط بدستور قائم ہیں اور اب شلنگ میں مستند چاندی کے (۲۷۲ء۸۷) گرین ہوتے ہیں اور دوسرے تمام نقرئی سکوں کا وزن بھی ٹھیک اسی کی مطابقت سے اضعافی یا جز و ضربی ہوا کرتا ہے۔ ٹکسالی حدفرق ¼ گرین سے کچھ ہی بڑھکر ہوتا ہے اور دوسرے نقرئی سکوں کا حدفرق بھی اسی سادہ نسبتوں سے چلن ہوتا ہے اور خوبی کا حدفرق بہر حال چارفی ہزار ہے۔ کل اقسام سکہ جن کی تسکیک کی اجازت ہے نو عدد ہیں یعنی کرون۔ ہاف کرون۔ فلورن۔ شلنگ۔ چھ پنس۔ گروٹ ماچارپنس تین پنس۔ دو پنس اور ایک پنی۔ ان میں سے بجز کرون کے بقیہ تمام سکے مسکوک ہوا کرتے ہیں مگر چارپنس دو پنس اور ایک پنی کے سکے آجکل بہت کم اور صرف بطور "زر" مانڈی" مستعمل ہونے کے لئے ضرب کئے جاتے ہیں جن کو ملکہ معظمہ ہر سال خیرات میں تقسیم کردیا کرتی ہیں اس کے بعد یا تو ان کی گداخت ہوجاتی ہے یا ماہرین سکہ جات کے ذخیرے کی الماریوں کی زینت ہوجاتے ہیں۔

یہ تمام سکے بلالحاظ اوزان اس وقت تک قانوناً رائج رہتے ہیں جب تک کہ بذریعہ اعلان عام واپس نہ کرا لئے جائیں یا اتنے بدشکل اور فرسودہ نہ ہوجائیں کہ دارالضرب کا نقش ہی نہ پہچانا جاسکے۔ گردش یا استعمال میں سکہ کا وزن دراصل رگڑ وغیرہ سے بہت کچھ گھٹ جایا کرتا ہے اور بعض اوقات تو اصلی وزن کا سہ ربع یا دو ثلث ہی باقی رہ جاتا ہے علاوہ ازیں سونے کی نسبت سے چاندی کی قدر میں جو زوال ہوتا ہے اس سے سکے کی نملزی قدر بھی گھٹ جاتی ہے حتیٰ کہ کوئی شخص یہ سکے غیرملکوں کو برآمد نہیں کرتا اور نہ ان کی گداخت کرکے بطور دھات فروخت کرتا ہے اور کوئی ایسا کرے بھی تو اس کو سوائے دس سے تیس فیصدی تک خسارہ کے اور کیا حاصل ہوگا۔

اگر کسی شخص کو اپنے دیون کی ادائی میں ایسے زرِ صنعی کی غیر محدود رقوم کے

لینے پر مجبور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ سراسر بے جا اور ظلم کی بات ہوگی۔ تاجروں کے پاس اکثر ہزاروں پونڈ کے ایسے سکّے جمع ہو جایا کریں گے جن کی رفتہ رفتہ چلن ہی میں شامل کرنے سے قدر حاصل ہوگی اسی لئے ۱۸۱۶ء و ۱۸۷۰ء کے قوانین نے یہ شرط لگا دی ہے کہ ہر ادائی میں نقرئی سکّے صرف چالیس شلنگ کی حد تک زر قانونی متصور ہوں گے۔ یہ حد بظاہر اس لئے مقرر کی گئی تھی کہ ان دنوں سب سے بڑا سکہ جاریہ دو پونڈ ہی تھا اور کسی زیادہ بڑے سکّے کی تسکیک کی توقع نہ تھی۔

کانسہ کی انگریزی تسکیک پونڈ کی آخری ذیلی تقسیم کانسہ کے پنس۔ ہاف پنس اور فارذنگ کی تسکیک سے ہوتی ہے جن کے اوزان بوقت اجرائی علی الترتیب ۱۴۵ء۸۳، ۸۷ء۵ اور ۴۳ء۷۵ گرین ہونے چاہئیں اس کی ترکیب یہ ہے کہ ۹۵ حصے تانبے کے ساتھ چار حصے ٹین اور ایک حصہ جست کی آمیزش کی جاتی ہے اس مرکب سے بالکل ایسا کانسہ تیار ہوتا ہے جو پہلے فرانسیسی دار الضرب میں مستعمل تھا۔ وزن کا حد فرق ایک فیصد کا پانچواں حصہ ہوتا ہے اور بوجہ زر بضمنی ہونے کے کوئی قلیل ترین وزن جاریہ مقرر نہیں کیا گیا۔ لیکن چونکہ بہ نسبت نقرئی سکوں کے ان کے زر قانونی قرار نہ دیئے جانے کے وجوہ اور اسباب زیادہ قوی ہیں اس لئے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ کانسہ کے سکّے بہ حیثیت مجموعی صرف ایک شلنگ کی حد تک زر قانونی متصور ہوں گے۔

اب اگر تانبے کی پنی کو ساورن کے ۱/۲۴۰ ویں حصے کی قدر کا بنایا جائے تو اس کا وزن بلحاظ تانبے کے بازاری نرخ (یعنی فی ٹن ۷۵ پونڈ) کے ۸ء۱ گرین ہوگا گویا زر کسری کے وزن کو تانبے کے مستند سکّے کے وزن کا صرف ¼ کر دیا گیا ہے مسٹر سیڈ کے حساب سے اس کانسہ کی قیمت جس سے پنس بنتا ہے فی پونڈ ڈھلے دس پنس ہوتی ہے اس طرح گویا ان میں قدر فلزی قدر منسوبہ کی صرف ایک ربع رہتی ہے اور تسکیک سے کثیر منافع ہوتا ہے چنانچہ نفع کی مقدار ۱۸۷۰ء تک دو لاکھ ستر ہزار پونڈ تک پہنچ گئی تھی۔ وزن کی تخفیف بہر حال ایک بڑے فائدہ کی چیز ہے مگر کمی جیسی ہونی چاہئے نہیں کی جا رہی ہے۔

انگریزی طلائی سکہ کی وزن کی کمی۔

جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں موجودہ انگریزی قانون زر کا یہ اصول ہے کہ ہر شخص جس کو ساورن دیا جائے اس کو تول سے لے اور قبول کرنے سے قبل اس بات کا اطمینان کرلے کہ اس کا وزن ۱۲۲،۵ گرین سے کم تو نہیں۔ اگلے زمانہ میں گنی کا وزن کرنے کے لئے لوگوں کا جیبوں میں کانٹا اور باٹ ساتھ لئے پھرنا کوئی اچنبے کی بات نہ تھی چنانچہ آپ بھی ایسے کانٹے اور باٹ کبھی کبھی نادر و کمیاب اشیا کی دوکانوں میں رکھے ہوئے نظر آجاتے ہیں مگر ہم کو معلوم ہے کہ اب یہ طریقہ بالکل مفقود ہو گیا ہے اور بڑی بڑی رقمیں لینے والے مثلاً بنک۔ ریلوے کمپنیاں۔ دفاتر جنگی اور ڈاک خانے وغیرہ بھی اب اس قانون کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے البتہ صرف ایک بنک آف انگلینڈ اور اس کی شاخیں اور بعض سرکاری دفاتر میں طلائی سکّے تول لئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ طلائی تسکیک کا ایک کثیر حصہ قلیل ترین وزن جاریہ سے بھی گھٹ گیا ہے اور ہشیار لوگ تو پرانے طلائی ساورن بنک آف انگلینڈ میں داخل کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔ بعض گنوار اور بدقسمت اشخاص اور ایسے بڑے بنک اور کمپنیاں جو اور کسی طریقہ سے اپنے گھٹیا سکوں کو چلا نہیں سکتیں اس کی وجہ سے خسارہ برداشت کرلیتی ہیں گھٹیا طلائی سکوں کی سالانہ مقدار جس کو بنک واپس لے لیتا ہے کئی سال تک نصف ملین پونڈ سے بڑھنے نہیں پائی۔ صرف چند سال سے اس کی مقدار سات سے ساڑھے نو لاکھ پونڈ تک پہنچ سکی ہے مگر چونکہ زر طلائی کی تسکیک کی اوسط مقدار سالانہ چار پانچ ملین ہے اور گداخت یا برآمد ہونے والے سکّے زیادہ تر نئے اور پورے وزن کے ہوتے ہیں اس لئے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ زر دن بدن وزن میں گھٹیا ہوتا جا رہا ہے۔

سنہ ۱۸۶۹ء میں میں نے بڑی چھان بین اور غور خوض کے بعد معلوم کیا کہ ساورن کا ۳۱½ فیصد اور دس شلنگ کے سکوں کا تقریباً نصف حصہ اس زمانے میں قانونی وزن مقررہ سے کم تھا۔ اس کتاب کے پڑھنے والے جنھوں نے قانون گریشم پر توجہ کی ہے یہ محسوس کریں گے کہ نئے طلائی سکوں کی تسکیک کی مقدار خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو گھٹیا سکوں کو چلن سے خارج کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی

کیوں کہ جو لوگ سکوں کی برآمد یا گداخت کرتے ہیں یا ان کو بطور خام دھات کے استعمال کرتے ہیں وہ ضرور نئے سکوں ہی سے یہ کام لیں گے۔

طلائی زر کی یہ ناقص کیفیت بعض صورتوں میں تو بڑی بے انصافی کا موجب ہوتی ہے میں نے ایک غریب ناتجربہ کار شخص کا واقعہ سنا ہے جس نے لندن کے ایک خام دھات کا بیوپار کرنے والے سے کئی سو پونڈ لئے اور بنک آف انگلینڈ میں لیجاکر ان کو جمع کرایا۔ وہاں بہت سے ساورن بالکل گھٹیا نکلے اور بیچارے جمع کرانے والے کو ناحق بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ رقم دھات فروش نے بھاری اور عمدہ سکے چن لینے کے بعد ہلکے اور گھٹیا سکوں کے ذخیرے سے اس شخص کو دیدی تھی۔ اس سے بھی ابتر ایک اور واقعہ کی مجھے حال ہی میں اطلاع ملی ہے۔ ایک شخص نے سنٹ مارٹن لی گرانڈ میں ایک پوسٹ آفس آرڈر پیش کیا اور جس قدر ساورن ملے اُن کو لے جاکر سامرسٹ کے دفتر مشہور میں داخل کیا جہاں وزن کرنے سے بہت سے سکے گھٹیا نکلے یہاں گویا دو سرکاری محکموں کے مابین ایک شخص کو دن دہاڑے لوٹ لیا گیا۔ جولائی ۱۸۷۱ء میں گورنمنٹ نے ہلکے طلائی سکوں کی واپسی کو ترقی دینے کی کچھ کوشش ضرور کی اور بنک آف انگلینڈ کے ذریعے سے تین پونڈ سترہ شلنگ نو پنس، فی اونس کی شرح سے انھیں لینے پر آمادگی ظاہر کی جو بہ نسبت سابق ڈھائی پنس کم تھی اس لئے کہ پرانے ساورن اب باعتبار خوبی مستند معیار سے زیادہ گر گئے تھے اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ کی اس رعایت سے واپس شدہ طلائی سکوں کی مقدار میں کچھ اضافہ تو ہوا مگر وزن کی کمی سے جو نقصان کا بار پبلک پر عائد ہوتا ہے وہ بدستور قایم ہے اور جبتک یہ حالت باقی رہے گی ہلکے طلائی سکوکات کی واپسی اتنی تشفی بخش نہ ہوسکے گی جس سے طلائی ٹکسال کو وزن مستند پر برقرار رکھنے کا موقع مل سکے

ہلکے طلائی سکوں کی واپسی

زر طلائی کے وزن کی روز افزوں کمی کو جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے رفع کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ واپسی کئی ترکیبوں سے ہوسکتی ہے ایک طریقہ تو

یہ ہے کہ ملکہ عام طور سے اعلان کر دے کہ بیس یا پچیس سال کے پرانے طلائی سکے فوراً واپس کر دیے جائیں اور ان کا چلن یکقلم موقوف ہو کیونکہ صرف پرانے سکوں ہی کا وزن کم ہے۔ ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کے ماتحت جتنے افسران مالگذاری" عاملان ٹپہ اور دوسرے عہدہ دار ہیں ان کو تاکید کر دی جائے کہ ہر ساورن کا جو ان کے پاس داخل ہو وزن کر لیا کریں اور بشرط ضرورت ملک کے تمام ساہوکاروں کو بھی بالعموم وزن کرنے پر مجبور کیا جائے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ ان طریقوں پر عمل کرنے سے بڑی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوگا۔ مثلاً اگر ہر شخص کو جو سیونگ بنک میں ایک پونڈ جمع کرانا چاہے تکملہ کے لئے اگرا اور دوفیصہ دینا پڑے تو ڈاک خانہ کے ان بنکوں کی ترقی معرض خطر میں آجائے گی۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں جب ہلکے سونے کی واپسی کا اعلان عام شایع ہوا تو کس قدر ہلچل اور عام بے چینی پھیل گئی۔ دراصل گذشتہ تیس چالیس سال کی گردش زر کا صرفہ اگر صرف آخری قابض زر سے لیا جائے تو بڑی بے انصافی کی بات ہوگی۔ موجودہ قانون نوخسارے کا بار ایسے غریبوں ہی پر ڈالتا ہے جو عموماً دقت واحد میں ایک یا دو ساورن ہی لیتے دیتے ہیں برخلاف اس کے تونگر لوگ جن کے پاس زر کثیر ہوتا ہے ان مقامات پر جہاں وزن ہوا کرتا ہے زر داخل کرنے سے گریز کر سکتے ہیں۔ میری رائے میں تو ایک تشفی بخش اور معقول علاج اس کا صرف یہی ہے کہ جس طرح سرکار نقرئی زر کی اصلاح کا نقصان خود برداشت کرتی ہے اسی طرح سونے کی فرسودگی کا نقصان بھی خود ہی برداشت کرے اور بنک آف انگلینڈ کو مجاز کر دے کہ ان تمام ساورنوں کو جن میں عمداً کوئی تراش خراش اور کاٹ کسر نہیں کی گئی ہے منسوبہ قیمتوں پر ٹکسال کی جانب سے قبول کر لے اور دارالضرب ان کو سرکاری صرفے سے از سر نو مسکوک کیا کرے ایسی صورت میں ہلکا سونا بنکوں میں داخل کرنے سے گریز کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی اور ناجائز کھوٹے سکوں سے چلنی زر بالکل پاک وصاف ہو جائے گا اور آیندہ ٹھیک مستند وزن پر قائم رکھا جا سکے گا۔ اس سے فرداً فرداً لوگوں کے وقت اور محنت کا جو نقصان ہوتا ہے نہ ہوا کرے گا یہ خود کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے

جس کو نظرانداز کر دیا جا سکے بڑی بات تو یہ ہے کہ آجکل آخری قابض زر پر نقصان کا بار عائد کرنے سے ہم جس بے انصافی کے مرتکب ہو رہے ہیں اس سے نجات ملیگی۔

اس تجویز کے خلاف عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ سکوں کی کاٹ کسر اور ان میں کھوٹ ملانے کی مجرمانہ عادت کو اس سے تقویت پہنچیگی۔ میرا جواب ہے کہ نہیں اس کے برخلاف اس موجودہ صورت حال ہی میں ناجائز دست اندازی کا بہت اچھا موقع مل رہا ہے کیونکہ عوام الناس کو ہلکے اور گھٹیا سکوں کے استعمال کی عادت ہوتی جا رہی ہے چنانچہ بہ کل خرید و فروخت میں تو آجکل طلائی سکے کو خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو لینے سے کوئی انکار ہی نہیں کرتا ایک بٹہ باز کو اس سے بڑھ کر اور کس موقع کی خواہش ہو سکتی ہے!

میں نے ایسے ساورن بھی دیکھے ہیں جن میں گھٹوت کی حد چار یا پانچ گرین یعنی آٹھ سے دس پنس تک پہنچ گئی ہے اور باوجود اس کمی کے وہ برابر چل رہے ہیں اگر اس سے بہتر کسی نظام میں زر طلائی بالکلیہ پورے وزن کے نئے سکوں پر مشتمل ہو جن کے نقوش صاف تازہ اور مکمل ہوں تو ان سکوں کی جن میں تھوڑی بھی تراش خراش یا فرسودگی ہوئی ہو فوراً گرفت ہو جائے گی خام دھات فروشوں کی دست اندازی ہونے کے پہلے بنک آف انگلینڈ کی خودبخود تول لینے والی مشینوں سے زر ہمیشہ گذرتا رہے گا اور گھٹیا سکوں کی (اگر کچھ ہوں بھی تو) فوراً گرفت ہوتی رہے گی — برخلاف اس کے موجودہ صورت میں مہتمان بنک کو تمام تسکیک کے جانچنے کا تو کوئی موقع ہی نہیں ملتا۔ پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ صورت حال ہی کرنسی میں دست اندازی کے مواقع بہم پہنچاتی ہے۔ گو اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے کہ بد دیانتی کے ساتھ ایسی حرکتیں کچھ زیادہ ہوا کرتی ہیں مگر یہ یقینی ہے کہ نئی مجوزہ اسکیم میں نہ صرف ایسی حرکات کا سد باب ہو گا بلکہ ان کا امکان ہی باقی نہ رہے گا۔

طلائی سکے کی فراہمی انگلستان کے قانون زر کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہر شخص دارالضرب میں سونا لیجا کر اس کو مفت مسکوک کرا سکتا ہے اور اخراجات تسکیک کا بار خزانہ عامرہ برداشت کرتا ہے اس کی غایت یہ ہے کہ سکے کی قدر

اپنے مساوی مقدار طلاء کی قدر کے بالکل برابر ہو اگر ہے یا مختصراً بالفاظ دیگر طلائی سکہ کی حیثیت گویا مصدقہ طلا ہو جس کو بآسانی بلا مصارف یا نقصان کے پھر طلائے خام میں منتقل کر سکیں۔ یہ مسئلہ گو بالکل صاف اور بعض پہلوؤں سے بالکل صحیح اور درست ہے مگر اس پر عمل پوری طرح نہیں ہوتا کیونکہ ٹکسال اس بات کا تو ذمہ نہیں لیتی کہ جو سونا وہاں تسکیک کے لئے داخل کیا جائے اس کے عوض فوراً سکے دیدیا کرے اس سے اس غیر معین مدت کے سود کا نقصان ہوتا ہے جو تسکیک کے انتظار میں ضایع ہوتی ہے اگر سونے کو بجائے اس کے کہ راست ٹکسال کو بھیجا جائے بنک آف انگلینڈ کو فروخت کرنے کے مروجہ طریقے پر عمل کیا جائے تو بنک چارٹر ایکٹ مصدرہ ۱۸۴۴ء کی رو سے بجائے تین پونڈ سترہ شلنگ ساڑھے دس پنس کی ٹکسالی قیمت کے صرف تین پونڈ سترہ شلنگ نو پنس ہی سکتے ہیں ماسوا اس کے جیسا کہ مسٹر سیڈ نے بتلایا ہے کہ بنک چونکہ خام دھات کا بیوپاری ہے اس لئے وہ چھوٹی چھوٹی رقمیں بطور اخراجات یا وزن اور گداخت کرنے یا دھات کو کسنے کی اجرت یا ترازو کے اُلٹ پھیر اور جانچ کی رپورٹوں کے فرق کی بابت وصول کر لیتا ہے جس کی مجموعی مقدار بشمول صرفہ "حق عجلت" متذکرہ بالا (یعنی ۱½ پنس فی اونس) کل سونے کی مجموعی قدر کا ۰٫۲۸۲۵ ہوتی تھی۔ گو بنک نے اپنے کاروبار کے انتظام میں بعض اصلاحیں کر لی ہیں تاہم اب بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ طلائے خام کو ساورن کی شکل میں منتقل کرنے کے مصارف ½ فیصدی تک ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ ہر شخص کو خواہ وہ کوئی ہو قانون تسکیک کی رو سے یہ اختیار حاصل ہے کہ سونا ٹکسال پر لے جا کر مسکوک کرالے اس میں سوائے سلسلہ آمد کے یعنی پہلے آنے والے کے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی مگر دیکھا جاتا ہے کہ کوئی شخص سوائے بنک آف انگلینڈ کے اس رعایت سے فائدہ ہی نہیں اٹھاتا۔ چنانچہ ۱۸۵۶ء میں جب بنک ایکٹ پر غور ہو رہا تھا مسٹر ٹوکیس نے بیان کیا کہ حالانکہ ایک مرتبہ انھوں نے دس ہزار پونڈ کے سکے ٹکسال کو بھیجے تھے مگر سخت تعجب کی بات ہے کہ پارلیمنٹ کے کاغذات میں اس کے بجائے یہ تذکرہ دیکھا گیا کہ مندرجہ بالا رعایت سے مسٹر ٹوکیس کی جماعت یا اسپونر کمپنی کے سوائے

اور کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا اس طرح گویا قدرتاً بنک آف انگلینڈ کے نظماہی کو ٹکسال سے اس قسم کی معاملت کرنے کا اجارہ مل گیا ہے کیونکہ ان کو ہمیشہ مالیہ کی شاخ اجراء اور اپنے تمام اسامیوں کے مطالبات کی جن میں ممالک متحدہ کے تمام بینکر (ساہوکار) بھی شامل ہیں یا بجائی کے لئے سکہ جات اور نیز طلائے خام کا ایک کافی ذخیرہ رکھنا پڑتا ہے اس لئے جب کبھی اُن کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سکوں کا ذخیرہ کم ہوگیا ہے وہ اپنی طلائے خام کے ایک حصہ کو بلا صرفہ یا سود کے نقصان کے سکوں کی شکل میں منتقل کر سکتے ہیں اور چونکہ پوری قوم کے زر کی نبض پر اُن کا ہاتھ رہتا ہے اور ان کو خام دھات کے جانچنے پر کھنے اور ٹھیک وزن کرنے اور محفوظ رکھنے کے معقول ذرائع اور تدابیر پر دسترس حاصل ہے اس لئے وہ لوگ بھی جن کو سونے کی بڑی بڑی رقمیں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اکثر بنکوں ہی سے تولنے ۔ باندھنے اور محفوظ کر دینے کا کام لیا کرتے ہیں اس کو بنک بھی ایک قلیل اور مقررہ فیس کے عوض بخوشی منظور کر لیتا ہے پس یہ امر بالکل قدرتی اور سہولت کا موجب ہے کہ اس معاملہ میں بنک ہی دارالضرب کے نائب بنے رہیں ۔ بنکوں کو بھی گو اس سے تھوڑی بہت منفعت ہو جاتی ہے مگر اس کا پبلک پر کوئی بار نہیں پڑتا جس کفایت شعاری سے بنک اس کام کو انجام دیتا ہے وہی خود اس کا نعم البدل ہے ۔ ورنہ اگر ہر شخص جس کے پاس کچھ اونس سونا ہو تسکیک کے لئے دارالضرب کو لے دوڑے اور اس خفیف مقدار کی گداخت اور جانچنے اور کسنے کا بار ملک پر ڈالنے کے علاوہ ٹکسال کے حسابات اور معاملات میں پیچیدگیاں پیدا کرے تو ظاہر ہے کہ ملکی زر میں کوئی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی ۔

نقرئی زر کی فراہمی نقرئی زر کی قلت اور عام افراد کے نقرہ کی تسکیک کے مطالبہ کے مفروضہ حق کے متعلق اب تک جو غلط فہمیاں قائم تھیں اُن کے مدنظر یہ صاف تبلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نقرئی سکوں کی فراہمی کا کیا انتظام ہے اور اس پر کیونکر عمل ہوتا ہے ۔ ایسا تو کوئی قانون، حکم، اور رواج نہیں ہے کہ جس سے کسی خانگی شخص، کمپنی، یا مجلس کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہو کہ چاندی دارالضرب میں

پیش کرکے اس کے عوض نقرئی سکوں کا مطالبہ کرسکے ۔ یہ بات بالکلیہ مالیہ اور دارالضرب کے ہاتھ میں ہے کہ وہ بنظر ضروریات عمومی اپنے صوابدید سے سکوں کے اقسام اور مقدار اجراء کا تعین کرے ۔ قانون کی یہ موجودہ حالت بالکل درست ہے اس لئے کہ نقرئی سکہ محض زر وضعی ہے اس کو مقررہ قیمت کے ساتھ نہ تو برآمد کرکے علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور نہ گداخت سے پس اگر عام لوگوں کو یہ آزادی دیدی جائے کہ جس قدر سکہ کی مقدار کا چاہیں مطالبہ کرسکیں تو اندیشہ ہے کہ تجارت کی گرم بازاری کے زمانہ میں ان کی بہتات ہوجائے اور جب دوسرے سال تجارت سست ہو ڈھیروں سکے لوگوں کے پاس بیکار پڑے رہیں۔

عملاً دیکھا جائے تو نقرئی سکوں کی فراہمی میں بھی بنک آف انگلینڈ ہی دارالضرب کی رہنمائی کرتا ہے نہ اس وجہ سے کہ اسکو کوئی خاص اختیار یا مراعات اس بارے میں حاصل ہیں یا یہ کہ اس کے فرائض میں یہ بات داخل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ چونکہ وہ تمام بنکوں ہی کا بنک نہیں بلکہ تمام سررشتہ جات گورنمنٹ کا بھی بنک ہے اس کو یہ اندازہ کرنے کے بہت اچھے مواقع حاصل ہیں کہ مزید سکوں کی ضرورت ہے یا نہیں ۔ضرورت کے وقت نہ صرف لندن کے تمام بنکر نقرئی سکے بنک آف انگلینڈ سے حاصل کرتے ہیں بالکل تمام سلطنت کے بنک بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، جب کسی صوبے میں نقرئی سکوں کی کمی واقع ہوجاتی ہے تو مقامی بنک کے ذخیرے کی کمی سے اس کا پتہ چل جاتا ہے اور وہ اپنے ذخیرے کی پابجائی یا تو بنک آف انگلینڈ کی قریب ترین شاخ سے کرلیتا ہے یا لندن کے نائبوں سے جو بنک آف انگلینڈ ہی سے اس کی رسد لیتے ہیں۔ کبھی تو بعض مقامات پر ساہوکاروں کے پاس نقرئی سکوں کے ڈھیر کے ڈھیر جمع ہونے لگتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی بڑے شہر کے بنکوں کا تاجروں ۔قصابوں ۔ کلالوں ۔ مویشی فروخت کرنے والوں یا دوسرے ایسے بیوپاریوں سے کھاتہ ہو جو نقرئی سکوں کی بڑی بڑی مقداریں بنک میں جمع کراتے ہیں اور کہیں تو دوسرے بنکوں پر کارخانہ داروں کا تقسیم اجرت کے لئے نقرئی سکوں کی بڑی مقداروں کا مطالبہ ہو اور ان کی بڑی قلت محسوس ہونے لگے اس لئے یہ بات عام ہوگئی ہے کہ

مقامی بنک آپس میں حسب ضرورت غیر ضروری سکوں کی خرید و فروخت کر کے اڑے وقت ایک دوسرے کی مدد کر لیتے ہیں۔ اگر اس طریقہ سے بھی نقرئی سکوں کی غیر ضروری مقدار میں کوئی کمی نہ پیدا ہو تو بنک آف انگلینڈ یا اس کی کسی شاخ میں یہ رقم واپس کر دی جا سکتی ہے مگر چونکہ فی الاصل بنک مذکور خواہ مخواہ نقرئی سکوں کی بڑی بڑی رقمیں قبول کرنے یا فراہم کرنے پر مجبور نہیں ہے اس لئے وہ جوکھم اور اپنی محنت کا معاوضہ پانچ شلنگ فی صد پونڈ یا کچھ کم زیادہ وصول کر لیتا ہے اس فیس کے معاوضے میں ریل کے مصارف حمل و نقل خود بنک برداشت کرتا ہے۔ کھوٹے اور گھٹیا سکوں کو جانچ کر چن لیتا ہے اور ان کو دوبارہ تسلیک کرنے کے لئے ٹکسال کو روانہ کر دیتا ہے۔ غرض ہر طرح وہ دار الضرب کی نیابت کیا کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ بنک کے ہاتھوں میں اس قدر کاروبار ہونے کی وجہ سے اس کا وہ صیغہ جو نقرئی سکوں کی اجرائی اور وصولی کا انتظام کیا کرتا ہے ٹھیک طور سے یہ اندازہ کرنے کے قابل ہے کہ نقرئی سکوں کی مزید رسد کی کب ضرورت ہوگی۔ قبل اس کے کہ ذخیرہ بالکل گھٹ جائے ٹکسال کو اطلاع دی جاتی ہے اور عموماً مہتمم دار الضرب کو خام دھات بغرض تسلیک خریدنے کے لئے بنک بطور پیشگی رقم بھی دیدیتا ہے اس انتظام کی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کرنسی میں کمی واقع ہو جائے اور ٹکسال کو اس کا علم نہ ہو۔ دو تین سال قبل تک یکایک طلب کی صورت میں جو دار الضرب کافی رسد مہیا نہیں کر سکتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ گورنمنٹ نے ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لحاظ سے مناسب اور موزوں کلیں مہیا نہیں کی تھیں۔ لیکن اب موجودہ انتظام جیسا کہ ہونا چاہیئے بالکل مکمل معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ دار الضرب کو از سر نو تعمیر کیا جائے اور انتظام ایسا ہو کہ تجارت کے اتار چڑھاؤ سے سبب کبھی یکایک طلب زیادہ ہو جائے رسد بھی ہر وقت اور کافی ہو سکے۔

شاہی دار الضرب انگلستان کے نظام زر فلزی کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم اس خواہش کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دار العوام اور گورنمنٹ کو چاہیئے کہ شاہی دار الضرب کو از سر نو تعمیر کرنے میں کوئی تعویق گوارا نہ کریں۔ دار الضرب کے موجودہ کارخانے اپنے بانیوں کے لئے باعث فخر و ناز تھے

مگر یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ گذشتہ پچاس ساٹھ سال کے عرصے میں کلوں کے بنانے اور کارخانہ جات کو اصول کفایت شعاری پر قائم کرنے اور چلانے میں بہت کچھ ترقی ہوگئی ہے۔ ایک ایسی دھاگہ بنانے والی کمپنی کے متعلق ہم کیا رائے قایم کریں گے جو اس زمانہ میں آرک رایٹ کی بنائی ہوئی کلوں اور چرخوں کا استعمال کرے یا گرنیاں ایسے انجنوں سے چلانا چاہیئے جو بولٹن اور واٹ کے زمانہ کے کارخانہ سوہو کے تیار کردہ ہوں ؟ ہماری قومی تسکیک کا تو اب تک بولٹن اور واٹ ہی کے قایم کئے ہوئے شکنجوں پر دار و مدار ہے حالانکہ کئی بہتر اور سہولت بخش سکہ ساز مشینوں کی غیر ملکوں اور نوآبادیوں کی ٹکسالوں میں اختراع ہوچکی ہے۔

دار المضرب کی موجودہ کارگاہیں سلطنت برطانیہ کا تو کیا ذکر ہے مملکت متحدہ ہی کی دولت اور روزافزوں صنعت وحرفت کی وجہ سے جو طلب ہے اس کی فراہمی کے لئے ہی کافی نہیں۔ چند سال قبل تک تو تجارت کی گرم بازاری کے موقعوں پر جس عجلت سے نقرئی سکوں کی ضرورت ہوتی تھی ٹکسال اون کی اتنی جلد تسکیک نہ کرسکتی تھی علاوہ ازیں جب ایک دھات کے سکے بن رہے ہوں تو دوسرے سکوں کے مطالبہ کی یابجائی کا کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔ کانسہ کے سکے تو بالعموم برمنگھم کے شکنجوں سے تیار کرائے جاتے تھے اور جو سکے ٹکسال میں بنتے بھی تھے وہ نہایت ادنی اور ملکی ساخت کے ہوتے یہاں تک کہ چاندی کے غیر منقوش سکے بھی تو بعض اوقات برمنگھم ہی سے منگوا لئے جاتے ہیں۔ برطانوی ٹکسال تو ایسی ہونی چاہیئے جو اپنی قوم کی اعلیٰ مہارت اور دولت کے شایان شان ہو اس لئے غیر اہم اور خفیف سوانعات کی بنا پر اس ضروری اصلاح میں کوئی تعویق گوارا نہ کرنی چاہیئے۔

ضرورت تو اس بات کی متقاضی ہے کہ ٹکسال کی کارگاہیں از سر نو تعمیر کی جائیں ورنہ بغیر اس کے کوئی اصلاح ممکن نہیں اور جب تعمیر از سر نو کرنا ہی ہے تو ماڈرہل کی وسیع اور قیمتی جائے کو چھوڑ دیتے اور کسی قریب تر مقام پر ٹکسال کے تعمیر کرنے میں بڑی سہولت اور کفایت ہوگی۔ مسٹر ای سیڈ کی رائے اس مضمون پر بڑی وقعت سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔

گیارھواں باب

زر کسری

چھوٹی قیمتوں کے سکوں کے لئے (جن کو انگریزی میں "پنس" اور فرانسیسی میں "مانی ڈاپائنٹ" کہتے ہیں) کسی موزوں ترین دھات کا انتخاب ایک ایسا مسئلہ زر ہے جس کو اب تک مشکل سے تشفی بخش طور پر حل شدہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تو لازمی ہے کہ کسری سکّہ کی قدر نقرئی سکّہ کی قدر کا ٹھیک دسواں حصّہ ہو مگر بدقسمتی سے اس وقت کوئی دھات ایسی نہیں ہے جو بلحاظ قدر چاندی کے ٹھیک ۱/۱۰ ہو۔ البتہ رومن زمانہ میں جبکہ سونا چاندی کی بہ نسبت دہ چند بیش قدر اور چاندی تانبے سے دس گنی قدر میں زیادہ تھی زر کے لئے ایک مکمل نظام اعشاریہ کا قائم کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

اِس مسئلہ کو اور واضح کرنے کے لئے میں نے ایک تختہ مرتب کیا ہے جس میں خاص خاص تجارتی دھاتوں کے اوزانِ متساوی القدر بتلائے گئے ہیں۔ بعض کے توصیح نرخنامے بھی مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اور قیمت بھی چونکہ اکثر و بیشتر ہر ایک کی ساخت اور تیاری پر منحصر ہوا کرتی ہے اس لئے بازاری نرخوں کی تبدیلیوں کی وجہ سے اعداد مندرجہ ذیل میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس تختہ میں سونا اِکائی قرار دیا گیا ہے اور سونا چاندی دونوں مستند خوبی کے فرض کئے گئے ہیں۔

خاص دھاتوں کے اوزان بلحاظ قدر

سونا	۱	ٹین	۹۴۲
پلاٹنم	۳ ½	تانبا	۱۶۹۶
الومنیم	۷	سیسا	۶۳۶۰
چاندی	۱۶	آہن پختہ	۱۵۹۰۰
نکل	۷۱	آہن خام	۵۰۸۸۰

یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جب دھاتوں کی اِس طرح تجارتی ساواتوں کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی ہے تو ایک بالکل اقلیدسی سلسلہ پیدا ہوتا ہے جس کی نسبت عام تین کا عدد ہے۔ چاندی البتہ اس سے مستثنیٰ ہے اور نکل و ٹین کے مابین کسی چیز کی کمی معلوم ہوتی ہے اور چونکہ ٹین بھی قابل سکیک دھات نہیں ہے اس لئے نکل اور تانبے کے درمیان ایک وسیع وقفہ دکھائی دیتا ہے۔ چاندی و تانبے کے درمیان تو اس سے بھی زیادہ وقفہ ہے۔ چاندی آجکل چونکہ تانبے کی بہ نسبت سوچند زیادہ ذی قدر ہے اس لئے تانبے کے پنس میں منسوبہ قیمت کا صرف ایک حصّہ ہی شریک کیاجاتا ہے ورنہ پنس بہت جسیم اور وزن دار بنانے پڑیں گے۔ ۱۷۹۷ء میں جب بولٹن و واٹ کی دار الضرب سے تانبے کے نئے سکوں کی اجرائی ہوئی تو فی پنس ایک اونس اوائرڈوپائی کی شرح سے ٹھیک مستند وزن کے سکے بنا لئے گئے تھے مگر اس میں ایک دوگونہ دقت تھی کیونکہ دراصل سولہ پنس کا وزن اوائرڈوپائی کا ایک پونڈ ہوتا تھا۔ اگر اب بھی یہی شرح رکھی جاتی تو موجودہ کانسہ کی کرنسی سے سہ چند وزن دار سکے لوگوں کو جیب میں لئے پھرنا پڑتا۔ علاوہ ازیں تانبے کی قیمت میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے بولٹن کے پنس کی قدر بطور خام دھات بہ نسبت سکّہ کی قدر کے زیادہ رہی اس لئے باوجود نفیس نقش نگار کے ان پینیوں کا

دھات کی طور پر ہی استعمال ہوتا رہا ۔

پہلا اور سب سے زیادہ بدیہی طریقہ اصلاح کا یہی تھا کہ پنس کا وزن کم کرکے اسکو بالکل زر وضعی بنادیا جائے چنانچہ بولٹن و ورسٹ کے پنیوں کے ۲۳۲۴ گرین کے وزن میں یک ثلث کی کمی کرکے وکٹوریہ کی پرانی پنیاں بنائی جانے لگی کانسہ کی پینی کا وزن تو اور زیادہ ہلکا ہے جو دراصل ۷۰، ۱۴۵ گرین ہونا چاہئے تھا ۔

لیکن زر وضعی کے وزن کو یکایک اور زیادہ مقدار میں گھٹا دینے سے دو دقتیں پیدا ہوسکتی ہیں ۔ ایک تو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ اس خیال سے کہ سکے ناجائز طور پر اس قدر ہلکے کئے گئے ہیں قبول کرنیسے انکار کردیں جیسا کہ ۱۷۹۱ء میں فرانس کی انقلابی حکومت کے بنائے ہوئے تانبے کے نئے پانچ اور دس سنٹم کے سکوں کا (جن کے سابقہ وزن میں نصف کی کمی کردیگئی تھی) حشر ہوا ۔ اور جن کو واپس لیکر گورنمنٹ وزن سابق پر از سر نو مسکوک کرنے پر مجبور ہوگئی تھی ۔ اس قسم کے ہلکے یعنی ایک گرام فی سنٹم کے وزن کے سکے نپولین سوم کے عہد تک جاری نہ ہوسکے ۔ بہتر تو یہ ہے کہ اول لوگوں کو ہلکے وضعی سکوں کے قبول کرنے پر آمادہ اور تیار کیا جائے اور پھر تخفیف بتدریج اور متوسط مقداروں میں عمل میں لائی جائے ۔

دوسری دقت یہ ہے کہ اگر دھات باسانی ڈھلنے اور مسکوک ہونے والے ہو اور منقوشات کو عرصہ تک عمدہ حالت میں برقرار نہ رکھ سکے اور تسکیک میں تھوڑے بہت نفع کی گنجائش بھی ہو تو جعلسازوں کو اس سے بڑی ترغیب و تحریص ہوگی ۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ تانبے کی انگریزی تسکیک میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے مگر خاص پیرس ہی میں فابرگ سنٹ انتونی میں گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے ہی بڑی بڑی مقداروں میں جعلی سو بنائے جاتے ہیں ۔

عمدہ سے عمدہ حالت میں بھی خالص تانبے کا سکہ کچھ یونہی سا بنتا ہے چونکہ اس میں کافی سختی نہیں ہوتی اس لئے شکل بہت جلد مسخ ہوجاتی ہے ۔ ماسوا اس کے نمناک ہوا کے اثر سے اس پر زنگ کی جو تہ جمتی ہے وہ بدنما ۔ غلیظ اور بدبودار ہونے کے علاوہ زہر آلود بھی ہے ۔

اب ہم اُن مختلف ترکیبوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے تانبے کے سکوں کے بجائے کسی زیادہ سہولت بخش کرنسی کے قیام کی کوشش کی گئی ہے۔

بلن[1] کے سکے پنی اور دوپنی کے سکے اگر "زر مانڈی" کی طرح مستند چاندی کے بنائے جائیں تو استعمال کے لئے بہت ہلکے اور چھوٹے ہوں گے کیونکہ ان کا وزن علی الترتیب ۷ ½ اور ساڑھے چودہ گرین سے زیادہ نہ ہوگا۔ تین پنس کے سکے بھی جن کا وزن ۲۱،۸ گرین ہوتا ہے اور جن کی انگلستان میں بڑی کثرت ہے خاطر خواہ بڑے نہیں ہیں۔ انگلستان میں تو ایک عرصہ دراز سے پرانی مستند ترکیب یعنی ۹۲۵ حصہ فی ہزار سے کم خوبی والی چاندی کی تسکیک ہی نہیں ہوی لیکن یورپ کے اکثر ملکوں میں چھوٹے نقرئی سکے چاندی اور تانبے کے ایک بہت ادنیٰ مرکب سے جس کو "بلن" کہتے ہیں بنائے گئے ہیں۔ فرانس میں بھی ایسے سکے جن میں جز وترکیبی کے پانچ حصوں کے ساتھ ایک حصہ چاندی کا ہوا کرتا تھا کسی قدر رائج تھے مگر مدت ہوئی کہ ان کو واپس لے لیا گیا ہے۔ ناروے میں آجکل چھوٹے سکے کچھ تو نیم انکلنگ اور اسکلنگ پر جس کی قیمت تقریباً ہاف پنی کے برابر ہے مشتمل ہیں مگر زیادہ تر دو تین چار اسکلنگ کے سکے ہوا کرتے ہیں۔ ان کو ایسی بلن سے تیار کیا جاتا ہے جس میں ایک حصے چاندی کو تانبے کے تین حصوں کے ساتھ ترکیب دیتے ہیں۔ میں نے اوون کالج کے کیمیاوی دار التجربہ میں ان کا خود تجزیہ کروا کر دیکھا ہے جسامت ان کی بالکل موزوں اور مناسب ہوتی ہے اور چونکہ اکثر نئے جاری کئے ہوئے ہیں اس لئے صاف اور ستھرے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اسٹریا میں بھی اب تک بلن کی تسکیک کی جاتی ہے۔

اُن ریاستوں میں جو اب موجودہ سلطنت جرمنی میں ضم ہوگئی ہیں بلن کے سکے سب سے زیادہ رائج رہے ہیں جن میں زیادہ تر تین چار اور چھ کروتزر کے سکے ہوتے تھے کیونکہ نام نہاد شیڈ نمنز کے سکے اجرا سے واپس کرائے جا چکے ہیں۔ ان نقرئی سکوں کا مرکب ایک جزو چاندی اور تین چار یا زیادہ حصے تانبے کی آمیزش سے تیار کرتے ہیں۔ تسکیک کے وقت شکنجہ سے گذرنے کے قبل اس مرکب پر سے تانبا دھو ڈالا جاتا ہے تاکہ بالائی سطح پر خالص چاندی کی ایک تہ نمایاں

[1] مرکب دھات

رہے ہے۔ اس عمل کو کلرنگ "یعنی "اُجالنا" کہتے ہیں جس کی وجہ سے سکہ نئی حالت میں چمکدار دکھائی دیتا ہے اور چلن میں روانی آتی ہے لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی چاندی کی یہ بالائی تہ غائب ہو جاتی ہے اور سکہ بہت بدنما نظر آنے لگتا ہے۔ بلن کے سکوں میں ایک اور عیب یہ ہے کہ اس میں ایک بہت بڑی قسم کے میل کے جمنے کا خاصہ ہوتا ہے جس کا چند سال قبل کے سیاحان جرمنی کو بخوبی تجربہ ہوا ہوگا جعلسازوں کے لئے بھی اس میں بڑی آسانی ہے اسی سبب سے اور بعض دوسری معقول وجوہ کی بنا پر بلن کو اختیار کرنے کی رائے نہیں دی جا سکتی۔

مشترک سکہ بیان کیا جاتا ہے کہ فرانس کے بادشاہ اعظم سنٹ لوئی نے سپاہیوں کی تنخواہ کے لئے چھوٹے سکوں کی بڑی ضرورت محسوس کر کے نو اور اٹھارہ گرین کے ٹکڑے نقرئی تار سے کاٹ کر تیار کروائے تھے اور ان کو مہور پارچہ چرم میں جڑ واکر ایک اور دو ڈائم کے سکوں کے طور پر جاری کیا تھا۔ اس میں چاندی تو قدر کے لئے رکھی گئی تھی اور چمڑے کا ٹکڑا نقرئی تار کی حفاظت اور دستہ کا کام دیتا تھا۔ حال میں بھی ایسے سکہ جات مشترک جن کے بیچ میں چاندی اور اردگرد تانبے کا حلقہ تھا اسی اُصول پر بنائے گئے تھے۔ ایسے نمونہ کی پیتی شکل میں بھی اچھی معلوم ہوتی ہے اور جسامت بھی موزوں ہے مگر اس کے استعمال پر بہت سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں ایک تو تسکیک ہے مصارف زیادہ ہوں گے دوسرے یہ اتنی مکمل اور مضبوط نہ بن سکیں گی کہ نقرئی ٹکڑا نکل کر اس سے کبھی علیحدہ نہ ہو نامجانس دھاتوں کی یک جائی بھی ایسے برقی کیمیاوی عمل کا موجب ہوگی جس سے تانبا گل جائے گا۔ باسوا اس کے جعلساز اصلی ٹکڑا نکال کر ملتبس ٹکڑا جا دیں تو گرفت بہت مشکل سے ہو سکے گی۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں نپولین اول نے بھی فرانس میں اس قسم کے سکے بنوائے تھے مگر ان کا اجرا نہ ہوا۔ اسی قسم کی پنیاں جن کے بیچ میں تانبا اور اطراف پیتل تھا انگلستان میں بھی چلی ہیں ٹین کے پنس۔ ہاف پنس اور فارونگ بھی جن کے بیچ میں مرکز پر تانبے کی گنڈی جڑی ہوئی تھی عرصہ تک مستعمل ہوتے رہتے ہیں اور اب قدیم سکوں کے ذخائر کی الماریوں میں اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔

کانسہ کا سکہ۔ ماقبل تاریخ کے زمانوں میں بھی لوگ یہ جانتے تھے کہ تانبے میں اگر ٹین کی تھوڑی مقدار شریک کردی جائے تو اس میں خاصی سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ترکیب سے جو کانسہ بنتا تھا اس سے بھی قدیم قومیں واقف تھیں۔ فرانس کی انقلابی حکومت کے قبضہ میں جب کوئی گرجا گھر آجاتے تو وہ ناقوسوں کو پگھلا کر اُن کی دھات سے سکّے بنالیا کرتی تھی جن کا نام اسی مناسبت سے "سوز ڈی کلاک" پڑ گیا تھا۔ یہ خالص مسّی سکوں سے بھی عمدہ ہوتے تھے۔ مرحوم شہنشاہ فرانس نے تو ۱۸۵۲ء میں ان پرانے سکوں کو از سر نو مسکوک کرانے کا انتظام کیا اور یہ جدید تسکیک نہایت کامیابی کے ساتھ عمل میں آئی۔ بڑی حیرت ہے کہ اس سے قبل کسی جدید گورنمنٹ کے خیال میں بھی نہ آیا کہ ذیلی سکوں کے لئے ایک موزوں اور عمدہ قسم کے کانسے کو اختیار کرنا چاہئے۔ علاوہ ان دو سو ملین سکوں کی مقدار کے جو بعد ضرب کرائے گئے ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۷ء کے مابین دو ملین اسٹرلنگ کی قیمت کے آٹھ سو ملین سکے جن کا وزن گیارہ ملین کیلو گرام تھا مسکوک کئے گئے۔ تقریباً ہر لحاظ سے یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ پانچ اور دس سینٹم کے سکّے جو آجکل فرانس میں رائج ہیں جن کے نقش و نگار کسی قدر دبے ہوئے مگر بالکل صاف اور نمایاں ہوتے ہیں ایک عمدہ تسکیک کا نمونہ ہیں۔ لوگوں نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ قبول کیا حالانکہ ان کا وزن فی سنٹم ایک گرام یعنی اُس پرانے سُو کے وزن سے بڑھ کر نہ تھا جس کو انقلاب کے زمانہ میں لوگ مطلقاً قبول نہ کرتے تھے۔ اور بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ سکے زیادہ دیرپا بھی ہوتے ہیں۔

انھیں جس کانسے سے بنایا جاتا ہے وہ ۹۵ حصّے تانبے۔ چار حصّے ٹین اور ایک حصّہ جست سے تیار ہوتا ہے گویہ مرکب تانبے سے بہت زیادہ سخت ہے مگر اتنا لوچدار اور نقش پذیر ہوتا ہے کہ ٹھپہ کا نقش اچھی طرح قبول کر لیتا ہے اور دیر تک قایم بھی رکھتا ہے۔ چونکہ طاقتور شکنجے کے بغیر اس کی تسکیک ہو نہیں سکتی اس لئے تلبیس بھی تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ کھلی ہوا اور سردی میں ڈال رکھنے سے اس پر شکل کوئی اثر ہوتا ہے البتہ صرف ایک "قدرتی کاپر آکسائڈ" کی ہلکی سی سیاہ تہ جمتی ہے جس سے نقش کے گھسے ہوئے حصّے ابھر آتے ہیں اور سکوں کی خوبصورتی

بڑھ جاتی ہے۔

اب تو ممالک متحدہ، انگلستان، اٹلی اور سویڈن میں بھی کانسے کی تسکیک ہو گئی ہے اور بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کانسے تانبے کی جگہ لے لیگا چنانچہ جرمن گورنمنٹ آجکل ایک فننگ کے سکوں کے لئے کانسہ ہی استعمال کر رہی ہے۔

کانسہ کا انگریزی سکہ

سلطنت متحدہ کی قدیم تانبے کی تسکیک کے عوض دس پندرہ سال کے پہلے پنس ہاف پنس اور فارونگ کی تسکیک کا ایک نہایت نفیس اور سہولت بخش سلسلہ ٹھیک اسی کانسے سے بنایا جانے لگا تھا جس سے فرانسیسی سینٹم بنائے جاتے ہیں۔ یہ انگریزی سکے گو فرانسیسی سکوں کی طرح مکمل اور عمدہ نہیں تاہم ستھرے اور زیادہ دیرپا ضرور ہیں۔ ان میں اگر کوئی بات قابل اعتراض رہ گئی ہے تو وہ اسی قدر ہے کہ وہ پرانے مستی سکوں کی بہ نسبت اگرچہ کہ وزن اور جسامت میں کم ہیں لیکن اب بھی کچھ بڑے اور بھاری ہی ہیں۔

چونکہ پرانے مستی سکے اب بالکل واپس لے لئے گئے ہیں۔ اور نئے سکوں میں سے بہت کم تلف یا گم ہوئے ہیں اس لئے انگلستان کے زر کسری کی مقدار کا ہم ٹھیک اندازہ کر سکتے ہیں۔ سنہ ۱۸۶۱ء سے سنہ ۱۸۷۳ء تک جس مقدار کا اجرا ہوا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

قسم سکہ	وزن ٹن میں	تعداد سکہ	قدر منسوبۂ اسٹرلنگ پونڈ میں
پینی	۱۵۹۵	۱۷۰۴۱۹۰۰۰	۷۱۰۰۸۲ پونڈ
ہاف پنیاں	۹۱۸	۱۶۴۵۰۵۰۰۰	۳۴۲۷۱۹ "
فارونگ	۱۴۹	۵۳۵۹۴۰۰۰	۵۵۸۲۶ "
جملہ	۲۶۶۲	۳۸۸،۵۱۸،۰۰۰	۱۰۸،۶۲۷ پونڈ

بشمول اس قلیل مقدار کے جو سنہ ۱۸۶۱ء کے قبل کی اجرا شدہ ہے سنہ ۱۸۷۳ء تک

کانسہ کی کل اجرائی کی مقدار گیارہ لاکھ ترتالیس ہزار چھ سو تینتیس پونڈ ہوتی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ انگلستان میں چھوٹے سکوں کی تعداد جو اب چلن میں ہیں بہ نسبت فرانس کے بہت کم ہے جہاں کم از کم ایک ہزار ملین سکے (جن میں زیادہ تر پانچ اور دس سینٹم کے ہیں) زیر استعمال ہیں۔ اس طرح جہاں انگلستان۔ اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے باشندوں کو فی نفر ½ ۲۸ پنس کافی ہوتے ہیں۔ فرانس میں بالا وسط فی نفر ایک فرانک (۶۰) سینٹم یعنی پندرہ پنس بلجیم میں دو فرانک ۲۶ سینٹم یعنی ½ ۲۱ پنس، اٹلی میں تین فرانک دس سینٹم یعنی ½ ۲۹ پنس موجود ہیں۔

اوزان زر یہ ایک عجیب بات ہے کہ مختلف اقسام زر کے اوزان میں قدر منسوبہ کے بالکل برعکس کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر مملکت متحدہ کے زر کاغذی کا اندازہ چالیس ملین، اور سکہ جات طلائی سو ملین اور سکۂ نقرئی پندرہ ملین اور کانسے کے سکوں کا اندازہ بلحاظ تعداد مندرجہ بالا کیا جائے تو ان کے اوزان حسب ذیل پائے جائیں گے:-

زر کاغذی	۱۶ ٹن
زر طلائی	۷۸۶ ٹن
زر نقرئی	۱۶۷۰ ٹن
زر کانسہ	۲۶۵۲ ٹن
جملہ	۵۱۲۴ ٹن

اس طرح اقل ترین ذی قدر جزو زر وزن میں سب سے بھاری کیوں ہے اس کی کوئی معقول وجہ نہیں بتلائی جاسکتی۔ اکثر اس کا یہ ہوتا ہے کہ چلر فروشوں اور اور بالخصوص شراب بیچنے والوں اور کرایہ پر گاڑی چلانے والوں یا ناشران اخبارات کے ہاں پینیوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ لندن کے لوزہ کشوں کے ہاں متفرق دوکانوں سے کانسہ کے سکوں کا اتنا بڑا ذخیرہ آکر جمع ہوگیا کہ دارالضرب کو بالآخر بجائے مزید تسکیک کرنے کے ان کلالوں ہی سے کانسہ کے سکے خرید لینے کا بندوبست کرنا پڑا۔ بڑے بڑے شہروں میں یہی پنس کے ذخائر کو

بغیر دِقّت اور نقصان کے منتشر کرنے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ یہ ذخیرے ہر ہفتہ ایسی گرنیوں اور کارخانوں کو جہاں اجرت کی تقسیم ہوا کرتی ہے روانہ کر دئے جاتے ہیں۔ مہاجن تو قانونی حد یعنی ایک شلنگ سے زیادہ قیمت کے کانسہ کے سکے قبول ہی نہیں کرتے اور عوام الناس بھی دو تین پنس سے زیادہ کے حلپر نہیں لیتے۔

یہ امر قابل دریافت ہے کہ آیا زر کسری کے اس طور پر ذخیرہ ہو جانے کے میلان کا علاج نکل یا کسی اور مرکب کے (جس کی شاید آیندہ اختراع ہو) زیادہ سُبک اور نفیس سکوں کو اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فرانس میں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ بہ نسبت "بل مثل" (مرکب دھات) اور تانبے کے پرانے سکوں کے جن کا بعض مقامات پر ذخیرہ ہو جایا کرتا تھا کانسے کے سکے زیادہ سہولت سے عام چلن میں رہتے ہیں۔ گو تانبے کی پرانی پینیوں کی بہ نسبت کانسہ کے موجودہ پنس بہت عمدہ ہیں تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عمدگی میں یہ اوج کمال پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کے وزن کو اگر بقدر نصف اور گھٹا دیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ اور بھی زیادہ سہولت بخش ہو جائیں گے۔

مُرکّب دھاتیں

نکّل - مینگنیز - الومنیم وغیرہ

ذیلی سکوں کی ساخت کے لئے نکل کے استعمال کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اگر اس کی طلب و رسد کی حالت زیادہ پائدار اور قابل اعتبار ہوتی تو ہم کو کسی اور بہتر شئے کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اگرچیکہ تانبے اور نکل کا جو مرکب تیار کیا جاتا ہے بہت سخت ہے اور مشکل سے مسکوک ہوتا ہے مگر نقش اس پر بہت اچھا بیٹھتا ہے اور غالباً زیادہ پائدار بھی ہوتا ہے۔ نیز ان میں التباس کا امکان بھی بہت کم ہے علاوہ ازیں اس کے عجیب اور بے مثل رنگ کی وجہ سے بھی زر نقرئی و طلائی سے ان کو ممیز کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ مگر ہم

آجکل علم فلزات کی ترقیوں کی بدولت نت نئی دھاتوں اور مرکبوں سے آشنا ہوتے جارہے ہیں اور یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ بالآخر زر کسیری کے واسطے کوئی نیا مادّہ دریافت ہو جائے گا۔ ڈاکٹر پرسی نونکل کی روز افزوں قیمت کے مدنظر المنیم کے استعمال کی رائے دیتے ہیں کیونکہ اُس کے مرکبات کی بھی تقریباً یہی خاصیت ہے اور پیداوار بھی زیادہ افراط سے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر کلیمنس ونکلر زر کی ساخت کے لئے الومینم کے استعمال کی تجویز پر دیتے ہیں۔ اس کے آزمایشی سکے جن پر ۱/۲ اپیل ۱۸۷۲ء منقوش ہے ضرب ہو چکے ہیں جس کا نمونہ دارالضرب پیرس کی نمائش گاہ میں موجود ہے۔ الومینم کا ایک مخصوص سفید نیلگوں رنگ ہوتا ہے مگر بڑی خوبی اس کی قلیل کثافت اضافی ہے متذکرۂ بالا آزمایشی سکے کا قطر جس کا ایک نمونہ انگریزی ٹکسال کے کیمیائی ماہر مسٹر رابرٹ نے مجھے عنایت کیا ہے دو سنٹی میٹر یا ۰۷۹ء انچ ہے یعنی یہ چھ پنس کے سکّے سے کسی قدر چوڑا اور دبیز ہے لیکن بایں ہمہ وزن ایک گرام یعنی ۱/۲ ۱۵ گرین سے زیادہ نہیں۔ اگر ہمارے پنس اور ہاف پنیاں بھی اسی طرح سبک اور سہولت بخش ہوتیں تو ہم کو ان کی بڑی بڑی مقدار بھی جیب میں لے کر پھرنا بار نہ ہوتا مگر اس نئی دھات کی قیمت اور پیداوار کی بے اطمینانی ہی ایک ایسی دقت ہے جو اس کے عام استعمال میں مزاحم ہے دوسرے یہ بھی اطمینان نہیں کہ وہ کہاں تک دیرپا ہوگی۔ لیکن خالص الومینم اگر بالفرض تسکیک کے لئے غیر موزوں ہی ثابت ہو تو اس کے بعض مرکبات سے کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ دارالضرب کے سابق مہتمم مسٹر گراہم نے ایک سے دس سنٹ کے آزمایشی سکے اس کے مرکب سے بنائے تھے جس کو "کانسہ الومینم" کا نام دیا گیا تھا۔

میری رائے میں فولاد بھی زر کسیری کے لئے ایک بہترین مادہ ہوگا بشرطیکہ اس کو زنگ آلود ہونے سے بچایا جا سکے۔ گو اس کی تسکیک ذرا دقت طلب ہے لیکن مسکوک ہو جانے کے بعد سکے ایسے سخت اور مضبوط ہوں گے کہ ان کا اتلاف تقریباً ناممکن ہوگا اور ارزانی کی وجہ سے تھوڑے صرفہ میں اس کی پیداوار میں بڑی بڑی مقداریں حاصل ہو سکیں گی۔ ماسوا اس کے چونکہ جعلسازوں کو اس سے کوئی فائدہ کی توقع نہیں اس لئے تقلیب کا امکان بھی باقی نہ رہے گا۔ اور اِن

سکوں کی قدر غلزی بھی چنداں قابل لحاظ نہیں رہتی اور جسامت تسلنگ اور چھ پنس کے سکوں کی مماثل ہی غالباً زیادہ سہولت بخش ہوگی ۔ سر جان ہرشل نے اپنی فزیکل جاگرفی میں (جس کو ان سائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے فقرہ ۲۰۳ صفحہ ۲۸۹ سے نقل کر کے شایع کر دیا گیا ہے) لکھتے ہیں کہ فولاد میں اگر تھوڑی نکل کی آمیزش کر دی جائے تو زنگ نہیں لگتا ۔ کم از کم شہابی لوہے میں تو اس آمیزش کا بھی اثر ہوتا ہے ۔ بہتر ہے کہ ایسے مرکب کی ٹھیک طور پر آزمائش اور تجربہ کر لیا جائے ۔ بقول مسٹر رابرٹس چاندی بھی لوہے اور فولاد کے ساتھ اچھی طرح مرکب ہوتی ہے اور ایسے مرکبات کو ٹکسیک کے لئے تجویز بھی کیا گیا ہے ۔ چاندی، تانبے اور جست کے مرکب کی سوئزرلینڈ میں جہاں اس سے پانچ دس بیس سنیٹم کے سکے بنائے جاتے ہیں خوب آزمائش ہو چکی ہے ۔ جسامت تو ان سکوں کی سہولت بخش ہے مگر رنگ ان کا کچھ یوں ہی سا ہلکا سفید زردی مائل ہوتا ہے ۔ میرے علم میں تو کسی اور ملک نے اس مرکب کو اختیار نہیں کیا ہے اور چاندی کا اس میں شریک کرنا کچھ سودمند بھی نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس رنگ کے مرکب کا چاندی کی آمیزش کے بغیر بھی تیار کرنا غالباً کوئی مشکل کی بات نہیں ۔

علم سکہ سازی کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اس کا مطالعہ سرکاری ٹکسالوں کے ملازمین ہی کی حد تک بالالتزام محدود ہو گیا ہے ۔ آئے دن جو ترقیاں صنعت و حرفت کی دوسری شاخوں میں جہاں وسیع اور آزاد مقابلہ کا موقع حاصل ہے ہوتی رہتی ہیں ۔ ورکی ساخت میں ان کی مشکل سے توقع کی جا سکتی ہے یہاں اول تو کسی نئی قسم کے سکے کی آزمائش کا موقع ہی مشکل سے ملتا ہے اور پھر مملکت متحدہ کے جیسی بڑی کرنسیوں میں تو تجربے ہو بھی نہیں سکتے ۔ البتہ انگلستان کی ٹکسال کو جس سے نوآبادیات اور مقبوضات کے سکوں کی فراہمی متعلق ہے ایسی تجویزوں کی آزمائش کا نہایت عمدہ موقع حاصل ہے ۔ اور اس سے نوآبادیات بھی کچھ زیادہ زیر بار نہ ہوں گی کیوں کہ حکومت انگریزی چند سو یا چند ہزار پونڈ کے چھوٹے سکے کسی نوآبادی کے لئے مسکوک کر کے یہ وعدہ کر سکتی ہے کہ اگر چند سال کے استعمال کے بعد وہ ناموزوں ثابت ہوں تو گورنمنٹ اپنے صرفے سے انھیں واپس لے لیگی ۔

بارھواں باب

نزاع معیارات

جب سے کلیفورنیا اور آسٹریلیا کی بڑی دریافت سے طلا کی وجہ سے چاندی اور دوسرے اشیا کے تعلق سے جو سونے کی قدر میں ہل چل مچنے لگی ہے اس مسئلہ پر مسلسل اور پیہم بحث ہوتی رہی ہے کہ بالآخر قدر کا معیار کیا ہونا چاہئے معیار نقرہ کی قدیم تجویز کی حمایت میں رہی اور دوسری پارٹی طلائی اور ڈبل معیار کی طرفداری کرتی رہی انگلستان چونکہ عرصہ دراز سے معیار طلا پر عمل پیرا ہے۔ اس لئے ان مباحث میں ہم نے چنداں دلچسپی نہیں لی مگر فرانس بلجیم جرمنی سوئٹزرلینڈ اٹلی و ہالینڈ کے ماہرین معاشیات نے اس مسئلہ پر وہ خامہ فرسائی کی ہے کہ دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں ۱۸۴۹ء کے بعد سے جو تغیرات یورپ کی کرنسیوں میں واقع ہوئے ہیں وہ اپنے نوعیت میں بہت وسیع ہیں اور بعض قوموں نے تو ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اپنی پالیسی بدلی ہے ہالینڈ نے تو ۱۸۵۰ء میں اس اندیشہ سے کہ سونے کے قدر میں بڑا زوال آنے والا ہے چاندی کو بطور واحد معیار قدر اختیار کر لیا اور بہت خسارہ برداشت کیا اور عجب نہیں جو پھر اس کو خواہ جرمنی کی طرح بطور واحد زر قانونی یا نقرے کے پہلو بہ پہلو محدود تسکیک کے لئے جیسا کہ بلجیم اور دوسرے فرانسیسی حلفائے زر کے ہاں موجود ہے۔ طلائی معیار کو اختیار کرتے ہیں انھیں مصائب اور خسارے کا سامنا کرنا پڑے۔

سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کو بہ نظر فوائد ترجیح دیکر بطور پیمانہ قدر اختیار کرنے کا سلسلہ لاک کے زمانے سے لیکر لارڈ لیور پول کے عہد تک انگلستان کے سیاسی مصنفین میں اکثر زیر بحث رہا ہے۔ لاک اور دوسرے قدیم مصنفین نے تو چاندی کی تائید کی تھی مگر لارڈ لیور پول نے قطعی تصفیہ کر دیا کہ انگریزی پالسی معیار طلا کی جانبدار ہونی چاہیئے چنانچہ اب رائے کا قوی میلان اسی جانب ہے چنانچہ اکثر ملکوں نے چاندی کے بجائے سونے ہی کو اختیار کر لیا ہے اور ہالینڈ کی مثال سے سبق لیکر پھر کسی ملک نے نقرہ کو معیار طلا بنانے کی جرأت نہیں کی حتیٰ کہ آسٹریا نے بھی جو اب تک معیار نقرہ کا علمبردار سمجھا جاتا ہے دس اور بیس فرانک کے طلائی سکے جن پر چار اور آٹھ گلڈن کی عبارت بھی رہتی ہے مسکوک کرکے تبدیلی کی جانب قدم بڑھا لیا ہے۔

(دوگونہ) دوہرا معیار

چاندی کے اکہرے معیار سے چونکہ تمام یورپ عملاً دستبردار ہوچکا ہے اس لئے اب آخری زمانہ میں معرکہ آرائی صرف دوہرے معیار کے ان دو فریقوں کے درمیان ہوتی رہی ہے جن میں سے ایک تو فرانس اور مغربی یورپ کی کانفرنس زر کے شرکا کی پارٹی ہے اور دوسری وہ جو ایک ایسے دوگونہ معیار طلا کی حامی ہے جس کے ساتھ ساتھ نقرہ کی ذیلی تسکیک اور نظام انگریزی کے مماثل چھوٹی قدر کے سکے جاری ہوں ان کے فوائد اولوسکی۔ کورسل سیہوبل۔ سیڈ۔ لیون۔ پرنس اسمتھ اور دوسرے مصنفین نے نہایت قابلیت کے ساتھ تبلائے ہیں اور طلائی معیار کے حامیوں میں شیلویلنز۔ ڈی پیرو ہیرکس۔ فریڈآرین۔ لواسور۔ فیرہزارگ اور جنگلر وغیرہ کے معیار طلا کے چند مشہور اور سربرآوردہ حامی ہیں اس مسئلہ پر بہت مبسوط اور جامع کتابیں لکھی گئی ہیں جو عام پڑھنے والوں کے لئے خشک اور دلچسپی سے خالی ہیں اس لئے یہاں ہم خاص خاص مباحث کا صرف ضروری خلاصہ درج کر دیتے ہیں۔

سب سے اول اولوسکی نے نظام معیار دوگونہ کے عمل کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو بطور نظریہ بالکل صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ انگریزی مصنفین کا یہ اعتراض کہ اس نظام سے ہم کو بجائے ایک کے اب دونوں دھاتوں کے

انتہائی اُتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑے گا میری رائے میں سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔
اس میں شک نہیں کہ جب سونا اور چاندی ہر دو غیر محدود مقداروں کے لئے زر قانونی ہوں تو ادائیوں میں لوگ اس دھات کو ترجیح دیں گے جس کی قدر (۱۵½ اور ۱) کی مقررہ نسبت سے بڑھ گئی ہو مستند چاندی کی قیمت جب کہ ٹھیک پانچ شلنگ ۱۳/۱۴ ۵ پنس فی اونس ہو اسی زمانے میں قرضوں کی ادائی میں سونے یا چاندی کے استعمال کی ترجیح کا سوال فرانس میں ناقابل لحاظ ہوگا اور لندن کے بازار میں پچھلے تیس سال کی مدت میں صرف چند ہی بار یہ قیمت دیکھی گئی ہے اس لئے اس پر زور دیا جاتا ہے کہ ڈبل معیار فی الحقیقت دوگونہ نہیں ہے بلکہ صرف چاندی یا سونے کا متبادل معیار (Alternative Standard) ہے یعنی جب چاندی کی قیمت فی اونس پانچ شلنگ ۱۳/۱۴ ۵ پنس سے کم ہو جاتی ہے تو معیار نقری ہو جاتا ہے اور جب چاندی کی قیمت اس سے بڑھ جاتی ہے تو سونا بطور حقیقی پیمانہ قدر کے اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

اس حد تک تو بیشک انگریزی ماہرین معاشیات کی بحث درست ہے لیکن اول تو یہ لازمی نہیں کہ اشیا کی قیمتیں دونوں دھاتوں کے انتہائی اتار چڑھاؤ کے تابع ہوا کریں جیسا کہ بہت سے مصنفین بے سوچے سمجھے اس پر زور دیتے ہیں کیونکہ قیمتیں صرف اسی ایک دھات کی رفتار کے تابع ہوتی ہیں جو قدر میں مقررہ نسبت قانونی ۱۵½ اور ایک سے گر گئی ہو جیسا کہ نقشۂ ذیل سے واضح ہو سکتا ہے۔
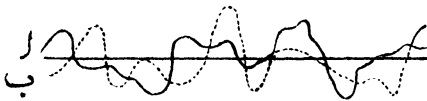
خط الف اگر سونے کی قدر کے اُتار چڑھاؤ کو کسی تیسری شئے مثلاً تانبے کے تعلق سے ظاہر کرے اور اسی کی مطابقت سے خط ب سے مراد چاندی کے اُتار چڑھاؤ کی ہو تو ان دونوں کی بالائی نشست کو لے لینے سے ذیل کا خط ج

دونوں دھاتوں کے انتہائی اتار چڑھاؤ کو ظاہر کرے گا۔
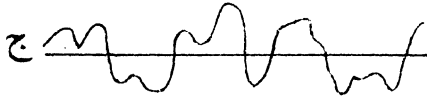
اب یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ قدر کا معیار ہمیشہ اس دھات کے تابع ہوتا ہے جس کی قدر گھٹتی ہے اس لئے ذیل کا خط د ہی اصلی نقش معیار قدر کی اختلاف پذیری کا ہے گو اس خط میں اُتار چڑھاؤ بہ نسبت سونے یا چاندی کے خطوط کے زیادہ پائے جاتے ہیں لیکن یہاں اُتار چڑھاؤ اتنے زیادہ وسیع نہیں ہیں اور یہی بات سب سے زیادہ اہم اور قابل لحاظ ہے۔
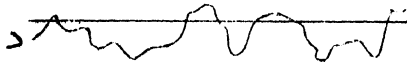
عمل توازن

انگریزی مصنفین کی غلطی اسی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اولوسکی اور کورسیل سینویل اس بات پر زور دینے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ فرانسیسی قانون زر میں معاوضہ کا یا بالفاظ دیگر مساوات و توازن قائم کرنے والا عمل کارگر رہتا ہے اور سونے و چاندی کی قدر کو نسبتاً زیادہ مستقل رکھتا ہے اگر چاندی بہ مقابلہ طلا ایک اور ساڑھے پندرہ کی نسبت سے زیادہ ذی قدر ہو جائے تو ان ممالک میں جہاں دو معیاری نظام ہے سونا برآمد کر دینے کی جانب فوراً میلان پیدا ہو جاتا ہے تاکہ اس کے سکوک اور قانونی مساوات سے نقری سکوں میں منتقل ہو جانے کے بعد پھر اس کی درآمد کر لیجائے یہ صرف نظریہ ہی نہیں بلکہ فرانس میں عملاً ایسا ہوتا بھی رہا ہے چنانچہ زر خاص جو ۱۸۴۹ء میں محض نقرہ پر مشتمل تھا ۱۸۶۰ء میں تقریباً بالکل سونے کا ہو گیا۔ فرانس نے ارزاں شدہ دھات کو تو بڑی مقداروں میں ہضم کر لیا اور گراں دھات اگل دی جس سے یقیناً سونے کی قدر معمولی سے زیادہ گھٹنے اور چاندی کی قدر بڑھنے نہ پائی ہوگی

یہ ظاہر ہے کہ اگر سونا یہ تعلق نقرہ قدر میں بڑھ جائے تو یہ عمل برعکس ہو جاتا ہے یعنی سونا ہضم کر لیا جائے گا اور چاندی اگل دی جائے گی۔ پس یہ بلاشک و شبہ ثابت ہے کہ ہر وقت معیار قدر یا تو سونا ہوتا ہے یا چاندی یعنی دونوں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے مگر دونوں نہیں ہوتے اور چونکہ ایک دھات دوسری کی جگہ لینے کیلئے ہمیشہ موجود رہتی ہے اس لئے کسی دھات میں جو معمولاً اتار چڑھاؤ ہوا کرتا ہے اب وہ ہونے نہیں پاتا۔ گو یہ تعلق دیگر اشیا دونوں دھاتوں کی قدر کی کمی بیشی اس سے رک نہیں سکتی تاہم بجائے اس کے کہ ہر دھات صرف اپنے اثرات سے متاثر ہوتی رہے اس عمل سے طلب و رسد کی کمی بیشی زیادہ وسیع رقبہ پر پھیل کر معتدل ہو جاتی ہے۔

مثال کے لئے پانی کے دو ایسے ذخائر کو لیجئے جن کی طلب و رسد بالکل آزاد ہو اگر ان دونوں کو باہم ملانے والا کوئی نل نہ ہو تو ہر دو ذخائر میں پانی کی سطح اپنی اپنی طلب و رسد کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہے گی لیکن اگر دونوں ذخیروں کو ایک نل کے ذریعے سے ملا دیا جائے تو رسد و طلب کی کمی و بیشی کا اثر دونوں ذخیروں کے پورے رقبے پر منقسم ہو جائے گا اور دونوں میں سطح آب ہمیشہ برابر اور معتدل رہے گی چنانچہ اس وقت مغربی یورپ میں سونا اور چاندی جو چلن میں ہے اس کی مثال ٹھیک ان ذخائر آب کی سی ہے جن کو باہم ملاتے والا نل، جو مثل سال یاز دہم کا وہ قانون ہے جس سے ایک دھات میں دوسری دھات کی جگہ غیر محدود مقداروں میں بطور زر قانونی استعمال کئے جانے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نقرہ کا ٹسکیک سے اخراج

دو معیاری قانون کے اثرات کو نظر انداز کرنے اور ٹسکیک سے نقرہ کو خارج کر دینے کے خطرات سے اولوسکی نے یورپ کو نہایت موثر پیرایہ میں آگاہ کر دیا ہے جرمنی نے معیار طلا اختیار کر کے سونے کی طلب میں بہت اضافہ کر دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ نقرئی سکوں کی بڑی بڑی مقداریں بازار میں ڈھکیل رہی ہے اور عجب نہیں جو آسٹریلیا ڈنمارک۔ سویڈن ناروے بھی اسی کی تقلید کریں اگر دوسرے ممالک بھی یکایک

زر طلائی اختیار کرنے کا تہیہ کرلیں تو ظاہر ہے کہ یہ تعلق نقرہ سونے کی قدر بہت بڑھ جائے گی اور چاندی کی قدر میں بڑا زوال آجائے گا۔ اگر فرانس۔ اٹلی۔ بلجیم اور دوسرے ممالک جو نظری طور پر دو معیاری طریق کے پیرو ہیں اپنے قوانین زر کو آزادی سے عمل کرنے دیں تو کم قدر چاندی بیش قدر سونے کو نکال باہر کردے گی تا آں کہ قدر کی تبدیلیاں پھر اعتدال پہ نہ آجائیں۔ اولوسکی زور دیتا ہے کہ اگر اس عمل توازن کو روک دیں اور تسکیک سے نقرہ کو زیادہ مقداروں میں خارج ہونے دیں تو سونے کی قدر میں جو واحد معیار قدر ہوگا تباہ کن افزونی ہوگی اور تمام قرضہ جات خانگی و حکومتی بہ شکل طلا ہی واجب الادا ہوں گے جس سے بار قرض بہت بڑھ جائے گا

گذشتہ برس دو برس میں اولوسکی کی پیشین گوئیاں صحیح ہوتی نظر آتی ہیں چنانچہ چاندی کی قیمت جو کسی وقت ۶۲ پنس فی اونس تھی پونے اٹھاون پنس تک گر چکی ہے حالانکہ ابھی جرمنی کی تسکیک سے نقرے کا پوری طرح اخراج نہیں ہوا اور سونے کی بڑی بڑی دریافتوں کا اثر بھی اس کی قیمت کو ساٹھ سے لے کر ساڑھے باسٹھ پنس سے زیادہ نہ بڑھا سکا اور یہ بھی اُس وقت جبکہ دو معیاری نظام آزادی سے عمل کر رہا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم بتلائیں گے جب سے اس کو معطل کر دیا گیا ہے محض ایک گورنمنٹ کی تسکیک کے اثرات ہی قیمتوں میں ہل چل پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

پس اولوسکی کا قول جس کی واقعات سے بھی ایک حد تک تصدیق ہو چکی ہے بطور نظریہ بالکل صحیح ہے مگر یہ تسلیم کرنے کے باوجود میں اپنے اُسی رائے پہ قائم ہوں جو میں نے اولوسکی کے استفسار پہ ۱۸۶۸ء میں ظاہر کی تھی اور جس کا ایک جزو لی آرا شٹ بی ارجیانت کے صفحہ ۲۲ پر شایع ہو چکا ہے۔

یہ ایک بالکلیہ درجہ کا سوال ہے اور ٹھیک معلومات کی عدم موجودگی میں بالکل غیر یقینی ہے اگر تمام کرہ ارض کی قومیں یکایک ایک دم نقرہ کو تسکیک سے خارج کر دیں اور زر طلائی کے طلبگار ہوں تو سونے کی قدر میں ایک انقلاب ناگزیر ہوگا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اولوسکی نے اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ اقوام یورپ صرف ایک جزو ہیں تمام دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ تو

وہ لاکھوں کروڑوں کی آبادی ہے جو ہندوستان چین اور دوسرے گرم ممالک مشرقی میں بستے ہیں وہ تو سب نقرہ ہی کا زر استعمال کرتے ہیں اور اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ یکایک اُن کی عادات میں انقلاب ہو جائے گا چنانچہ انگلستان کی گورنمنٹ نے اپنے ہندوستانی مقبوضات میں زر طلائی کو رائج کرنے کی باربار کوشش کی ہے مگر کامیابی نہیں ہوتی وہاں جو کچھ طلائی زر آجکل اجرا میں موجود ہے وہ کل زر فلزی کے دسویں حصہ سے بھی زیادہ نہیں گو جرمنی سے چالیس پچاس ملین اسٹرلنگ کی چاندی کے نکل آنے سے چند سال تک اس کی قیمت گھٹ جائے لیکن رفتہ رفتہ مشرقی ممالک میں اس کی کھپت ہو جائے گی جہاں دو تین ہزار برس سے مسلسل بیش قدر دھاتوں کی فراہمی ہوتی رہی ہے۔ دوسری قوموں نے بھی اگر یکے بعد دیگرے نقرہ کو تسکیک سے خارج کر دیا تب بھی مشرقی ملکوں میں جتنی چاندی دیجئے ہضم ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ یہ عمل بہت جلد جلد نہ ہوا کرے۔

سونا جو چاندی کی جگہ لینے کے لئے درکار ہو گا اس کی قلت کا بھی بظاہر کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا اور طلائی معیار کو اختیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ طلائی سکوں کی تسکیک میں بھی خواہ مخواہ زیادتی ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ناروے، اٹلی، اسکاٹ لینڈ وغیرہ کی طرح بعض ممالک کا زر خاص تمام و کمال زر کاغذی پر مشتمل ہو اور فرانس و جرمنی کی طرح دوسرے ممالک میں چک اور چکوتی کے طریقے جن کا ابھی ہم ذکر کریں گے رفتہ رفتہ رواج پاتے جائیں جن سے ایک بڑی حد تک زر فلزی کے استعمال میں کمی ہو جاتی ہے۔ طلائی معدنوں کی موجودہ پیداوار کی مقدار اب بھی بہت زیادہ ہے اور اس اندیشہ کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آیندہ نیوگنی، جنوبی افریقہ امریکہ اور دیگر اقطاع عالم کی دریافتوں سے اس میں کوئی اضافہ نہ ہو گا۔

الغرض دونوں بیش قدر دھاتوں کی طلب اور رسد کی مقداریں متعدد اسباب و حالات اور تبدیلیوں یا قانونی تصفیوں پر جن کی اس وقت پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی منحصر ہوں گی، جرمنی کی اصلاح زر سے چاندی کی قیمت ضرور گھٹ گئی ہے لیکن کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس میں اور زیادہ زوال ہو گا ہی یہ بات کہ

سونے کی قوت خرید میں کوئی بڑا اضافہ ہو گا ایک بالکل رجائیہ مسئلہ ہے یہ سب بالکل پچو قیاسات ہیں اور اس کے سوا کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔ میری رائے میں تو اب اس میں مزید اضافہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے سنہ ۱۸۵۰ء سے سونے کی قدر گھٹتی ہی جا رہی ہے اور بڑھی ہوئی طلب بھی اس زوال کی رفتار کو سست کرنے یا زیادہ سے زیادہ روک دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی ۔

دوہرے معیار کے نقائص

دوہرے معیار کے طریق کو برقرار رکھنے کی ضرورت تو خیر ایک توقع پذیری کا مسئلہ ہے لیکن اس کی وقتیں مشتبہ اور بالکل یقینی ہیں ۔ البتہ جب تک اس کے عمل کا نتیجہ پرانے نقرئی ایکو کے وزندار سکوں کی جگہ نپولین ہاف نپولین اور پانچ فرنکی عمدہ سکوں کی تسکیک کی شکل میں ظاہر ہوتا رہا کوئی شکایت نہیں تھی ۔ اور فرانسیسی اپنے نظام توازن کے عمل کے مداح رہے لیکن ایک دو سال کے قبل جب یہ معلوم ہوا کہ بھاری نقرئی سکے پھر واپس آتے جا رہے ہیں اور عجب نہیں جو طلائی سکے دوسرے ملکوں کا چلنی زر بن جائیں اس مسئلہ نے ایک بالکل جداگانہ شکل اختیار کر لی الغرض فرانسیسی لوگوں میں طلا کے استعمال کرنے کی عمداً عادت ڈالی گئی ہے اب وہ ہرگز ایسے زر کو استعمال کرنا پسند نہ کریں گے جو ساڑھے پندرہ گنا زیادہ وزندار ہو علاوہ ازیں اس تبدیلی سے پوری قوم خسارہ میں آ جائے گی کیونکہ ان کے قرضے تو ایک گھٹیا دھات کی شکل میں وصول ہوں گے اور منافع کا بڑا حصہ صرافوں مہاجنوں اور خام دھات کے بیوپاریوں کو مل جائے گا جن کے لئے قانون جرمنل سال یاز دہم نے ایک منفعت بخش تجارت زر کا دروازہ کھول رکھا ہے ۔ اُن ممالک کے مدبروں نے جو اب تک دو معیاری طریق پر قائم ہیں یہ محسوس کر لیا ہو گا کہ اس نظام کو اختیار کرنے کی جانب دوسرے قوموں کا بالکل رجحان نہیں ہے ۔ پس اگر صرف فرانسیسی ایک بڑے متوازن پنڈولم (لٹکن) زر کا فرض انجام دیتا رہے تو مشکلات اور مصارف تو صرف اسی کے حصہ میں آئیں گے اور بیش قدر دھاتوں کی قدر کے استقلال سے جو فوائد حاصل ہوں ان میں دوسری قومیں فرانس کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہوں گی ۔ کانفرنس زر کے بانیوں کا منشا اور بین الاقوامی زر کے مؤیدین کی

غرض تو ہرگز اس طور پر اور اس حد تک اپنے مفاد کا قربان کرنا نہیں تھی اس لئے انھوں نے مجبور ہو کر ڈبل معیار ہی سے کنارہ کشی کر لی چنانچہ جب چاندی کے پانچ فرنکی سکوں کو بڑی مقدار میں تسکیک کرنے کا پھر میلان ظاہر ہوا تو فرانسیسی حکومت نے اس کی تسکیک یک لخت موقوف کر دی اس کے بعد سے فرانس بلجیم، اٹلی اور سویزرلینڈ کے مابین سال بہ سال یہ معاہدہ ہوتا رہا کہ ہر ملک کو اپنی آبادی کے لحاظ سے نقرئی ایکو کی ایک مقررہ تعداد مسکوک کرنی چاہئے دو فرانکی اور چاندی کے دیگر چھوٹے وضعی سکوں کے تعلق اگرچہ ان کے مابین پہلے ہی سے ایک سمجھوتہ تھا لیکن ایکو کی تسکیک کو جو نظریۃً مستند سکے اور غیر محدود مقداروں کے لئے زر قانونی تھے یونہی غیر محدود چھوڑ دیا گیا۔ تسکیک کی اس حد بندی کا نتیجہ اور غایت یہ ہے کہ دو معیاری نظام کے عمل کو بالکل بے اثر کر دیا جائے نقرہ کی تسکیک چونکہ محدود مقداروں میں ہوتی ہے اس لئے وہ سونے کو نکال باہر کر کے اس کا جانشیں نہیں ہو سکتا اور پانچ فرنکی سکے جو بلحاظ قیمت ایک فرانکی یا پانچ سکوں سے بڑھ کر ہیں نپولین کے چوتھائی بھی نہیں اور مجھے جہاں تک علم ہے وہ غیر محدود رقموں کے لئے زر قانونی تو ہیں مگر وہ غیر محدود مقدار میں دستیاب نہیں ہوتے۔ اس لئے عملاً ان کی حیثیت زر وضعی سے نہ بڑھ سکی غرض اس طرح بغیر کسی قانونی تبدیلی کے فرانس اور دیگر شرکاء میثاق زر نے دوگونہ معیار سے کنارہ کشی کر کے ایک ایسا معیار اختیار کیا ہے جو انگلستان اور جرمنی کے قانونی زر مشترک سے بمشکل ممیز ہو سکتا ہے۔ فرانس میں ۱۸۰۳ء سے تانبے اور کانسے کا زر صرف چار فرانک ۹۹ سنٹ کی حد تک زر قانونی تھا اور جس وقت سے کہ چاندی کے چھوٹے سکوں کی خوبی کم کر دی گئی ان کا استعمال بھی خانگی داد وستد میں پچاس فرانک اور خزانہ عامرہ کی ادائیوں کے لئے ایک سو فرانک کی حد تک بطور زر قانونی محدود ہو گیا البتہ نقرئی ایکو ہی ایک کڑی ہے جو فرانس کو دوگونہ معیار سے ملائے ہوئے ہے مگر یہ کڑی بھی کمزور اور شکستہ ہوتی جا رہی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس طرح مغربی یورپ کے زر میں جو تبدیلیاں

ہو رہی ہیں وہ تقریباً وہی ہیں جن کے ذریعے سے ممالک متحدہ امریکہ نے
دو معیاری نظام سے پیچھا چھڑایا ہے ۱۸۵۳ء تک ایگل اور اس کے کسراتی سکوں
کے ساتھ ساتھ اس ملک کی ٹکسال کا نقری ڈالر بھی غیر محدود مقدار کے لئے سکہ
مستند اور زر قانونی سمجھا جاتا تھا۔ اور قانونی نسبت سونے چاندی کے اوزان
کی بجائے فرانسیسی ½ ۱۵ : ۱ کی نسبت کے ۱۶ : ۱ تھی ۔ اس طرح چونکہ امریکہ میں ہر
قانونی ادائی کے لئے نسبتہً زیادہ مقدار چاندی کی درکار ہوتی تھی قدرۃً اس غرض کیلئے
سونے ہی کو ترجیح دی جاتی اور چاندی کو برآمد کر دیا جاتا تھا۔ اس صورت حال کی اصلاح
کے لئے واشنگٹن کی گورنمنٹ نے ہاف ڈالر اور دوسرے چھوٹے نقری سکوں کو
زر وضعی قرار دیدیا ڈالر گو مستند وزن ہی کا باقی رہا مگر تسکیک ان کی کم کیا بلکہ تقریباً
مسدود ہی کر دی گئی غیر نقد پذیر زر کاغذی کی کثرت نے زر فلزی کے مسئلہ کو
چند سے حیز التوا میں ڈال رکھا مگر ممالک متحدہ کی مجلس قانون ساز نے یکم اپریل
۱۸۷۳ء کو قانون تسکیک نافذ کر ہی دیا جس کے رو سے صرف طلائی ڈالر تنہا
اکائی قدر قرار پایا اور نئے تجارتی ڈالر ہاف ڈالر اور ذیلی سکّے ہر ادائی میں صرف پانچ ڈالر
کی حد تک زر قانونی سمجھے جانے لگے اس طرح ڈبل معیار جو پہلے کم از کم برائے نام
موجود تھا اب بالکل ترک کر دیا گیا اور ممالک متحدہ بھی ان ملکوں کی فہرست میں
شامل ہو گئے جنھوں نے واحد معیار طلا اختیار کر لیا ہے۔ بڑی بڑی اقوام کے نظام زر
میں جو تبدیلیاں حال ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہیں ان پر ایک نظر ڈالنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ سونے کو پیمانہ قدر اور تنہا ذریعہ تبادلہ کی حیثیت سے اختیار
کرنے کی جانب ایک یقینی میلان پیدا ہوتا جا رہا ہے اور برطانیہ عظمیٰ آیرلینڈ،
نوآبادیات آسٹریلیا نیوزی لینڈ وافریقہ اور سلطنت برطانیہ کے دوسرے
چھوٹے مقبوضات میں اب تو اسی نظام کو اختیار کر لیا گیا ہے اور پرتگال
ترکی اور جنوبی امریکہ کی بعض ریاستوں مثلاً چلی برازیل وغیرہ میں بھی نظام کچھ عرصے تک
قائم تھا ۔ حال ہی میں قانون کے ذریعہ سلطنت جرمنی میں اور نیز ریاستہائے اسکنڈینیویا
یعنی ڈنمارک ناروے اور سویڈن میں جہاں تک ایک زر طلائی اور بیس کرونر کی قیمت
کے خاص زر قانونی کے ضرب کرنے کا تعلق ہے اس کو اختیار کر لیا گیا ہے

جاپان نے بھی اب یورپی اقوام کی تقلید کر لی، اور بیس، دس، پانچ، دو، اور ایک ین کے سکے جاری کرادیے۔ یہ ین امریکن طلائی ڈالر سے قدر میں صرف تین فی مل کم ہے۔ نیا زرکسری جاپان کا پچاس بیس دس اور پانچ سن کے نقروی سکوں پر مشتمل ہوگا اور سن بمنزلہ سینٹم ہوگا جس کی خوبی ۱/۱۰۰ ہوا کریگی۔

فرانس، اٹلی اور بلجیم میں ڈبل معیار بادی النظر اب تک قایم ہے۔ اسپین، یونان اور رومانیہ نے بھی حال ہی میں فرانس کی نقل کر کے اپنے نظام کی اصلاح کر لی ہے جس کو میری رائے میں معیار دوگونہ بھی کہنا چاہیے۔ نئی دنیا میں بھی پیرو ایکویڈلا، اور غرناطہ جدید اسی نظام پر عمل کرتے ہیں۔

کچھ برس پہلے تک براعظم یورپ کے ایک بڑے حصے کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ وہاں واحد معیار نقرہ کا نظام قایم ہے جس کے ساتھ اگر طلائی سکے رائج رہے بھی ہوں تو محض زر تجارتی کی حیثیت سے جن کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی تھی جرمنی کا تمام ملک شمالی اور جنوبی بشمول آسٹریا و روس اور ریاستہاے اسکنڈنیویا اسی جماعت میں شامل تھے مگر ان تبدیلیوں کی وجہ سے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اب صرف آسٹریا اور روس ہی ایسے ملک ہیں جو یورپ میں معیار نقرہ کے نظام کی کھلم کھلا نیابت کر رہے ہیں ۱۸۷۰ء سے آسٹریا نے بھی فرانس کے دس اور بیس فرانکی طلائی سکوں کے مماثل اٹھ اور چار فلورن کے سکے ضرب کرنا شروع کر دیا ہے چنانچہ اس شاہی فرمان میں جو دنیا سے ۱۲ر جولائی ۱۸۷۳ء کو صادر ہوا یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرانسیسی بلجین، اٹالین، اور سوئزرلینڈ والے بیس، دس، اور پانچ فرانکی طلائی سکے مملکت آسٹریا وہنگری میں ممالک غیر کے بیس طلائی فرانک یا آٹھ طلائی فلورن کے عوض بطور زر بین الاقوامی قبول کئے جائیں برین ہم معیار نقرہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر اب بھی عملاً مسلط ہے ہندوستان، چین، کوچن چائنا، جزائر شرق الہند، حصص افریقہ، جزائر غرب الہند و وسط امریکہ اور میکسکو کی وسیع آبادیوں میں یا تو ہندوستان کی طرح روپیہ یا چین کی طرح سیاسی سلاخیں یا دوسرے ممالک میں بطور نقری ڈالر چاندی ہی کا زر رائج ہے۔

غرض معیار طلا نے بڑی ترقی کی ہے اور یقین ہے کہ اور ترقی پائے گا۔ ممالک متحدہ امریکہ بھی جب دھات کی ادائیوں پر عود کریں گے تو ضرور سونا ہی اختیار کیا جائے گا اور کناڈا بھی جس کا زر شکل سے کسی جماعت متذکرہ بالا میں شمار ہو سکتا ہے امریکہ ہی کے نقش قدم پر چلے گا۔ لاطینی قومیں البتہ جنھوں نے ایکمرتبہ اس کو قطعاً ترک کر دیا ہے غالباً پھر اس پر عود نہ کریں گی اور آسٹریا بھی ان کا ساتھ دیگا روس کے زر میں بھی کسی تبدیلی کی مشکل سے توقع کی جا سکتی ہے گو یہ قابل ذکر ہے کہ فن لینڈ میں جو سلطنت روسیہ میں بلحاظ ذکاوت و اعلیٰ تعلیم ایک ممیز خطہ ہے گورنمنٹ نے فرانک کے نظام اور اس کی ذیلی عشری تقسیموں کو قطعاً داخل کر لیا ہے۔ اور چونکہ فن لینڈ کے مارک یا ربع روبل کا وزن اور قدر فرانک لیرا، اور پیسٹیا کے بالکل مساوی ہے اس لئے ایک بڑی حد تک گویا آئندہ آنے والی بین الاقوامی تشکیک کی جانب قدم بڑھایا گیا ہے۔ ہندوستان چین اور بالعموم گرم ممالک کے غریب جاہل اور قدامت پسند اقوام میں اس قسم کی تبدیلیاں دشوار ہیں اس لئے جیسا کہ میں محسوس کرتا ہوں ہم ایک وسیع اور عمیق امتیاز پر پہنچے ہیں اور وہ یہ ہے کہ متمدن اور اعلیٰ ترقی یافتہ مغربی یورپ و شمالی امریکہ اور نیز آسٹریلیشیا کی ترقی پذیر قومیں اور درجہ دوم کی بعض بہتر ریاستیں مثلاً مصر، برازیل، اور جاپان سب طلائی معیار اختیار کر لیں گی برخلاف اس کے نقری معیار غالباً ایک زمانہ دراز تک تمام سلطنت روس اور وسیع براعظم ایشیا کے اکثر ممالک اور افریقہ کے بعض قطعات اور غالباً میکسکو میں قائم رہ جائے گا۔ ان غیر اہم اور مشتبہ قوموں کے نظر انداز کرنے پر بھی تمام دنیا کے مقابلے میں جو بالآخر طلائی معیار اختیار کرلے گی ایشیا اور روس ضرور مدمقابل رہیں گے۔ انجام اگر یہی ہوا تو کوئی تاسف کی بات بھی نہیں۔

تیرھواں باب

تسکیک کی فنی معلومات

اس باب میں ہم زر فلز کی ساخت اور اس کی تنظیم کے متعلق چند عام امور سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ زر کے ابتدائی اصول نہایت سیدھے سادے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ پوری سہولت کے فراہم ہونے سے قبل بیسیوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرنا پڑتا ہے۔ استعمال کے لئے دھاتوں کا انتخاب کرنے اور ان کو شترک کر کے ایک نظام کی ترکیب دینے اور اس کے اجرا کے قواعد وضوابط مرتب کرنے کے مسائل سے ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ اس فصل میں اور آنے والے باب میں ہم غور کریں گے کہ تسکیک کے بہترین مرکب میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، سکوں کے لئے زیادہ سہولت بخش جسامت کون سی ہوگی۔ بڑی بڑی رقموں کے شمار کرنے کا سہل ترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ کرنسی کے قیام کے مصارف، زر بین الاقوامی کے چلن کے فوائد اور نقصانات کیا ہیں، واحد اکائی مستند کے انتخاب میں کیا دشواریاں لاحق ہیں۔ اکائی کے اضعاف اور ذیلی اضعاف کا بہترین سلسلہ کونسا ہو سکتا ہے وغیرہ مگر اس کتاب میں زیادہ سے زیادہ اسی قدر ہو سکتا ہے کہ ان پیچیدہ جزئی مسائل کا ایک خاکہ پیش کر دیا جائے جن پر کرنسی میں کچھ بھی تغیر کرنے کے قبل غور کر لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

کھوٹ یا میل قدیم بزانٹ، جدید اسٹرلن ڈکٹ (جس میں ۹۸۶ حصّہ فی ہزار سونا ہوتا ہے) نیپلز کا چھ ڈکٹی سکہ (جس میں ۹۹۶ حصّہ سونا ہوتا ہے) اور ٹسکنی کا سکوین جو تقریباً بالکل خالص سونے کا یعنی $\frac{999}{1000}$ کی خوبی کا ہے اور اسی قسم کے دوسرے خالص سونے کے سکّے جو زمانہ سابق وحال میں بنائے گئے ہیں مگر سکّے جو دراصل زیر استعمال رہتے ہیں یا تو چاندی اور سونے سے مرکب ہوتے ہیں یا سونے اور تانبے سے یا ان تینوں دھاتوں کو ملاکر سکّے ڈھالے جاتے ہیں سونا اور چاندی نرم دھاتیں ہیں۔ اگر وہ خالص حالت میں معدنوں سے دستیاب ہوں بھی تو اُن کے ساتھ تانبے کی آمیزش کرنا ضروری ہوتا ہے کیوں کہ اس سے سختی پیدا ہوجاتی ہے اور سکّے جلد گھس نہیں سکتے۔ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا، کہ آمیزش میں تانبا کس نسبت سے شریک کیا جائے اور اس کا تصفیہ اور تعین جزاً فنی وجوہ پر اور جزاً تاریخی روایات کے مد نظر کیا گیا۔

انگلستان میں کھوٹ کی ٹھیک مقدار کا تعین مستعملہ اوزان کے نظام پر کیا گیا ہے۔ چاندی کو بارہ اونس کے ٹرائے پونڈ سے وزن کیا کرتے تھے جس میں گیارہ اونس خالص چاندی کے اٹھارہ پنی ویٹ تانبے کے ہوتے۔ یہ تناسب جس کو ۱۳۵۷ء میں بھی انگلستان کا قدیم اور مستند معیار کہا جاتا تھا باوجود عارضی گھٹوتوں کے اب تک بدستور قایم رکھا گیا ہے اور $\frac{925}{1000}$ کے تناسب کے بالکل مطابق ہے۔ سونے کو چونکہ کرٹ کے عجیب قدیم وزن سے تولتے تھے (کرٹ کا وزن ایک پودے کے بیجوں کے وزن سے مرتب کیا گیا تھا)، سونے کی اکائی کا وزن ۲۴ کرٹ تھا جس میں ۲۲ حصّے طلائی خالص کے اور دو حصّے میل کے ہوتے تھے۔ یہ نسبت جو صدیوں سے رائج ہے اعشاریہ اعداد میں $\frac{916.66}{1000}$ سے ظاہر کی جاسکتی ہے۔

مختلف ممالک میں کسی نہ کسی وقت جو معیار خوبی اختیار کیا گیا ہے وہ بالکل جدا جدا رہا ہے۔ چاندی صرف دو سو حصّے یا بعض اوقات ڈیڑھ سو حصّے فی ہزار کی مسکوک ہوئی ہے اور سونا سات سو پچاس یا سات سو حصّہ فی ہزار کا اور ان حدود سے لیکر تقریباً خالص دھات تک کے سکوں کے نمونے

موجود ہیں مگر اس زمانے میں جس مدارج خوبی سے بحث کرنے کی ضرورت ہے
وہ نوسوا ور (۸۳۵) حصّہ فی ہزار کے ہیں جن کو بین الاقوامی زر کے لئے بالعموم
اختیار کرنے کی رائے دی گئی ہے۔ کچھ برس پہلے جرمن گورنمنٹ نے ایک ایسا
مستند جرمن کرون تیار کرنے کا ارادہ کیا تھا جس میں دس گرام طلائے خالص اور
ایک گرام کا میل ہو یعنی درجہ خوبی $\frac{10}{11}$ یا ۰۹ء۹۰۹ ہوتا۔ بظاہر اس تجویز میں
کوئی فائدہ تو نہیں تھا۔ اچھا ہی ہوا جو اس کا خیال چھوڑ دیا گیا اور موجودہ جرمن سکیک
کو ترجیح دی گئی جس کی خوبی سونے اور چاندی ہر دو کے لئے ۹۰۰ حصّہ فی ہزار ہے۔
اعشاریہ کے اسی سادہ تناسب کو فرانسیسیوں نے عہد انقلاب میں اختیار کیا تھا۔
اب ان تمام ملکوں میں جو ۱۸۶۵ء کے میثاق زر کے شریک تھے اور اسپین
یونان اور دوسرے ممالک میں بھی جنھوں نے کم وبیش فرانسیسی نظام کی تقلید کی
ہے اس کی اشاعت ہوگئی ہے۔ ممالک متحدہ تو ایک عرصہ ہوا اس کو اختیار
کر چکے تھے۔ مگر اب ریاست ہائے اسکنڈنیویا میں بھی یہ شروع ہوگیا ہے۔
چونکہ جرمن گورنمنٹ نے بھی اسی پر عمل کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اس لئے خوبی کا یہ
تناسب اعشاریہ سوائے انگلستان اور چند انگریزی نوآبادیات اور روس پرتگال
وترکی وغیرہ کے جو انگریزی زر کی تقلید میں ۶۶ء۹۱۶ کی خوبی پر سکیک کیا کرتے
ہیں تمام ترقی یافتہ ممالک میں قائم ہو چکا ہے۔
کیمیاوی ترکیب اور ساخت کے اعتبار سے خوبی کا ٹھیک درجہ
چنداں اہم نہیں ہے۔ $\frac{11}{12}$ اور $\frac{9}{10}$ میں صرف $\frac{1}{60}$ ہی کا تو فرق ہے اور
گو ہیجٹ کے تجربوں کے متعلق اکثر کہا گیا ہے کہ ان سے ہمارا معیار خوبی
فرانسیسی معیار سے بہتر ثابت ہو چکا ہے لیکن فرق اس قدر خفیف اور مشتبہ
ہے کہ اس سے ترجیح کی کوئی خاص وجہ ظاہر نہیں ہوتی چنانچہ دارالضرب کے
سابق مہتمم مسٹر گراہم نوسو $\frac{9}{10}$ کے معیار کو سونے اور چاندی ہر دو کے لئے منظور
کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم تبدیلی کی ضرورت
محسوس کریں تو سوائے تعصب اور پرانے رواج کی پابندی کے اور کوئی بات
اس کو اختیار کرنے میں مانع نہیں ہو سکتی۔ مگر اس بارے میں اور اس قسم کے

دوسرے معاملات میں مختلف قوموں کا اتحاد عمل ضروری ہے۔ فرانسیسی ماہرین معاشیات تو خوبی کے مسئلے پر بہت زور دیتے ہیں مگر میری رائے میں خوبی کا ٹھیک درجہ ایک ثانوی اہمیت کا سوال ہے۔ اگر ہم ساورن $\frac{9}{10}$ کی خوبی کا بنانے لگیں تو وزن ۱۲۳ء۲۷۴ گرین کی بجائے ۱۲۵ء۵۵۷ گرین کر دینا پڑے گا اور نئے پرانے سکوں کا خلط ملط سکوں کے موجودہ طریقہ شمار بالوزن کو بالکل بیکار کر دے گا۔ اس لئے ہم کو سونے کی خوبی میں یقیناً کوئی تبدیلی اس وقت تک نہ کرنی چاہیئے جب تک کہ ہم زر کی کوئی بڑی اور وسیع اصلاح نہ کریں۔ دوسری طرف مجھے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فوراً $\frac{9}{10}$ خوبی کے نقرئی سکے ضرب کرنے کی دارالضرب کو کیوں اجازت نہ دیدی جائے۔ اس سے سکوں کی دبازت میں ضرور تھوڑا اضافہ ہو جائے گا جو چھوٹے سکوں کے لئے مفید اور ضروری بھی ہے۔

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں فرانس $\frac{835}{1000}$ کی خوبی کو اس غرض سے اختیار کیا تھا کہ وہ فرنکی اور دوسرے چھوٹے سکوں کی ضخامت شکل یا وزن میں تبدیلی کے بغیر ان کے زر وضعی بنا دیا جا سکے۔ اس مرکب میں جو خوش رنگ اور اچھی طرح قابل تسکیک ہے کوئی نقص نہیں پایا جاتا مگر انگریزی حکومت بجائے $\frac{925}{1000}$ کی موجودہ خوبی کے جو نقرہ کی تسکیک کا تناسب ہے غالباً اس کو اختیار نہیں کرے گی اس لئے اس سے زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پچھلے زمانے میں طلائی سکوں کے مرکب میں ایک جزء چاندی کا بھی رہا کرتا تھا جو تھوڑی بہت مقدار میں جہاں جہاں ملکی سونا برآمد ہوتا ہے سونے کے ساتھ ملی ہوئی پائی جاتی ہے۔ کنی اور اسٹریلیا کی ساورنوں کا پیلا رنگ چاندی کے مرکب ہی کی وجہ سے تو ہے مگر سونا صاف کرنے والوں نے جو تھوڑے فائدہ کے ساتھ چاندی کو بآسانی الگ کر سکتے ہیں اب ایسے چاندی ملے ہوئے سونے کے سکے چن چن کر نکال لئے ہیں۔ ملبورن کی نئی ٹکسال کے مسٹر ایف۔ بی ملر نے ایک عجیب ترکیب نکالی ہے جس سے بآسانی ایسی علیحدگی ہو جاتی ہے۔ صرفہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور کام بھی معدن ہی پر ہو جاتا ہے۔ یعنی چاندی ملے ہوئے سونے کو گلا کر کلورائیڈ گیس اس کی ایک رو اس میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ چاندی سونے سے جدا ہو کر کلورائیڈ

ساتھ علیحدہ ہو جاتی ہے جس کے ڈلے بنا لئے جاتے ہیں۔ اس سہل ترکیب سے ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سونے سے دوسرے قسم کا میل بھی چھٹ جاتا ہے اور لوچ پیدا ہو کر اس میں اچھی طرح مسکوک ہونے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرض مہتممان ٹکسال کو طلا کی بھوٹکیاری کی وجہ سے جو دقت محسوس ہوتی تھی اس طرح رفع ہو گئی ہے۔ اس ترکیب کی تفصیلی کیفیت جس پر انگلستان، امریکہ، اسٹریلیا، ناروے اور دوسرے ملکوں میں عمل کیا جاتا ہے۔ انگریزی دارالضرب کے نائب مہتمم کی پہلی سالانہ رپورٹ کے صفحہ ۹۳ یا دوسری رپورٹ کے صفحہ ۳۴ یا ٹینٹ آفس کے خاص نوٹ سے جو ۱۸۳۱ کے متعلق شایع ہوا ہے معلوم ہو سکتی ہے

سکوں کی جسامت سکوں کی جسامت کے ابتدائی اور انتہائی حدود کے متعلق جن کے مابین کسی پسندیدہ محیط کو اختیار کرنا چاہئے۔ چنداں اختلاف یا شبہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ سکہ اتنا چھوٹا نہ ہو کہ بآسانی کھو جائے یا اٹھانے کے لئے ٹٹولنے کی نوبت آئے۔ بادی النظر قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹے اور شہادت کی انگلی کے سروں کے ملانے سے جو حلقہ بنتا ہے وہ سکے سے پوری طرح چھپ جائے۔ اگرچہ مردوں۔ عورتوں اور بچوں میں اس محیط کا دور مختلف ہوتا ہم اگر بڑے سے بڑا حلقہ بھی تصور کر لیا جائے تو کوئی قباحت نہیں اس معیار سے انگریزی تین پنس کے نقری سکے میں مجھے یہ عیب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے۔ سویڈن کا "دس آوری" امریکہ کا طلائی ڈالر، پوپ کے قدیم ایک سکوڈو کے سکے بھی اس اعتبار سے بہت چھوٹے اور تکلیف دہ ہیں۔ زیادہ سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سکے جن کا وجود درگزر کے قابل ہے فرانس کے طلائی پانچ فرانک، انگریزی چار پنس کناڈا کے پانچ سنٹ، یا جرمنی کے نئے بیس فنگ کے نقری سکے کے مماثل ہو سکتے ہیں۔

قطر کی طرح سکوں کی دبازت بھی ایک قابل لحاظ شے ہے۔ ممالک متحدہ کی ٹکسال سے جو سکے جاری ہوتے ہیں اگرچہ اعتدال سے کچھ زیادہ موٹے ہیں اور بعض سکوں کی شکل میں بھدا پن آگیا ہے۔ مگر بس اسی وجہ سے ان کو استعمال کے لئے زیادہ سہولت بخش تصور کرتا ہوں۔ فرانس والے اس کے برخلاف

دوسری انتہا پر چلے گئے ہیں وہاں پانچ فرانک کا طلائی سکہ بہت پتلا ہے اور قطر بھی (۱۵) ملی میٹر سے کم نہیں حالانکہ امریکن ڈالر جو نسبتہً زیادہ ذی قدر ہے قطر میں تیرہ ملی میٹر سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

سکوں کی جسامت کی انتہائی وسعت کا تعین غالباً تسکیک کی مخصوص عملی دقتوں کے مد نظر کیا جاتا ہے سب سے بڑا سکہ جس کا چلن بہت وسیع ہے غالباً میریا تھریسا کا ڈالر ہے جس کا قطر ۱٫۶ انچ یا ۴۱ ملی میٹر سے کم نہیں ہے ڈالر کی دوسری زیادہ مشہور قسمیں نسبتہً چھوٹی جسامت کی ہیں مثلاً ۱۸۵۸ء کا اسپینی ڈالر جو (۳۷) ملی میٹر ہے اور ۱۸۸۱ء کا امریکن ڈالر اور ۱۸۷۰ء کا اسپینی ڈالر یا ۱۸۷۲ء کا میکسکو کا ڈالر جن کے قطر (۲۷) سے لیکر (۳۸) ملی میٹر تک ہیں۔ ڈالروں کے اوسط قطر کا میں نے جو اندازہ کیا ہے وہ (۳۸½) ملی میٹر یعنی تقریباً ڈیڑھ انچ ہوتا ہے۔ امریکہ والے اپنے بڑے طلائی سکوں میں غیر معمولی دبازت رکھتے ہیں چنانچہ "ڈبل ایگل" کا قطر جس کی قدر چار پونڈ سے بھی زیادہ ہے (۳۴) ملی میٹر یعنی ۱⅓ انچ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے آسٹریا کے خوشنما چار ڈکٹ کے سکے کو دیکھئے اس کا قطر ڈبل ایگل سے بھی بڑا ہے حالانکہ اس میں سونا "ڈبل ایگل" کی مقدار کا نصف بھی نہیں ہوتا۔

سکہ کی فرسودگی سکوں میں استعمال سے جو فرسودگی پیدا ہو جاتی ہے اب اس کی طرف بھی کچھ توجہ کرنی چاہئیے۔ جیسا کہ ہم نے دسویں باب میں بیان کیا ہے طلائی سکوں میں اس وجہ سے جو گھٹوت پیدا ہو جاتی ہے وہ نہایت اہم ہے کیونکہ اس سے زر کی قدر میں بھی کمی پیدا ہوتی ہے سکے چونکہ ہمیشہ دست بدست منتقل ہوتے رہتے ہیں اس لئے دھات کی جو مقدار گھس جاتی ہے وہ ایک ہی قسم کے سکوں میں ہر سال کی گردش کے بعد تقریباً برابر ہوگی البتہ نقصان مدت استعمال کی مناسبت سے کم یا زیادہ ہوگا۔ انگریزی قانون کی رو سے ساورن اسی وقت تک زر قانونی رہتا ہے جب تک کہ اس کا وزن ۱۲۲٫۵ گرین یا اس سے بڑھ کر ہو۔ اس وزن میں اور پورے مستند وزن میں جو ۰٫۷۷۴ گرین کا تفاوت ہے وہی جائز گھٹوت کی انتہائی حد ہے۔ میں نے اپنے تجربوں پر

سے (جن کا ذکر اس مضمون میں ہوا ہے جو نومبر ۱۸۶۸ء میں لندن کی انجمن اعداد و شمار میں پڑھا گیا اور جرنل آف دی شائیسٹکل سوسائٹی ڈسمبر ۱۸۶۸ء جلد ۳۱ صفحہ ۴۲۶ پر طبع ہوا ہے) ساورن کی اوسط سالانہ گھٹوت کا اندازہ ۰.۰۴۳ گرین یا ۰۰۲۷۔. گرام کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بالعموم ساورن قانونی حد فرسودگی کو پہنچے بغیر تقریباً اٹھارہ سال سے زیادہ چلن میں نہیں رہ سکتا جو ساورن کی قانونی عمر تصور کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر فار نے بعض اور وجوہ کی بنا پر جن کو میں نے اپنے تخمینے کے وقت نظر انداز کر دیا تھا اس عمر قانونی کا تعین پندرہ سال کیا ہے۔ برخلاف اس کے مسٹر سیڈ کی رائے ہے کہ ساورن کی عمر قانونی بیس سال متصور ہونی چاہئے۔

مختلف ملکوں کے زر کا مقابلہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرسودگی کی رفتار کا انحصار کچھ تو گردش زر کے استقلال اور تیزی پر ہوتا ہے اور کچھ سکوں کی نوعیت اور جسامت پر۔ چنانچہ فیر ہزاگ نے سوئزرلینڈ میں جو تحقیق کی ہے اس کے لحاظ سے بیس فرنگی سکے کی اوسط فرسودگی ہر سال (۲۰۰) ملین ہوتی ہے۔ لیکن دس اور پانچ فرنگی طلائی سکوں کی فرسودگی جو علی الترتیب (۴۴۰) ملین اور (۶۲۰) ملین ہے اس مناسبت سے نہیں ہوتی میں نے بھی انگریزی سکوں کے جو اوزان کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساورن اوسطاً ایک سال کے چلن میں (۳۵۰) ملین گھستا ہے اور ہاف ساورن کا نقصان (۱۱۲۰) ملین سے کم نہیں ہوتا یعنی سالانہ ۱/۸ فی صدی کی کمی ہوتی ہے۔ چونکہ انگریزی سکے وزن میں نپولین اور ہاف نپولین سے بھاری ہیں اس لئے ان میں نسبتہً کم نقصان ہونا چاہئے تھا مگر مسٹر فیر ہزاگ ۱۱/۱۲ کے انگریزی مرکب کی نرمی کو نقصان کی اس زیادتی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ کہ اس وجہ سے بھی گھٹوت میں کچھ اضافہ ہو سکتا ہے لیکن عجب نہیں جو انگلستان میں سکوں کی گردش کی بڑھی ہوئی تیزی بھی اتنے بڑے تفاوت کی ذمہ دار ہو۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سکے کی فرسودگی کی شرح ایک بڑی حد تک اس کی جسامت پر منحصر ہوتی ہے چنانچہ انگریزی کراون، فرانسیسی نقرئی ایکو، اور امریکن ڈبل ایگل کی قسم کے بڑے سکے استعمال میں نسبتہً کم گھستے ہیں اس لئے کہ

سکّے کی سطح میں بہ لحاظ تناسب اتنا اضافہ نہیں ہوتا جتنا کہ اس کے وزن کے اضافے کے لحاظ سے ہونا چاہیئے اسی لئے مختلف نقرئی ڈالروں کا ادنٰی درجہ فرسودگی ہی مشرق میں ان کی مقبولیت کا سبب ہے برخلاف اس کے چھوٹے نقرئی سکوں میں فرسودگی زیادہ ہے چنانچہ ان تجربوں کے لحاظ سے جو ٹکسال میں ۱۸۳۳ء میں کئے گئے ہاف کراون کی سالانہ گھٹوتی فی صدو شلنگ کی چھ پینس اور شلنگ کی فی صد چار شلنگ اور چھ پنی کی سات شلنگ چھ پنس یا اعداد اعشاریہ میں علی الترتیب ۰.۱۲۵، ۰.۲۰۰، ۰.۳۷۵ قرار پاتی ہے بظاہر یہ کچھ زیادہ نہیں لیکن چند برسوں کے بعد ضرور قابل لحاظ ہو جاتی ہے جیسا کہ چھ پنی کے گھٹیا سکوں کی حالت سے ظاہر ہے پرانے نقرئی سکوں کو بھی جب ٹکسال میں گلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وزن میں بالا وسط ۱۶ فیصدی کی کمی ہوئی تھی لیکن مکرر تسکیک کرنے سے جو فائدہ ہوا وہ اس نقصان کی پابجائی کے لئے کافی سے زیادہ تھا اور ۱۷۹۸ء میں جو انگریزی نقرئی سکے چلن میں تھے ان کے وزن کا ٹکسال میں امتحان کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کراون میں گھٹوتی ۳۱ء۳ فی صد اور ہاف کراون، شلنگ اور چھ پنی میں اس کی مقدار علی الترتیب ۹ء۹۰، ۶ء۲۴، ۲۸ء۲۰ و ۳۸ فی صد تک پہنچ گئی تھی۔ جنوبی جرمنی میں بھی جو نقرئی سکوں کی واپسی عمل میں آئی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ ان کے وزن کی کمی بیس فیصد سے کم نہ تھی۔

استعمال سے طلائی سکوں میں جو نقصان پیدا ہوتا ہے اس کو کم کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ بڑے پیمانے کے سکے جاری کئے جائیں جیسے کہ امریکہ میں ایگل اور ڈبل ایگل ہیں ڈبل ایگل کا جو ایک خوشنما تمغے کی وضع کا سکہ ہوتا تھا بہت زیادہ چلن تھا۔ اگلے زمانے میں بھی بڑی قسم کے بہت سے طلائی سکے مثلاً کارلنو، دوبراون، ڈبلون، کواڈرو پل، پسٹول ڈبل راؤنڈر وغیرہ رائج تھے لیکن ایک اہم اعتراض ڈبل ایگل، سوفرنکی، اور پانچ پونڈی سکوں پر یہ وارد ہوتا ہے کہ ان میں جعلسازی کی بڑی گنجائش ہے ان میں چھوٹے سوراخ کرکے پھر ٹھوک کر برابر کر دینا بہت آسان ہے بڑے سکوں میں سوہن، گھرچنی (Cylinder) مخروطا اور متعاملان کیمیائی (Chemical re-agents) کا استعمال نسبتہً زیادہ محفوظ اور سہل بھی ہے۔ چنانچہ بعض صورتوں میں

ڈبل ایگل کو دو چپٹی ٹکلیوں میں کاٹ کر دھات نکال لی گئی اور وزن کی پابجائی کے لئے پلاٹینم شامل کر کے ان کو پھر جوڑ دیا گیا۔ گویہ صحیح ہے کہ اس جعلسازی جو مصارف اور محنت درکار ہوتی ہے وہ کسی دیانتداری کے کام میں نسبتہً زیادہ منفعت بخش ہو سکتی ہے لیکن ممالک متحدہ کی ٹکسال کے نظماء کی رپورٹ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایسی جعلسازی سے ان لوگوں کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہو ہی جاتا ہے۔ اس کے سدباب کے لئے اب یہ تجویز ہوئی ہے کہ ڈبل ایگل کی دبازت کو کم کر کے اس کی شکل کٹوری دار بنائی جائے مگر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اتنے بڑے سکے کا اجرا ہی موقوف کر دیا جائے جیسا کہ انگلستان اور فرانس میں ہو چکا ہے۔ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ساورن نپولین، ہاف ایگل اور ایسی جسامت کے دوسرے طلائی سکے ایسی ناجائز دست اندازی سے محفوظ رہتے ہیں اور ایسے نقرئی سکوں کو بھی اس طرح گھٹیا بنانے کی چنداں کوشش نہیں ہوئی۔

فرسودگی کو حتی الامکان گھٹانا مقصود ہو تو یہ ضروری ہے کہ سکوں کے حرف اور نقوش خواہ بادشاہ کی شبیہ ہو یا دوسری اور کوئی صورت گو صاف اور نمایاں ہوں مگر ان میں ابھار زیادہ نہ ہو۔ اس نکتہ نظر سے اور نیز دیگر پہلوؤں سے انگریزی فلورن پر جو صاف اور چپٹا نقش بنایا گیا ہے پرانے کراون، ہاف کراون اور شلنگ کے گول گول اور ابھرے ہوے نقش ونگار سے بدرجہا بہتر ہے۔

ٹھپوں کی تیاری میں فرانسیسی ٹکسال نے بہت کامیابی حاصل کی ہے اور طلائی نقروی اور کانسے کے تمام سکے جو ان ٹھپوں سے بنائے جاتے ہیں ان پر دبے ہوئے لیکن نہایت نفیس نقش ونگار ہوتے ہیں۔ غالباً سب سے بہتر اور خوشنما سکہ جو میری نظر سے گذرا ہے۔ نیا بیس فرنکی طلائی سکہ ہے یہ ۱۸۷۰ء میں ہنگری کے لئے ضرب کرایا گیا تھا۔ اس کے ٹھپے کی کندیدگی نہایت نفیس اور بے مثل ہے۔ پانچ اسپینی ڈالر اور اور بیس کروتز کے نئے اسکنڈنیو میں طلائی سکے بھی اس اعتبار سے بہت عمدہ تیار ہوئے ہیں۔

سکوں کا شمار کرنے کے طریقے | سکوں کی بڑی بڑی مقداروں کا عدد سے ایک ایک کر کے گننا نہ صرف طول امل اور تضییع اوقات کا باعث ہے

بلکہ صحت شمار کے اعتبار سے غیر معتبر بھی۔ اس کام کو آسان کرنے کے لئے کئی طریقے نکالے گئے ہیں۔ دارالضرب۔ بنک آف انگلینڈ اور دوسرے اداروں میں جہاں بڑی بڑی رقموں کے معاملے ہوتے ہیں "شمار تختیوں" سے کام لیتے ہیں جن کا ہندوستان کے تاجر اور صرافوں میں بھی یقیناً ایک زمانے سے استعمال ہے یہ تختے سادہ اور مسطح کشتیاں ہوتی ہیں جن میں سینکڑوں خانے قطار در قطار اس طرح کے بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہر خانے میں ایک سکہ پوری طرح جمکر بیٹھ سکتا ہے۔ ترکیب شمار یہ ہے کہ ہر قسم کے سکے مٹھوں سے ان تختوں پر پھیلا دئیے جاتے ہیں اور تختوں کو ہلایا جاتا ہے تاکہ تقریباً سب خانے پُر ہوجائیں۔ اگر کچھ خالی رہ جائیں تو ان کو ہاتھ سے پر کر دیا جاتا ہے۔ اب ان خانوں میں جو تعداد آجاتی ہے اُس کے معلوم کرنے میں غلطی کا کوئی شائبہ نہیں رہتا ساتھ ہی ساتھ سکوں کی جانچ بھی ہوتی جاتی ہے اور کھوٹے، اجنبی، اور کم قدر سکے نکال لئے جاتے ہیں اور اس طرح صحیح شمار کر لینے کے بعد ان کو تھیلیوں میں بھر کر رکھ لیا جاتا ہے۔

انگریزی بنکوں میں چکوں کی بھنائی اور رقومات کی داد وستد میں طلائی سکوں کی بڑی بڑی مقداروں کو بڑی عجلت کے ساتھ گننا پڑتا ہے اس کے لئے ترازو کا استعمال ہوتا ہے۔ پانچ، دس، بیس، تیس، پچاس، سو، دوسو، تین سو، ساورن کے اوزان کے باٹ بنا کر رکھ لئے جاتے ہیں ہر رقم کو جو پانچ کی مقسوم الیہ ہو اس طریقے سے فوراً بلا کسی غلطی کے چند ہی لمحوں میں شمار کر لینا دقت طلب نہیں رہتا۔ بشرطیکہ سکے بہت پرانے اور فرسودہ نہ ہوگئے ہوں۔ گھٹیا وزن کی وجہ سے بھی بڑی بڑی رقموں میں ایک آدھ ساورن سے زیادہ کی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ لیکن ہاف ساورنوں کے شمار میں اس طریقے پر کسی طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سکے نہایت ہلکے ہوجاتے ہیں۔ غرض وزن کی یہ بے اعتباری بھی منجملہ ان چند مشکلات کے ہے جو ہماری قدیم طلائی تکنیک کی ناقص حالت سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہاف ساورن ہی نہیں بلکہ اور قسم کے سکے بھی جو آپس میں بالا وسط ہموزن ہوں ترازو کے پلڑوں کی اُلٹ پلٹ کے عمدہ طریقے سے عجلت اور سہولت کے ساتھ شمار کر لئے جاتے ہیں یعنی سکوں کی کوئی تعداد مثلاً پچاس سکّے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیں اور ان ہی کے ہموزن ایک اور مقدار بغیر شمار کے دوسرے پلڑے میں بھر دی جائے۔ پھر ان دو مساوی مقداروں کو ایک پلڑے میں جمع کر لیا جائے اور ان کے مجموعے کی ہم وزن مقدار دوسرے پلڑے میں بھر دی جائے اس الٹ پھیر کے بعد ان کو جمع کر دیا جائے تو دو سو سکّوں کا شمار ہو جاتا ہے۔ ترازو کی گنجایش کے لحاظ سے اس عمل کو بار بار دُہرانے سے بالاخر وزن کا ایک ایسا بڑا پیمانہ حاصل ہو جائے گا جس کے حساب سے بڑی بڑی مقداریں تُلتی چلی جائیں گی۔

جب ترازو اور شمار تختی یا ان دونوں سے ایک بھی ہمدست نہ ہو تو سکوں کی دس پندرہ یا بیس کی قطاریں برابر لگالی جاتی ہیں اگر تعداد میں کوئی کمی بیشی ہو تو ایک سرسری نظر سے یا ان ڈھیریوں کو ایک مسطح تختے پر جما کر ایک سیدھی کاڑی اُن کے بالائی سطح پر رکھ کر دیکھنے سے بلندی کے باہمی تفاوت سے غلطی بآسانی معلوم ہو جاتی ہے۔

زر فلزی کے مصارف

زر فلزی کے استعمال کی وجہ سے عام پبلک پر کسی نہ کسی طرح جو مصارف کا بار عائد ہوتا ہے اس کا حساب دلچسپی سے خالی نہیں۔ پہلے تانبے اور کانسے کے ذیلی سکوں ہی کو لیجئے۔ زر وضعی ہونے کی وجہ سے چونکہ گورنمنٹ ان کو ہلکے وزن پر بناتی ہے اس لئے سرکار کو اس سے تھوڑا بہت فائدہ ہو جاتا ہے۔ ٹکسال میں چاندی پانچ شلنگ فی مستند اونس کی شرح سے خریدی جاتی ہے اور نقرئی سکوں کی اجرائی پبلک میں پانچ شلنگ چھ پنس کے حساب سے ہوتی ہے۔ اس طرح گویا اجرا شدہ سکّوں کی منسوبہ قیمت کا نوفی صد گورنمنٹ خود بطور نفع تسکیک کے لیا کرتی ہے۔ گذشتہ دس برس کے عرصے میں انگریزی دار الضرب سے (۵۴۶۲۸۰) پونڈ چاندی بالا وسط سکوک

ہوئی ہے جس کا منافع تسکیک سالانہ (۴۹۲۰۰) پونڈ ہوا ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف دارالضرب کو چاندی کے فرسودہ اور گھٹیا سکّے بھی تو منسوبہ قیمت پر واپس لینے پڑتے ہیں ان کو از سرِ نو مسکوک کرنے میں جو نقصان عائد ہوتا ہے اس کی اوسط مقدار گذشتہ دس سال میں (۱۶۷۰۰) پونڈ ہوی اس کو اگر منافع سے خارج کر دیا جائے تو (۳۲۵۰۰) پونڈ کی خالص بچت نکلتی ہے بشرطیکہ ٹکسال کے عمال کی تنخواہیں نظر انداز کر دی جائیں۔ آج کل تو چاندی کی قیمت فی اونس چار شلنگ دس پنّس سے بھی زیادہ نہیں ہے اس لئے (Seignorage) سکانہ یعنی (حق تسکیک) گویا بارہ فیصد ہے اور اسی مناسبت سے منافع تسکیک بھی بڑھ گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے یعنی "سکانہ" کی رقم کو ہر سال محفوظ کر دیا جائے اور تیس سال کی مدت کے بعد جب فرسودہ سکوں کو واپس لینے کی ضرورت پڑے تو اس کے نقصان اور مصارف کی پابجائی محفوظ "سکانہ" کے سود سے کر دی جایا کرے۔ جب کہ ایک پونڈ کی رقم ۳½ فی سو کی شرح سود مرکب سے تین سال میں ۲،۶۱ پونڈ ہو جاتی ہے تو سکانہ کا نو فیصد گویا ۲۳،۵ ہو جائے گا اور نقرئی سکوں کی اصلی گھٹوت بالاوسط ۱۶½ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اب اگر سکوں کی وہ قابل لحاظ تعداد جو گداخت، برآمدگی، غرقابی یا گم شدگی سے خارج ہو جاتی ہے یا ذخیرہ کر لی جاتی ہے نظر انداز کر دی جائے تب بھی موجودہ قواعد کی رو سے بہ حیثیت مجموعی نقرہ کی تسکیک منفعت بخش ہی تصور کی جا سکتی ہے۔

کانسے کے سکّے کی اجرائی سے بھی جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے (۲۷۰۰۰) پونڈ نفع ہوا تھا جس میں آیندہ کسی وقت گھٹیا سکوں کی واپسی اور مکرر تسکیک کے ممکنہ مگر غیر یقینی مصارف کو وضع کرنا ہوگا۔

مصارف زر چار خاص مدات پر مشتمل ہیں (۱) اس سرمایہ کے سود کا نقصان جو تسکیک میں لگایا جاتا ہے (۲) طلائی سکوں کے فرسودہ ہو جانے سے جو نقصان عاید ہوتا ہے (۳) ٹکسال کے اخراجات (۴) سکوں کی گم شدگی۔ ان میں سے آخری مد کی رقم تو بالکل غیر معلوم ہے مگر بقیہ ابواب کا اندازہ یہ ہے:-

فرض کرو کہ ملک کی تمام کرنسی تخمیناً (۸۴،۰۰۰،۰۰۰) ساورن اور (۳۲،۰۰۰،۰۰۰) ہاف ساورنوں پر مشتمل ہے جس کی مجموعی قدر (۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰) اسٹرلنگ ہوتی ہے۔ چونکہ ہر ساورن ایک سال میں (۰.۰۴۳) گرین گھس جاتا ہے اس لئے سالانہ کل بیس ہزار پونڈ کا نقصان عائد ہوتا ہے۔ ہاف ساورن (۰.۰۶۹) گرین کی شرح سے گھستا ہے اس لئے اس پر اٹھارہ ہزار پونڈ کا نقصان ہوتا ہے۔ یہ کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن سرمائیہ تسکیک کے سود کا نقصان البتہ بہت زیادہ ہے زر چلنی کی کل مقدار دھات کی تخمینی قدر حسب ذیل ہے۔

طلائی سکے جو گردش میں ہیں .... ۱۰۰ ملین

طلائے خام جو بنک آف انگلینڈ میں موجود ہے .... (۱۵) ملین

نقرئی سکے .... (۱۵) ملین

کانسے کے سکے (۱ ½) ملین

میزان ۱۳۱ ½ ملین

اس رقم کا سود ۳ ½ فیصد کی شرح سے (۴،۲۶۲،۰۰۰) پونڈ سے کم نہیں ہوتا۔ ماسوا اس کے دارالضرب کے عمال وغیرہ پیہ (۴۲،۰۰۰) پونڈ سالانہ کا خرچ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے زر فلزی کے تخمینی اخراجات بابواری یہ ہیں۔

(۱) سود کا نقصان .... (۴۲۶۲۰۰۰) پونڈ

(۲) فرسودگی .... (۴۸۰۰۰) پونڈ

(۳) ٹکسال کا خرچہ .... (۴۲۰۰۰) پونڈ

جملہ .... (۴۳۵۲۰۰۰) پونڈ

اس میں سے وہ منافع وضع شدنی ہے۔ جو نقرہ اور کانسے کی تسکیک میں دارالضرب کو بطور سکانہ کے ملتا ہے مگر یہ نفع بھی اس بالکل غیر معلومہ مقدار کا معاوضہ ہو جاتا ہے جو سکوں کے اتفاقیہ گم ہو جانے سے عوام الناس پر عائد ہوتا ہے۔

چودھواں باب

بین الاقوامی زر

بین الاقوامی نظام زر کی ایک نہایت وسیع اسکیم کی جو تجویز ہوی ہے اور اس کی پیشرفت میں جو مدارج طے گئے ہیں اُن کا تذکرہ بلا شبہ مسئلۂ زر کی ہر حالیہ تصنیف میں نہایت ضروری ہے۔ اگرچیکہ ابھی منزل مقصود کوسوں دور ہے اور جرمنی کے موجودہ طرزعمل سے اس بڑی تمدنی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہو رہی ہے تاہم نظامات زر کے رد و بدل اور مسائل زر کے مباحث میں ہم کو بالآخر ایک عام نظام زر کے شیوع کا خیال ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ دنیا میں گو جنگ وجدل سے مفر نہیں اور لڑائیاں ناگزیر ہیں تاہم قوموں کے باہمی تعلقات کی رفتہ رفتہ اصلاح ہو ہی جائے گی۔ آخر حق تصنیف۔ تحویل مجرمین، ضوابط اشارات بحری۔ عام قواعد ڈاک، اور مصائب جنگ کی تخفیف کے بین الاقوامی معاہدات موجود ہی ہیں۔ مدت ہوئی کہ قوموں نے الگ تھلگ رہنا اور صرف اپنی بھلائی اور ہمسایہ قوموں کی بدخواہی کے خیالات رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ آزاد تجارت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ریل، جہاز، تار برقی۔ ٹپہ۔ اخبارات وغیرہ سے رسل و رسائل میں بھی ترقی ہوتی جارہی ہے۔ کبھی نہ کبھی آخر وہ زمانہ آہی جائے گا جب بنی نوع انسان کی مختلف جماعتوں کے تمام اختلافات کو حتی الامکان معدوم کرنے کی خواہش اور فکر ہونے لگے گی۔

سب سے اول ہم اون فوائد کا ذکر کرتے ہیں جو بین الاقوامی نظام زر سے حاصل ہو سکیں گے اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ اوس کے خرابیوں پر اور نیز مختلف نظام ہائے زر میں جو سہولتیں پیدا کی گئیں یا اس کی ترقی کے جو خاص تجویزیں پیش کی گئی ہیں اون کے محاسن اور معائب پر بھی نظر ڈالیں گے۔

بین الاقوامی زر کے فوائد

کوتاہ نظر لوگ زر بین الاقوامی کی تمام تجاویز پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقصود میں اگر کامیابی ہو بھی جائے تو اس سے صرف ان چند لوگوں کو سہولت ہو جائے گی جو دوسرے ملکوں میں سفر کرتے ہیں حالانکہ معترضین یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تو ان فوائد میں جو زر کی عمومیت سے حاصل ہونے والے ہیں سب سے ادنیٰ ہے پہلے ہی دیکھ لیجئے کہ ایک عام پیمانۂ قدر کے حوالے سے جو اعداد و شمار۔ قیمتیں، اور حساب مرتب ہوا کریں گے اُن کا بآسانی سمجھا جانا ہی کچھ کم خوبی کی بات نہیں ہے۔ آج کل ماہرین اعداد و شمار کو فرانک، پونڈ، ڈالر، تھیلر، میٹر، گز، ایلس ہنڈرویٹ، کیلو گرام وغیرہ جیسے گوناگوں پیمانوں کے حوالے سے عام معلومات کے تختہ جات کی ترتیب میں جو کچھ دقت ہوا کرتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایسی تحقیقات کی دشواریاں پہلے ہی کیا کم ہیں جو اعداد کی بڑی بڑی مقداروں کو ایک عام اکائی میں لانے کی دقت کا اور اضافہ کیا جائے۔ تاجروں اور کاروباری آدمیوں کے لئے بھی قسم قسم کے زر اور پیمانہ جات بڑی پیچیدگی کا باعث ہوتے ہیں اور بعض اقطاع ملک میں تو زر کی ٹھیک قدر ہی تھیں معلوم ہوتی ان ملکوں سے داد و ستد اور تجارت کی وہی لوگ جراءت کر سکتے ہیں جن کو خاص مقامی حالات اور زر و پیمانہ جات سے پوری وقفیت ہے۔ نظامات زر کے اسی اختلاف اور تفاوت سے تبادلات خارجہ کے حسابات بھی چیستان بنے ہوئے ہیں وہی لوگ کچھ فائدے میں رہ جاتے ہیں جن کو اِس قسم کے حسابات میں کچھ مہارت حاصل ہو گئی ہے۔

ایک سہولت یہ ہے کہ اگر ایک ملک کا سکہ دوسرے ملک کے چلن میں راست منتقل کر دیا جا سکے تو مبادلات خارجہ کے حسابوں کی چکوتی

نہایت آسان اور عجلت سے ہو جایا کرے گی۔ دوسرا فائدہ بین الاقوامی زر کا یہ ہو گا کہ بیش قدر دھاتیں زیادہ تر سکوں ہی کی شکل میں رہیں گی ورنہ آجکل تو ایک ملک کے سکوں کو دوسرے ملک میں برآمد کرکے گداخت کروا لیتے ہیں اور پھر کچھ نفع کے ساتھ از سر نو مسکوک کر لیتے ہیں گو انگریزی ساورن۔ امریکن ایگل۔ فرانسیسی نپولین اور میکسکن ڈالر وغیرہ کے جیسے سکوں کی فروخت صرف بنکوں ہی کے ذریعے سے ہوا کرتی ہے لیکن اگر سکوں کا نظام اکہرا رہے تو سونے چاندی کا تمام ذخیرہ مسکوک شکل ہی میں رہے گا اور ہر وقت چلن میں شامل کر دیا جا سکے گا۔ مصارف تسکیک کی تخفیف بھی بہت نہ سہی تھوڑی بچت کا ضرور موجب ہوگی لیکن اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ موجودہ صورت حالات میں خام دھات کے بیوپاریوں اور اُن لوگوں کے لئے جو خام دھات کی حمل و نقل کی دشواریوں کے طفیل نفع کما لیا کرتے ہیں بہت کم موقع باقی رہے گا سیاحوں کو جو پریشانی اور نقصان سے نجات ملے گی وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کیونکہ بین الاقوامی ذرائع رسل و رسائل کی ترقی کے ساتھ ساتھ سیاحوں کی تعداد بھی بڑھتی جائے گی اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ممکن الوقوع دقتوں کو دور کر دیا جائے۔

بین الاقوامی زر کے اختیار کرنے کا ایک اور فائدہ جس پر بہت کم توجہ کی گئی وہ اصلاح ہے جو چھوٹی اور نیم متمدن ریاستوں میں خود بخود عمل میں آجائیگی بہت سے ملک دنیا میں اب بھی ایسے ہیں جہاں مختلف اور غیر مقررہ قدر کے سکوں کا خلط ملط ہے اور جب تک کہ بڑی بڑی قومیں مختلف نظامات پر تسکیک زر کرتی رہے گی اُن کے مختلف النوع سکے دوسری جگہ کے زر چلنی میں شامل ہو کر پیچیدگی بڑھاتے رہیں گے میکسکو کا ڈالر ایک مدت تک عملاً بین الاقوامی زر کی طرح رائج اور بڑی سہولت کا موجب رہا۔ اب بھی جہاں کہیں یہ ڈالر قدر کی اکائی سمجھا جاتا ہے تاجروں کو معاہدات میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ پس اگر تمام سربراوردہ قومیں متحد ہو کر ایک عام سلسلۂ اوزان وجسامت اختیار کر کے تسکیک شروع کریں تو اُن ملکوں میں بھی جہاں کوئی قومی تسکیک نہیں ہے یہی سکے مروج ہو جائیں گے اور اصلاح کا اثر

دنیا کے دور دراز حصوں تک پہنچ جائے گا۔

بین الاقوامی زر کے نقائص

اس میں شک نہیں کہ بین الاقوامی زر کی ترویج سے چند خرابیاں بھی پیدا ہوں گی مثلاً یہ امکان ہے کہ کوئی گورنمنٹ مقررہ معیار سے ادنیٰ خوبی کے سکوں کی تسکیک کرے اور جب ایک مرتبہ ایسا زر عام ذخیرہ میں شامل ہو جائے تو قانون گریشیم کے لحاظ سے اس کا اخراج دشوار ہو گا چنانچہ اس بارے میں فرانس کی ٹکسال ضرور قابل الزام ہے اس کے طلائی سکے کو اگر اچھی طرح کس کر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ خوبی بجائے (۹۰۰) کے ۸۹۸ یا ۸۹۹ حصہ فی ہزار سے زیادہ نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دو حصے ٹکسالی کھوٹ کے بھی ہوا کرتے ہیں اس لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سکے قانونی حد سے باہر ہیں۔ تاہم ٹکسال کے افسروں نے کھوٹ کی رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے ٹکسال سے جو سکے نکلتے ہیں ان کی خوبی بالاوسط ٹھیک اور مستند ہونی چاہئے میل کے نام سے جو تفاوت قابل معافی سمجھا جاتا ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ بعض سکوں کی ساخت میں اتفاقی غلطی سے جو نقص رہ جاتا ہے اس کی پابجائی ہو نہ کہ عمداً بالاوسط مستند معیار سے اتنا تفاوت پیدا کیا جائے۔

لیکن یہ مشکل فرض کیا جا سکتا ہے کہ جو حکومتیں بین الاقوامی ذمہ داریوں کے تحت زر کا اجرا کرنے پر آمادہ ہوں وہ یوں ایک یا دو حصہ فی ہزار کا فائدہ حاصل کرنا چاہیں گی۔ پوری ٹکسالی اور ٹھیک مساوات پیدا کرنے کے لئے مناسب ہے کہ مختلف ٹکسالوں کے عہدہ دار اور پرکھنے والے آپس میں ملکر ایک عام مستند طریقہ اور ایک ہی قسم کی آزمائشی فہرست منتخب کر کے مقرر کر لیں۔ معاملات تسکیک میں ایک قوم کو دوسری قوم کی دیانتداری میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور تجربہ بھی اس کا مؤید ہے چنانچہ اسپین اور میکسکو کو اگرچہ مالی مسائل میں دیانتداری کا مکمل نمونہ نہیں خیال کیا جاتا تاہم ان کی ٹکسالوں نے اپنے نقرئی ڈالر کی تسکیک میں وزن اور خوبی کو اس دیانتداری کے ساتھ قائم رکھا ہے کہ یہ سکے دنیا کے اکثر حصوں میں گذشتہ

سو سال تک عدد ہی کے حساب سے بلا چوں وچرا قبول کئے جاتے تھے حتیٰ کہ انگلستان میں بھی ان کا چلن عام تھا۔

بین الاقوامی زر کے شیوع کا امکان اس امر واقعی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی قیمتوں کے سکّے بغیر کسی بین الاقوامی معاہدے کے غیر ممالک میں بطور زر قانونی تسلیم کر لئے جاتے ہیں چنانچہ انگریزی ساورن نہ صرف برطانوی نوآبادیات و مقبوضات بلکہ پرتگال۔ مصر۔ برازیل اور غالباً بعض اور ملکوں میں بھی مقبول ہے۔ اسی طرح نپولین کا بھی اکثر ممالک یورپ میں آزادی سے چلن رہا۔ ہالینڈ کے ڈکٹ کی توقیر بھی عام تھی اور ڈالر کی بعض قسموں کے عام اور وسیع چلن کا تو ہم بار بار ذکر کر ہی چکے ہیں۔

نظامات زر کا تصادم

بین الاقوامی زر کے قیام میں سب سے بڑی دقت اس امر واقعی سے پیدا ہوتی ہے کہ فرانس انگلستان اور امریکہ و جرمنی کی طرح بعض دوسری بڑی بڑی قومیں اپنا اپنا جداگانہ نظام زر رکھتی ہیں جن کو معقول یا غیر معقول وجوہ کی بنا پر وہ ترک کر دینے پر امادہ نہیں۔ مگر ان میں کسی ایک میں بھی کوئی ایسی بڑی خوبی نہیں جس کی بنا پر وہ ایک بہترین نظام تصور کیا جا سکے۔ مگر ان نظامات میں قوت کا ایک توازن قایم ہے جس کی وجہ سے یکسانیت کے حصول میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔

اول الذکر تینوں قومیں اپنے اپنے نظامات کی تائید میں بہت کچھ کہہ سکتی ہیں۔ مثلاً فرانسیسی نظام جس کی بنیاد فرانک پر قائم ہے نظام اعشاریہ کی ایک ممتاز تسکیک ہے۔ علاوہ اس واقعہ کے کہ اسٹریا میں زر طلائی کی حد تک زر بین الاقوامی کے ساتھ ساتھ اور اسپین، یونان، اور بعض دوسری چھوٹی ریاستوں میں زر نقرئی کی حد تک بلا تعلق زر بین الاقوامی اس کو اختیار کر لیا گیا ہے اور یہ اعزاز بھی اس کو حاصل ہے کہ وہ بلجیم، سوئیزرلینڈ اور اٹلی میں زر بین الاقوامی تسلیم کیا جاتا ہے۔ انگریزوں کا بھی اس بات پر زور دینا حق بجانب ہے کہ گو پونڈ کی ذیلی تقسیم چنداں قابل تعریف نہیں تاہم اسٹرلنگ پونڈ بذاتہ ایک عمدہ اکائی قدر ہے اور موجودہ زر طلائی کی اکائیوں میں سب سے بڑی ہے اس لئے

اقوام کی بڑھتی ہوئی دولت کے مدنظر اس میں ایک کامل موزونیت موجود ہے گو اس کو یورپ کے صرف ایک گوشہ یعنی پرتگال میں تسلیم کیا گیا ہے۔
لیکن یہ ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ تجارت اور تمدن کا مرکز رفتہ رفتہ لیکن نہایت تیزی کے ساتھ یورپ سے سرکتا جارہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ اسٹریلیا۔ پالن ایشیا اور نوآبادیات افریقہ جو شاہراہ ترقی پر سرعت کے ساتھ گامزن ہیں اپنی قوت کا سکہ جمادیں یہ سب ریاستیں پونڈ ہی پر قایم ہیں اور برطانیہ کی وسیع عالمگیر تجارت اور جہازرانی کی بدولت تمام دُنیا کی منڈیاں اور بندرگاہیں ساورن سے روشناس ہو چکے ہیں۔

امریکن ڈالر کے حق میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اس کی بنیاد بھی نظام اعشاریہ پر ہے اور جیسا کہ آگے چل کر واضح کیا جائے گا اس کی تقسیم اصول اعشاریہ پر نہایت سہولت سے ہوتی ہے اس کی مصداق ان سکوں کی ہے جن کو دو تین صدیوں تک وسیع چلن میں رہنے کی وجہ سے حسابات کی اکائی کا درجہ حاصل ہوگیا ہو اس لئے آزمائش اور کامیابی خود اس کی خوبی کی بڑی دلیل ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قوم کا زر مستحکم ہے جو جہاں تک عقل انسانی پیشین گوئی کر سکتی ہے) آیندہ چل کر سب سے زیادہ کثیر التعداد، دولتمند، اور قوی ہونے والی ہے۔ اس قوم نے جو ابتدا میں صرف انگلستان کی ایک بہترین نسل سے پیدا ہوئی تھی یورپ کی دوسری قوموں کا بھی بہترین عنصر جذب کر لیا ہے خوبئ تقدیر سے دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز براعظم اس کو عطا ہوا ہے اس لئے یقیناً زمانۂ آئندہ میں اس کو وہ اہمیت اور فوقیت حاصل ہوگی جس کا خود امریکہ کے باشندوں کو بھی پورا احساس نہیں ہے۔

زر بین الاقوامی کے معاہدات

مغربی یورپ کی اقوام میں زر بین الاقوامی کی بنا اور قیام میں جو طول طویل مباحثے ہوئے۔ مجلسیں کانگریسیں اور انجمنیں منعقد ہوئیں اور جو معاہدے اور سمجھوتے معرض وجود میں آئے ان کا اس مختصر سی کتاب میں خلاصہ بھی درج کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے متعلق جو مزید معلومات کا شوق رکھتے ہوں ان کو میں رائے دوں گا کہ وہ

مشہور و معروف ایکچوری مسٹر فریڈرک ہنڈرک کے اس پمفلٹ کا مطالعہ کریں جس نے پہلے پہل انگلستان میں اس مسئلے کی اشاعت کی۔ نام اس پمفلٹ کا "تسکیک اعشاریہ" ہے اور غائت اس کی جیساکہ خود مصنف نے عنوان کتاب پر لکھدیا ہے یہ ہے کہ فرانس اور دوسرے ممالک کے زر بین الاقوامی کے سلسلے میں تسکیک اعشاریہ انگلستان میں بھی فوراً رائج کی جائے۔ یہ کتاب ۱۸۶۶ء میں خانگی طور پر طبع کرائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسٹر سیڈ کی کتاب الموسوم بہ "طلائے خام و مبادلات خارجہ" بھی ضرور قابل مطالعہ ہے اور جرنل ڈی اکناسٹ توان معلومات سے لبریز ہے۔

۱۸۵۵ء میں فرانس میں ایک بین الاقوامی انجمن اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ پیمانہ جات، اوزان اور سکوں کے لئے ایک عام نظام اعشاریہ کا قرار واد عمل میں آئے اس کی انگریزی شاخ نے بھی بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ ۱۸۵۸ء میں ممالک متحدۂ امریکہ نے مختلف کرنسیوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دینے کی تجویز کی۔ ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۲ء میں برلن اور لندن میں بین الاقوامی کانگریسیں ہوئیں۔ بالخصوص برلن میں اہم تجویزیں منظور کی گئیں جن پر ہم آگے چل کر غور کریں گے۔ لیکن صرف بلجیم۔ فرانس۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی ہی میں یہ مسئلہ زیادہ ہمود پر آیا کیونکہ یہ ممالک ایک دوسرے سے بالکل قریب واقع ہیں اور چونکہ نہ صرف فرانسیسی طلائی سکوں کو بلکہ نقروی سکوں کو بھی سرحد پار جانے سے روکنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے دسمبر ۱۸۶۵ء میں ان ممالک کے مابین بین الاقوامی زر کا ایک حقیقی سمجھوتہ ہو گیا۔

۱۸۶۳ء کی کانگریس زر کی رپورٹ ایک نہایت اہم دستاویز ہے۔ وہ ایک ایسے معیار طلائی کی سہولت کو واضح کرتی ہے جس کے ساتھ نقرہ اور کانسہ کی ذیلی تسکیک رکھی جائے اس میں تمام مستند سکوں کو $\frac{9}{10}$ کی عام خوبی پر اور تمام اوزان کو نظام اعشاریہ پر قایم کرنے کی رائے دی گئی۔ اور بالآخر ایک ایسی تجویز پیش کی گئی ہے جو زر موجودہ کی اکائیوں میں باہم گر سادہ تعلق پیدا کر سکے۔

۱۸۷۰ء میں جرمنی سے اعلان جنگ ہونے سے کچھ روز قبل حکومت فرانس نے

زیر صدارت مسٹر ڈوبی بارو وزیر تجارت و مہر مجلس کونسل آف اسٹیٹ ایک اعلیٰ امپیریل کمیشن طلب کیا تاکہ معیار زر اور اس کے جو اثرات بین الاقوامی تکنیک پر ہوتے ہیں ان سے متعلق جتنے مسائل ہیں سب کی بابت تمام پہلوؤں سے شہادت فراہم کی جائے۔ چنانچہ کمیشن کے روبرو (۴۷) گواہوں نے بیانات دیے اور اس تحقیقات کے نتائج سے جس کو حکومت فرانس نے دو ضخیم جلدوں میں شایع کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گواہوں اور کمشنروں کا غلبہ آرا اکبر سے معیار طلا کی تائید میں تھا۔

یہ ایک بالکلیہ اتفاقی بات ہے کہ موجودہ زرخاص کی اکائیاں اب بھی فرانک کے اضعافات کے قریب قریب برابر واقع ہوئی ہیں۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے ان اکائیوں کی موجودہ باہمی قدر اور وہ اضعافات واضح ہوں گے جن پر ان کو آئندہ بنانے کی رائے دی جاتی ہے۔

سکہ	قدر موجودہ بحوالہ فرانک	قدر تجویز شدہ بحوالہ فرانک
فرانک	۱	۱
فلورن (آسٹرین نقرئی)	۲٫۴۷	۲ ½
ڈالر (امریکن طلائی)	۵٫۱۸	۵
پونڈ اسٹرلنگ	۲۵٫۲۲	۲۵

اب اگر فلورن کو صرف ۱٫۲ فی صدی بڑھا دیا جائے اور ڈالر و پونڈ اسٹرلنگ کو علی الترتیب ۳٫۵ و ۰٫۸ فی صدی کم کر دیا جائے تو ان میں ایک بہت سادہ نسبت قائم ہو جاتی ہے اور اس طرح ان مختلف نظامات زر میں بغیر کسی اہم تبدیلی کے ایک کی تعداد کو دوسرے کے حوالہ سے بآسانی ظاہر کرنا ممکن ہو جاتا ہے ماسوا اس کے یہ سکے خودبخود بین الاقوامی رواج حاصل کر لیں گے۔ پونڈ اسٹرلنگ گویا فرانس میں ۲۵ فرانک کا اور امریکا میں پانچ ڈالر کا ہوگا اور امریکن ڈالر گویا فرانس کا ایکو ہوگا اور انگلستان میں چار شلنگ کا سکہ بن جائیگا۔

گو کانگریس نے سب کے واسطے ایک عام اکائی اختیار کرنے کی رائے دینے سے احتراز کیا لیکن اس امر پر زور دیا کہ جہاں مذکور الصدر

چار اکائیوں میں سے کوئی بھی نہ ہو وہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلیں اگر اس تجویز کو تمام اقوام نے معقولیت اور آزاد خیالی سے قبول کرلیا ہوتا تو اب تک کسی بہترین اکائی کے انتخاب کی صورت نکل آئی ہوتی لیکن بدقسمتی ہے کہ جرمنی اور اسکنڈ نیویا کی ہر دو ریاستوں نے ۱۸۶۵ء سے ان اصول کے تحت کوئی تبدیلی پسند نہیں کی۔

مختلف اقسام زر میں کو ایک بڑی حد تک یکسانیت تو پیدا ہو گئی لیکن بجائے بین الاقوامی ہونے کے اس کا میلان قومی فرقہ بندی کی جانب ہے۔ بریں ہم جیسا کہ مسٹر ہنڈرکس نے "اکنامسٹ" کے اکثر مضامین میں واضح کیا ہے نئی تسکیکوں میں میٹرکل اور اعشاریہ نظامات سے یکسانیت اور تطابق کی بہت سی نئی اور اہم باتیں آگئی ہیں۔ اس کو بھی ایک ایک یقینی ترقی سمجھنا چاہیئے۔

زر انگریزی کا نظام اعشاریہ میں منتقل ہونا۔

جب سے کہ ۱۸۲۴ء میں لارڈ راٹسلی نے اسٹرلنگ پونڈ کی ذیلی تقسیم کو اصول اعشاریہ پر قائم کرنے کی تجویز پارلیمنٹ میں پیش کی انگلستان کے نظام زر کو از سر نو قائم کرنے کی مختلف تجاویز پر بہت کچھ ردّ و قدح اور بحث مباحثہ ہو چکا ہے مختلف اسکیموں کے محاسن اس قدر برابر ہیں اور کسی ایک پر کاربند ہونا اتنا مشکل ہے کہ باوجود نصف صدی کے بحث مباحثہ کے بھی اب تک کوئی عملی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا ان میں سے پونڈ اور مل کی اور پنی اور دس فرانک کی دو خاص تجویزیں ایسی ہیں جن سے یہاں بحث کرنا مفید ہوگا۔

پہلی تجویز اس حقیقت پر مبنی ہے کہ فاردنگ تقریباً ہزاروں حصہ پونڈ کا ہے۔ چونکہ ۹۶۰ فاردنگ کا ایک پونڈ ہوتا ہے اس لئے فاردنگ میں چار فیصد کی تبدیلی سے ایسا اقل زر اضعاف اعشاریہ حاصل ہوگا جس کو مل کے نام سے موسوم کریں گے اور پینی مثل فرانسیسی ہاف پینی یا پانچ سینٹم کے پانچ مل کی ہوا کرےگی اور جیسا کہ بعض لوگوں نے تصور کیا ہے ۲۴ پنس کی قدر کا ایک نیا سکّہ بنانا پڑےگا جو پونڈ کے سوویں حصّے کا قائم مقام ہو لیکن اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ فلورن ایک سومل کا اور ہاف ساورن پانچسو مل کا ہو ہی جائےگا۔ بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ پونڈ ہی صدر اکائی باقی رہتا ہے اور بعض دوسرے

مانوس سکے بھی قائم رہ جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے جن امور پر زور دیا جاتا ہے
یہ ہیں۔ اول یہ کہ اس میں سب سے زیادہ مانوس سکے یعنی شلنگ اور چھ پنس کے
سکے مفقود ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتدا کرنے کے لئے مل ایک بہت ضعف
ہے یہ اعتراضات فی الواقع صحیح اور مبنی برحقیقت نہیں ہیں کیونکہ شلنگ بطور
ایک سکۂ رائج کے موجودہ وزن۔ قدر اور خوبی کا باقی رہ سکتا ہے گو باغراض
حساب اس کو بجائے اڑتالیس فارونگ کے پچاس سو کا اور چھ پنس کو بجائے
چوبیس فارونگ کے پچیس سو کا سکہ تصور کیا جائے گا۔ یہ ذیلی تقسیم پھر بھی اس
تقسیم سے زیادہ پیچیدہ نہیں ہے جو پچاس اور پچیس فنگ۔ سنٹیم۔ لاٹر۔ اور
وغیرہ کی تقریباً متوازی اشکال میں نہایت کامیابی کے ساتھ جرمنی۔ اسکنڈنیویا
یا فرانس کے حلفائے زر کی نئی مسکوکات میں عمل میں لائی گئی ہے۔ اب رہا یہ
اعتراض کہ مل ایک بہت چھوٹا ضعف ہے معلوم ہوتا ہے کہ معترض اس
امر واقعی کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں کہ مل چھوٹا ہونے پر بھی فرانسیسی نظام
کے ابتدائی ضعف سے ڈھائی گنا اور جرمنی نظام کے ضعف سے ۲ ۲۵/۱
گنا زیادہ بڑا ہوگا۔

دوسری اسکیم کو مرحوم پروفیسر گراہم اور روبرس ولسن نے اپنی اس رپورٹ
میں پیش کیا تھا جو انھوں نے ۱۸۶۷ء کی کانفرنس زر پر مرتب کی تھی یہ تجویز اس حقیقت
پر مبنی ہے کہ دس فرنکی سکہ آٹھ شلنگ سے صرف پون پنس کم ہے اور سو پنس سے
صرف چار فی صد کا تفاوت ہے اس لئے فرانسیسی نظام سے یکسانیت کا تعلق
حاصل کرنے کے لئے صرف ایک دس فرنکی طلائی سکہ ایسا جاری کرنا کافی ہوگا جو
عارضی طور پر آٹھ شلنگ کے سکۂ وضعی کا کام دے سکے۔ بعد میں اگر پنس کو چار فیصد
گھٹا دیا جائے اور شلنگ کی بجائے فرانک یا دس پنس کا سکہ قائم کر دیا جائے تو
ایک حقیقی نظام اعشاریہ پیدا ہو جائے گا۔ اس اسکیم میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ
اس میں پنس کے جیسے مقبول سکے کو تقریباً غیر متبدلہ شکل میں بدستور برقرار
رکھا جا سکے گا اور جیسی کہ اب تمام اغراض کے لئے اس کی حیثیت ہے وہ سب سے
ادنیٰ زر حسابی بھی باقی رہے گا۔ مزید برآں یہ انتظام فرانسیسی نظام زر کے بھی بالکل

مطابق ہے لیکن ایک دقت یہ ہے کہ اس سے پونڈ کا ترک کرنا لازم آتا ہے، جو نئی مجوزہ اکائی کا ڈھائی گنا ہو جائے گا۔ موجودہ سکوں میں سے صرف فلورن پنی اور ہاف پنی ہی اس میں بہ آسانی قائم رہیں گے لیکن ان رقوم زر کو جو پونڈ میں ظاہر کی گئی ہوں اگر جدید کرنسی میں منتقل کرنا ہو تو اس کو ڈھائی کے عدد سے ضرب دینے کی ضرورت ہوگی جس کو اکثر لوگ ایک دقت کا عمل سمجھیں گے۔

انگریزی زر کو جب نظام اعشاریہ پر قائم کرنے کی تجویز کی گئی زر بین الاقوامی کا چنداں لحاظ نہیں رکھا گیا حتیٰ کہ اس کو نظر انداز ہی کر دیا گیا لیکن اب کچھ ایسی ترقیاں ہو گئی ہیں کہ ایک کی اصلاح بغیر دوسری کا لحاظ کئے ممکن ہی نہیں کسی تبدیلی کا عمل میں لانا دشوار ہو گیا ہے۔ اور جزوی اصلاح کے لئے اتنی دشواریوں کا سامنا کرنا سعیِ لاحاصل ہے۔

امریکن ڈالر زمانۂ آیندہ میں

امریکن ڈالر کو اگر پانچ فرانک پر قائم کیا جائے تو نہایت سہولت اور ایک بڑی اہمیت کے ساتھ زر بین الاقوامی کی جانب پہلا زینہ طے ہو جاتا ہے۔ اور اسکے لئے ایک عمدہ موقع اس وجہ سے حاصل ہے کہ آجکل ممالک متحدہ کی کرنسی ایک اختلاف پذیر زر کاغذی پر مشتمل ہے۔ بلحاظ قدر کے گوناگوں اتار چڑھاؤ کے جن کا گذشتہ دس سال میں کافی تجربہ ہو چکا ہے اس کو ٹھیک قدیم معیار پر لانا تقریباً غیر ضروری ہے۔ اس حد تک قدر زر کی ہر تبدیلی خواہ وہ کم ہو یا زیادہ نقصان دہ ضرور ہے۔ اس وقت امریکن ڈالر میں ۸ء۲۵ گرین سونا ہے جس کی قیمت انگریزی زر میں ۳۱۶ء ۴۹ پنس ہوتی ہے۔ اور جب سونے کا نرخ ۱۱۱ ہوتا ہے تو کاغذی ڈالر کی قیمت دس فی صد کم یعنی ۴۸ء۳ ،۴۴ پنس ہوتی ہے حالانکہ فرانسیسی ڈالر یا پانچ فرانکی طلائی سکے کا وزن ۲۴ء۸۹ گرین اور قیمت ۸۵ء۴۷ پنس ہے اس لئے یقیناً یہ ضروری ہے کہ نئے فلزی ڈالر کو ٹھیک فرانسیسی ڈالر کے وزن پر بنایا جائے اور تاآنکہ زر کاغذی اس سکے کے مساوی القیمت نہ ہو جائے تمام رقوم کی ادائی زر فلزی میں کرنا ہی فائدہ بخش ہے اب جہاں تک ان معاہدات کا جو زر کاغذی کے حوالے سے مرتب ہوئے ہوں یا قیمت ہائے جاریہ اور مصارف کا تعلق ہے اس تبدیلی سے کوئی نقض معاہدہ

واقع نہیں ہوتا اس کے برخلاف اگر زر کاغذی کو کافی طور سے گھٹا کر یہ اپنے ڈالر کے متساوی القیمت بنایا جائے تو زیادہ تبدیلی اور نقض معاہدہ کی نوبت آتی ہے۔

لیکن اگر ڈالر ہی کے وزن کو کم کر دیا جائے تو تمام معاہدات طلا کالعدم ہو جائیں اور تاوقتیکہ ان میں ترمیم کی پہلے ہی سے شرائط نہ رکھی گئی ہوں حکومت ممالک متحدہ ۔ ریلوے کمپنیوں ۔ اور نیز دوسری جماعتوں کے ان تمسکات کی جن کا سکوں کی شکل میں ادا کیا جانا مقرر ہو تنسیخ کرنی پڑے گی لیکن اگر یہ قرار دیدیا جائے کہ پرانے ڈالروں کے ہر سیکڑے کے عوض ۱۰۳ ½ نئے ڈالر لئے اور دیئے جائیں تو پھر کوئی دقت باقی نہیں رہتی ۔

اس میں شک نہیں کہ اگر حکومت امریکہ ۱۸۶۳ء کی کانگریس کی پیشکردہ تجاویز پر عمل پیرا ہو جائے تو اس سے اوزان و پیمانہ جات اور زر کے نظام اعشاریہ کو پائے ثبات حاصل ہو جائے گا ۔ اور یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ خود ڈالر ہی آیندہ عمومی اکائی بن جائے اور چونکہ وہ اب بھی دنیا کے بہت سے حصّوں میں زر کی اکائی ہے اس لئے اس کو عمومی اکائی بننے کا ہر طرح حق حاصل ہے ۔ امریکہ کا زر طلائی اگر فرانسیسی ایکو کے مماثل ہو جائے تو وہ یورپ اور ان تمام ملکوں میں جہاں فرانسیسی نیولین اب تک چلتا رہا ہے چلن کے قابل ہو جائے گا ۔

ایک انگریز کا کسی ایسی تبدیلی کی رائے دینا جس سے اسٹرلنگ پونڈ کو زک ہوتی ہے بادی النظر ملکی ہوا خواہی کے خلاف معلوم ہوگا ۔ لیکن مجھے تو مختلف تجاویز اتحاد و یکسانی زر میں ایک بھی ایسی نہیں دکھائی دیتی جس کو دوسری پر ترجیح دی جا سکے ۔ آخری نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں تو جہاں تک ہو سکے فرانسیسی امریکن نظامات زر کا انضمام دیکھنے کا آرزومند ہوں ۔ اور ان وجوہ کی بنا پر جن کا میں آگے چلکر ذکر کروں گا ڈالر سے بہتر کوئی اکائی نہیں ہو سکتی بشرطیکہ اس کو عام طور پر اختیار کرنے کا موقع ملے اس کی مخالفت محض قومی تعصب کا اظہار ہے ۔ عام طور پر اس کو اختیار نہ بھی کیا جائے لیکن اگر صرف برطانیہ عظمیٰ ، فرانس ، اور امریکہ ایک ایسے زر طلائی کی تسکیک پر متفق ہو جائیں جو وزن اور خوبی میں یکساں ہو اور جو بلا کسی لحاظ کے بطور رساورن ۔ پانچ ڈالر ۔ یا پچیس فرانک کے سکّے کی طرح چل سکے تو

یہ خود ترقی کی جانب ایک زبردست پیشقدمی ہے۔

جرمنی کے زر کی اصلاح

سلطنت جرمنی میں جہاں نظام زر میں اب تک بڑا خلط ملط اور پیچیدگیاں تھیں اب عمدہ نظام زر رائج ہوگیا ہے چند برسوں کے بعد جرمنی کے باشندوں کو مشکل سے اس کا احساس ہوگا کہ انھوں نے ایک مدت دراز تک ایک ایسے نظام زر کو برداشت کیا ہے جس میں ایک دو کیا تین تین چار چار قسم کے سکے بلا کسی حساب اور اصول کے خلط ملط ہو گئے تھے۔ نیا نظام زر بہت سی باتوں کے لحاظ سے بالکل خاطر خواہ ہے۔ پرانے اور ردی معیار نقرہ کی جگہ طلاء کو بطور معیار قدر و واحد زر خاص اور غیر محدود زر قانونی کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا ہے حساب کی اکائی اب مارک ہے جس میں ۹/۱۰ کی نعلی کا ۶۶۴ء۱۱ گرین سونا اور قدر تقریباً پونے بارہ پنس کے مساوی ہوتی ہے اور زر خاص بیس مارک کا سکہ ہے جس میں ۹۵۸۴۵۹ء۱۶ ، ۷ گرام خالص سونے کی مقدار اور مجموعی وزن ۹۲ء ۲۴ اگرین یا ۹۶۴۹۵ء ۷ گرام ہے۔ اس کے علاوہ ایک دس مارک کا سکہ بھی ہے جو زر خاص کا نصف ہے۔ تانبے نکل۔ اور چاندی کے ذیلی سکے بھی زر مرکب یا نظام انگریزی کی بنیاد پر جاری کئے گئے ہیں یعنی ان کی حیثیت زر وضعی کی سی ہے۔ "سکانہ" یعنی حق تسکیک جو جرمنی کے نئے نقرئی سکوں پر لی جاتی ہے ۱۱ء۱۱ فی صد یعنی فرانس و انگلستان کے سکانہ سے زیادہ ہے جہاں اس کی مقدار علی الترتیب ۹ اور ۷۴۸ء۷ فی صد سے زیادہ نہیں ہوتی۔

آرزومندان ترقی اس پر جتنا افسوس کریں بجا ہے کہ نئے مارک کا وزن مقرر کرتے وقت حکومت جرمنی نے عمداً فرانسیسی نظام کی مماثلت اور تطابق سے گریز کیا ہے۔ خالص سونے کی مقدار ساورن میں ۳۲۲۴ء ۷ گرام ہے اور مجوزہ ۲۵ فرانک کے سکے میں ۲۵۸۱ء ۷ گرام ہوگی لیکن بیس مارک کا سکہ ۱۶۸۵ء۷ گرام کا بنایا گیا۔ اس مخصوص وزن کو منتخب کرنے کی معقولیت میں صرف ایک ہی بات قابل لحاظ ہے اور وہ یہ ہے کہ تین مارک ایک تھیلر کے تقریباً مساوی ہوتے ہیں لیکن ریاست ہائے جرمنی کی تسکیک اس قدر گوناگوں تھی کہ کسی ایک نظام کے اختیار کر لینے کا پورا موقع تھا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی اصلاح اور

بین الاقوامی تسکیک کے اختیار کرنے میں محض ½ افیصدی کا فرق کوئی ناقابل ارتفاع موانعات سے تھا۔

نظامات زرکسری قدر کی اکائی کے انتخاب کر لینے کے بعد اس کی ذیلی تقسیم کے لئے تین مدمقابل طریقوں پر غور ہو سکتا ہے۔ (۱) ثنائی (Biuary) (۲) اثنا عشری (Duodecimal) (۳) اعشاریہ (Decimal) اوائرڈوبائی کے اوزان جس میں پونڈ سولہ اونس کا ہے پہلے نظام پر ٹھیک اترتے ہیں۔ ہمارے نظام زر میں بھی اس کا آزادی سے استعمال ہوا ہے کیونکہ ساورن کو ہاف ساورن کراون اور ہاف کراون میں اور شلنگ کو چھ پنس اور تین پنس کے سکوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور پنس کو ہاف پنی اور فارذنگ میں اس کے ساتھ ساتھ ہمارے زر میں (Dus decinal) اثنا عشری طریقے کی بھی جھلک پائی جاتی ہے جس کے لحاظ سے شلنگ کے بارہ پنس ہیں اور تہائی حصہ یعنی گروٹ جواب تک رائج ہے یا چار پنس کا سکہ جس کا چلن موقوف ہو گیا معرض وجود میں آئے۔

تقسیم ذیلی کے ہر نظام میں کچھ نہ کچھ مخصوص خوبیاں موجود ہیں اس لئے قدرتاً ان میں ایک نوع کا باہمی مقابلہ ہے اور اسی لئے از منۂ قدیم سے ان کے مابین زور آزمائی ہوتی چلی آئی ہے۔ قدیم اٹلی میں کوہ اپنائن کے جنوب تک اثنا عشری نظام کا دور دورہ رہا اور شمال میں نظام اعشاریہ کا سکہ رواں تھا۔ اور صقلیہ میں ان ہر دو کا خلط ملط پایا جاتا تھا۔ لیکن ملک چین میں نہایت قدیم زمانے سے جس کا صحیح تعین مشکل ہے نظام اعشاریہ رائج ہے۔ انگلستان میں بھی زمانۂ دراز سے اثنا عشری اور ثنائی (Biuary) نظامات تقسیم رائج رہے ہیں۔ میری رائے میں تو یہ سب تسلیم کریں گے کہ ثنائی (Biuary) نظام میں ایک سادگی اور فطرتی پن ہے کیونکہ اس کا اقل ترین جزو ضربی اکائی سے بڑا ہی ہوتا ہے اثنا عشری نظام کے فوائد بھی تین ہیں کیونکہ اس میں تقسیم متعدد اجزائے عاد (aliquot) میں ہو سکتی ہے اور اس میں دو کا جزو ضربی دو بار اور اس سے بالاتر جزو ضربی یعنی تین ایک بار آتا ہے اس طرح شلنگ کی تقسیم دو چھ پنیوں، تین چار پنیوں، اور چار تین پنیوں اور چھ دو پنیوں میں ہو جاتی ہے۔

نظام اعشاریہ میں سادگی ہی کم نہیں بلکہ بعض حیثیتوں سے سہولت بھی کم ہے کیونکہ دس کے عدد میں صرف دو ہی اجزائے ضربی یعنی دو اور پانچ ایسے ہوتے ہیں جو اکائی سے بڑے ہیں اور یہ پانچ کا جزو ضربی بھی نسبتاً اس نظام میں زیادہ پیچیدگی اختیار کر لیتا ہے مگر اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہمارے حساب اور اعداد وشمار کے نظامات کے بالکل مطابق ہوتا ہے۔ اگر مسئلۂ انتخاب پر ہم کو اختیار ہوتا تو گویہ غالباً بہترین نظام کی حیثیت سے منتخب ہونے کے قابل تصور نہ کیا جاتا تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بنی نوع انسان کے کاروبار میں جو انگلیوں پر گنتی کرنے کی قدیم سے عادت چلی آرہی ہے شمار اعشاریہ ایک موروثی اور راسخ عادت ہو گئی ہے مگر انتخاب کی آزادی کہاں! ناگزیر کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے اور چونکہ ہمارے تمام حسابی معاملات طریق اعشاریہ پر مرتّب ہوتے ہیں اس میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ تعلیم اور تحریر کے استعمال میں جیسے جیسے ترقی ہوتی جائے گی تبدریج ہمارے تمام اوزان پیمانہ جات اور سکّوں کو اسی نظام کے مطابق ڈھالنا آسان ہو جائے گا۔

ایک بالکل مکمل اور خاص نظام اعشاریہ میں تو سوائے ۱۰۰۰ اور ۱۰۰ اور ۱۰ اور ۱ اور ۱. اور ۰۱. اور ۰۰۱. کی قسم کے اعشاریہ مقسوم الیہ اور اجزائے ضربی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور ایک اکائی سے دوسری اکائی تک پہنچنے کے لئے ایک سے دس تک گننے میں جو دشواری ہوتی ہے اس سے نظام اعشاریہ کی تقسیم کی پابندی کی جو سختی ہوتی چاہئے تھی باقی نہیں رہتی۔ برعکس اس کے فرانسیسی نظام میں ہر مقسوم الیہ کے نصف اور دُونے کو درمیانی اعداد کے سکّوں سے ظاہر کر سکتے ہیں اس لئے اس میں سلسلہ اس طور پر قائم ہوتا ہے۔ ۱ - ۲ - ۵ - ۱۰ - ۲۰ - ۵۰ - ۱۰۰ - ۲۰۰ - ۵۰۰ وغیرہ امریکہ کی ٹکسال اتنی سادہ اور سلسلہ وار نہیں ہے کیونکہ اس میں نصف اور پاؤ انگل، نصف اور پاؤ ڈالر اور پچیس اور تین سنٹ کے سکّے بھی شامل ہوتے ہیں میری رائے میں تو امریکہ کی ٹکسال نے ضرورت سے زیادہ قیمتوں کے سکّے جاری کر کے ایک اور خامی پیدا کر دی ہے۔ بہرحال فرانسیسی نظام ہی کو مرجح قرار دیتا ہوں۔

بین الاقوامی زر اکائی کا قطعی انتخاب

اس باب کو ہم ان چند وجوہ پر ریمارک کرنے کے بعد ختم کر دیں گے جو زر کی ایک ایسی اکائی کے انتخاب میں رہنمائی کر سکتی ہیں جس سے بالآخر زر عمومی کی داغ بیل پڑ جائے۔ مختلف مدمقابل اکائیوں کی ٹھیک مقدار کے متعلق جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں میں اُن کو چنداں اہمیت نہیں دیتا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جوں جوں قوموں کی دولت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے طلائی تدریج گھٹتی جاتی ہے اس لئے ہم کو ایک اور بڑی اکائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی وجہ سے پونڈ بہ نسبت فرانک کے قابل ترجیح سمجھا گیا چنانچہ اگر ہم فرانک کے حوالے سے حسابات مرتب کریں تو اعداد بہ نسبت پونڈی حساب کے پچیس گنا زیادہ ہوتے ہیں لیکن یہ بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ایک ہی قسم کی اکائی تمام انتہائی اور مختلف رقوم کے اظہار کرنے کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتی ہم کو اکثر اس اصلی اکائی کے اجزائے ضربی یا مقسوم الیہ سے بھی کام لینا پڑے گا۔ مثلاً ناپ ہی کو لیجئے جسامتوں کے لحاظ سے کبھی تو انچ اور فٹ سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی فرلانگ۔ میل اور محیط ارض کے قطر سے۔ اسی طرح سے زر کی اکائی میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ مثلاً جب کسی مزدور کی ہفتہ وار اُجرت کا ذکر ہو تو شلنگ کی تعداد سے یا کسی منشی کی سالانہ تنخواہ کا حساب ہو تو پونڈ کی تعداد سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ اگر کسی بڑے تاجر یا ساہوکار کی دولت کی بحث ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اتنے ہزار پونڈ ہے۔ کسی سلطنت کے محاصل یا قومی قرضے کا معاملہ ہو تو صرف پونڈ کی ملینوں کا ذکر ہی کافی ہے۔ دیکھئے پرتگال کی حسابی اکائی جس کو رائی کہتے ہیں قیمت میں انگلش پینی کے انیسویں حصّے سے زیادہ نہیں ہوتی بلکہ میرے خیال میں اس سے کوئی چھوٹی اکائی ہے ہی نہیں لیکن وہاں بھی جب کبھی کسی بڑی اکائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ملریز (یعنی ہزار ریس)، کو جس کی قیمت ساڑھے ترپن پنس ہوتی ہے اکائی بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی بھی روپیہ کی بڑی رقموں کا اظہار لاکھ اور کروڑ کی تعداد میں کرتے ہیں اور فرانسیسی اپنے قومی قرضہ کی مقدار فرانک کے ملیرڈ سے ظاہر کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ انگریز ملیرڈ فرانک کا آسانی اندازہ نہیں کیا کر سکتے

مگر وہ لوگ جو فرانک کے حوالے سے حساب اور شمار کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کے لئے یہ اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ایک انگریز کے لئے ملین پونڈ کا اندازہ۔ وزن کی اکائیوں کے لئے بھی یہی بحث منطبق ہوتی ہے۔ گو فرانس کے لوگ اوزان میں گرام یعنی ۱۵۴۳ء گرین جیسی قلیل اکائی کا استعمال کرتے ہیں لیکن وزن شدنی اشیاء کی جسامت کی مناسبت سے حسب ضرورت چھوٹی یا بڑی اکائیوں سے بھی کام لیا جاتا ہے یعنی جب گرام سے چھوٹی اکائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو سنٹی گرام یا ملی گرام سے وزن کرتے ہیں اور بڑی اکائی کی ضرورت ہو تو دس گرام یا کیلو گرام کو اکائی بنا لیتے ہیں لہذا میری رائے میں آخری اکائی کا کوئی ٹھیک وزن مقرر کرنا بالکل غیر اہم اور نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔

اب جہاں تک کہ اکائی کی ذیلی تقسیم کا تعلق ہے اس میں کئی باتیں زیادہ اہم اور غور کی محتاج ہیں یہ تو لازمی ہی ہے کہ تقسیم ذیلی بھی اعشاریہ پر مبنی ہو لیکن اس کی ترتیب بھی کچھ ایسی ہونی چاہیئے کہ اس سب سے ادنیٰ جز داس قلیل ترین رقم کے بالکل برابر ہو جو تجارتی کاروبار میں قابل لحاظ متصور ہو سکتی ہے مثال کے طور پر فرانک ہی کو لیجئے۔ اس کی تقسیم سو سنٹیم پر ہوتی ہے اور سنٹیم کی قدر پنس کے دسویں حصّے سے بھی کم ہے۔ گو کانسے کی ٹکسال کا پانچ فی صد حصّہ ایک اور دو سنٹیم کے سکوں کا بھی ہے مگر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطلقاً چلن نہیں۔ شاید نان بائی کی دوکان پر چھٹانکی فروشی میں کبھی کبھی ان کا لین دین ہو جاتا ہو، لیکن ان کو حسابات میں جگہ نہیں دی جاتی۔ اس لئے کہ فرانس میں محاسب جس قلیل ترین رقم کو حسابات میں قابل اندراج تصور کرتا ہے وہ پانچ سنٹیم اور اس کے بعد دس سنٹیم کی رقم ہے جو ہمارے پنس کے مساوی ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے چھوٹے حسابات میں بھی ایک طرح کی پیچیدگی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس قلیل ترین سکّے "سنک سنٹیم" کا نام بھی عام معاملتوں میں لینا ناگوار اور دقّت طلب سمجھا جاتا ہے اور باوجود اس کے کہ نظام اعشاریہ ملک فرانس میں تقریباً سو سال سے رائج ہے اس کو اب تک "سو" کے نام ہی سے موسوم کرتے ہیں۔ پرتگیزی "رائی" تو اس قدر چھوٹی اکائی ہے کہ اس کا کوئی سکّہ بھی نہیں بنایا گیا تاہم حسابات تجارتی میں

اس کو جگہ مل جاتی ہے اور مالی حسابات میں فضول اور بیجا طور پر ایک عدد کا اضافہ کرنے کا موجب بنی ہوئی ہے۔

انگلستان میں اقل ترین سکہ جو فی الاصل مستعمل بھی ہے فاردنگ ہے۔ لیکن حسابات میں فاردنگ تو کجا نصف پینی پر بھی کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ اس لئے پینی ہی گویا اقل ترین زر حسابی ہے۔ اور ڈاک خانوں اور ریلوے کمپنیوں اور بنکوں کے قواعد داد و ستد میں پینی سے چھوٹی کوئی رقم تسلیم ہی نہیں کی جاتی لیکن پونڈ سے جس کا سواں حصہ ۲،۴ پنس اور ہزارواں حصہ فارتنگ کے برابر ہوتا ہے اور پنس کا باہمی تعلق کچھ بے ڈھنگا سا ہے۔ اگر ہمارے پونڈ سے نظام اعشاریہ متعلق کیا جائے تو ہم ایک تکلیف دہ قلیل سکے کو ادنیٰ ترین زر حسابی یعنی مل کی طور پر حسابات میں درج کرنے پر مجبور ہوں گے اور اسی وجہ سے پونڈ اور مل کا مجوزہ نظام فرانک اور سنٹیم کے نظام سے یقیناً بہتر ہوگا۔ مثلاً بارہ شلنگ چھ پنس کی رقم کو ۶۲۵ مل کہہ سکتے ہیں لیکن زر فرانسیسی میں ۲۵ فرانک فی پونڈ کی شرح سے اس کی مقدار ۱۵،۶۲۵ ہو جائے گی اور اگر خاص اکائی دس فرانکی سکے کی تصور کی جائے تو یہ رقم ۱،۵۶ اکائیاں یا بالفاظ دیگر ۱۵۶ میٹریکل پنی ہوگی اور بہت سی صورتوں میں کسی رقم کو پینیوں میں ظاہر کرنے کے لئے بہ نسبت مل یا سنٹیم میں ظاہر کرنے کے کم اعداد درکار ہوں گے۔

اس نکتۂ نظر سے امریکن نظام بالکل بے مثل ہے۔ ڈالر ایک سو سنٹ میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر سینٹ کی قدر ہاف پینی کے برابر ہے۔ گو ہاف سینٹ کے سکے بھی مسکوک ہوئے ہیں اور ان کا لین دین چلر خرید و فروخت میں ہو سکتا ہے لیکن ان کو معمولاً حسابات میں درج کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ پس مجھے سنٹ ہی وہ قلیل ترین رقم معلوم ہوتی ہے جو حسابات میں درج کئے جانے کے قابل ہے۔ اس طریقے سے رقوم کے حسابات میں ممکن الحصول سادگی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ یہ قلیل ترین سکہ حسابی ہے ہی نہیں جس کے مقسوم الیہ دوسرے تمام سکے ہوں۔ اس کا بہترین جواب غالباً یہی ہے کہ اکائی کبھی سنٹ ہوگی۔ کبھی ڈالر اور کبھی ایگل۔ اور

انگریزی زر میں تو اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ آیا پونڈ اکائی مقرر کیا جائے یا اس کے بیسویں حصے کو یا $\frac{1}{250}$ ویں حصے کو یہ عزت بخشی جائے میں پھر زور دیتا ہوں کہ اکائی کی ٹھیک مقدار کا مسئلہ ایک بالکل غیر اہم چیز ہے۔ صرف اتنی بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیئے کہ خود اکائی یا اس کا کوئی جزو عشری اس اقل ترین رقم سے جس کو ہم حساب میں قابل شمار سمجھتے ہیں ٹھیک مطابق ہے یا نہیں اور اس لحاظ سے موجودہ سکوں میں ڈالر سب سے بہتر اکائی ہے لیکن اس میں یہی یہ گنجائش ہے کہ آیا ڈبل ڈالر یا دس فرنکی طلائی سکہ جو آٹھ شلنگ یا سو پنس کے مساوی ہے زیادہ بہتر نہ ہوگا۔ اگر دولت اقوام میں اضافہ ہوتا جائے اور سونے کی قدر گھٹتی جائے تو حسابات کے لئے سنٹ بھی ایک بہت چھوٹی رقم ہوگی اور پینی ہی سب سے عمدہ اکائی سمجھی جائے گی۔ اس طرح شاید بین الاقوامی زر کی اکائی کے لئے بالآخر پانچ اور دس فرانک کے سکوں میں قرعۂ انتخاب ڈالنا پڑے گا۔ دس فرانکی سکے کی تائید میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک سب سے چھوٹا اور نہایت سہولت بخش طلائی سکہ ہے جس کا جاری کرنا مناسب ہے کیونکہ دوسرے طلائی یا پانچ فرانکی سکے قطع نظر اس کے کہ بہت چھوٹے ہیں گھستے بھی زیادہ ہیں۔

پندرھواں باب

ذرایع مبادلہ

زر فلزی کے مسئلے پر اب تک کافی بحث ہو چکی ہے آئے اب ان ترکیبوں پر غور کریں جو کسی اعلیٰ تنظیم یافتہ قوم میں بیش قدر دھاتوں کا مصرف کم کرتے یا سکّوں کے استعمال سے بچنے کے لئے قدرتاً خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب کسی زر کے معقول اور مفید ہونے کا لوگوں کو اطمینان ہو جاتا ہے تو وہ یہ بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ اس نے ذریعۂ مبادلہ کی طرح استعمال کئے بغیر بھی کام چل سکتا ہے چنانچہ کاروبار پھر اسی طریقے پر عود کر آتا ہے جو بالکل بارٹر سے مشابہ ہے غرض کاروبار کی ابتدا تبادلے سے شروع ہوتی ہے اور تبادلے ہی پر ختم ہوتی ہے لیکن جیسا کہ آگے چل کر واضح کیا جائے گا تبادلہ پہلے تبادلے سے بالکل مختلف ہوتا ہے گو خرید و فروخت بدستور نقروی و طلائی سکّوں کے حوالے ہی سے ہوتی ہے لیکن اس طرح اندازہ کر لینے کے بعد متساوی القدر اشیاء اول بدل کر لی جاتی ہیں اس میں سونے چاندی کی ملکیت کا اگر کوئی دخل یا تعلق ہو بھی تو وہ صرف بہ شکل پروانہ جات ادائی یا بطور دستاویزات نیابتی ہوتا ہے جنھیں جب چاہیں سونے سے بدل سکتے ہیں مگر اس کی شاذ و نادر ہی ضرورت پڑتی ہے۔

تیسری فصل میں بتلا دیا گیا ہے کہ زر اوّلاً دو اور اکثر چار مختلف فرائض

انجام دیتا ہے۔ کاروبار کی سادہ حالت میں ایک ہی مادّہ فلزی اگر وقت واحد میں ان تمام فرایض کی انجام دہی کرنے لگے تو کیا کچھ سہولت نہ ہوگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا اتحاد اعمال ہی بہرحال بہترین انتظام ہے کیونکہ گو سونا اور چاندی ہی ہمیشہ عمومی نسب نمائے قدر ہوتے ہیں مگر فی الحقیقت ایک بڑی حد تک یہ دھاتیں اُس اصلی ذریعۂ مبادلہ کی حیثیت میں قائم نہیں رہتیں جس کی بیوپاریوں اور گاہکوں میں داد و ستد ہوتی رہتی ہے۔ اس کتاب کے چھبیسویں باب میں زیادہ تفصیل سے بتلایا جائے گا کہ بڑی مدتوں کے لئے زر کو بطور معیار قدر استعمال کرنے کے بجائے تختۂ معیار کو کتنی سہولت اور فوائد کے ساتھ کام میں لایا جا سکتا ہے۔

طریقہ ہائے مبادلہ کی تدریجی ترقی

پُرانے طریقۂ تبادلہ سے چل کر ایک ایسے مکمل اور عالمگیر نظام تبادلۂ اشیاء تک پہنچنے میں جہاں بیش قدر دھاتوں کا استعمال حتی الامکان کم ہے کئی مسلسل مدارج طے کرنے پڑے ہیں۔ زر فلزی کے استعمال سے بچنے کے لئے جو مختلف تدبیریں کی گئی ہیں وہ ان پانچ عنوانوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ زر مستند کے عوض زر نیابتی کا استعمال۔

۲۔ کتابی جمع و خرچ کا توسط۔

۳۔ چک اور چُکوتی کا انتظام۔

۴۔ غیر ملکی ہنڈیوں کا مبادلہ۔

۵۔ بین الاقوامی چُکوتی۔

زر نیابتی

زر فلزی سے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عمل مبادلہ میں بہت سہولت اور روانی پیدا ہو جاتی ہے لیکن زر طلائی و نقروی استعمال کرنے والی قوموں کو تجربے سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ چھوٹی قدر کے فلزی زر وضعی اور کاغذی و چرمی ٹکڑے جن کی قدر صرف برائے نام ہو بطور وثیقۂ ملکیتِ زر مسکوک دست بدست منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ اوّل اوّل تو وہ چیز جو سونے چاندی اور تانبے کے زر کی جگہ مستعمل ہوتی ہے محض

نائبانہ حیثیت رکھتی ہے لیکن ایک قوم کو اس قسم کی کرنسی سے پوری طرح مانوس ہوجانے کے بعد یہ امکان محسوس ہوتا ہے کہ بیش قدر دھات کو جو ایسی کرنسی کی اصل بنیاد ہوتی ہے نظر انداز کر کے اس کے نائب یعنی بے قدر پارچہ ہائے چرم یا کاغذ کو بھی چلن میں برقرار رکھ سکتے ہیں۔ غرض اس طرح ایک عجیب چیز معرض وجود میں آتی ہے جس کو غیر نقد پذیر زر کاغذی کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن ایسا زر صرف اسی ملک کے حدود میں چل سکتا ہے جہاں وہ قانوناً رائج ہوا ہے باہر اس کی وقعت ردّی کے پرزے سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔

ان تاجروں کو جو بڑی بڑی بین الاقوامی معاملتیں کیا کرتے ہیں یہ بہت جلد معلوم ہوگیا کہ اصل دھات کے توسط سے تجارت کرنے میں نہ صرف سود کا نقصان ہوتا ہے بلکہ اصل کے ضائع ہوجانے کا احتمال بھی ہے اس لئے ہنڈیاں جو قرضوں کے وثیقے یا سرٹیفکٹ ہوتے ہیں اور جن کا دست بدست زرنیابتی کی طرح لین دین ہوتا ہے صدیوں پہلے ایجاد ہوئیں۔ یہ اکثر اوقات متعدد اعمال مبادلہ کا کام دیتی ہیں حتیٰ کہ اب شاید ہی کبھی دھات کو منتقل کرنے کی نوبت آتی ہو۔

چک اور نظام تصفیۂ حسابات ذریعۂ تبادلہ کے واقعی استعمال سے بچنے کا ایک اور عمدہ طریقہ ہے جس میں مبادلے کی دقتوں میں سے کسی سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔ ہمیشہ آپس میں خرید و فروخت اور لین دین کرنے والے محسوس کرتے ہیں کہ ہر خرید پر قیمت ادا کرنا اور پھر ہر فروخت پر اسے وصول کر لینا ایک مہمل سی بات ہے۔ اشیا سے تبدلہ کی قدر کا بحوالۂ زر اندازہ کرنے کے بعد جو کچھ فرق خرید و فروخت کے داموں میں ہو وہ نقد ادا کر دیا جائے تو کافی ہے۔ زائد از ضرورت زر فلزی کو ساہوکاروں یا سناروں کے پاس حفاظت کی غرض سے امانت رکھوا دینے کی عادت جب عام اور راسخ ہوگئی تو رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوا کہ لوگوں کو زر ادا کرنے کے بجائے اگر زر کی ادائی کا حکمنامہ یا چک دیدیا جائے تو کام نکل جاتا ہے اور اگر دونوں کا لین دین ایک ہی ساہوکار سے ہو تو اور بھی آسانی ہوجاتی ہے۔

ساہوکار کے ہاں دونوں کے کھاتوں میں جمع و خرچ کے ذریعے داد و بائد گرفت کا تصفیہ ہو جاتا ہے اور مہاجن بھی سیٹھ یا آپس حسابوں کا اسی طرح انتظام کرتے ہیں، چنانچہ اسی طرح انگلستان اور امریکہ میں رفتہ رفتہ ایک ایسا نظام قائم ہو گیا ہے جس کی مدد سے اندرون ملک کے تمام کاروبار عموماً محض بہی کھاتوں کے جمع و خرچ سے تصفیہ پاتے ہیں۔ اس کو نظام چک و تصفیہ حسابات کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس انتظام میں لندن قدرتی طور پر سلطنت متحدہ کا مالی مرکز بن گیا ہے۔ اور عجب نہیں جو بڑی بڑی بین الاقوامی معاملتوں کی حد تک یہ تمام دنیا کی ساہوکاری کا بھی مرکز ہو جائے کیونکہ بہ نسبت دوسرے مقامات کے یہاں رقوم زر کا جمع کرنا۔ قرضے حاصل کرنا یا ان کی ادائی کا بندوبست کرنا زیادہ موجب سہولت اور فائدہ مند پایا جاتا ہے چنانچہ بنکوں کے مختلف اعمال کے اجتماع اور یکجائی کی وجہ سے لندن ایک عالمگیر چکوتی گھر بنتا جا رہا ہے۔

آگے مبادلہ کی ترقی کے یہی بعض خاص مدارج ہیں جن کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سولھواں باب

زر نیابتی

چونکہ آج کل کاغذ ہی کو بطور مادہ زر نیابتی اختیار کر لیا گیا ہے اس لئے زر فلزی کو ہم صرف زر کاغذی ہی سے ممیتز کرتے ہیں لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کاغذ کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں اس غرض کے لئے استعمال کی گئی ہیں۔ ہم دراصل ایسے پورے اور مستند سکوں سے چل کر جن کی قدر منسوبہ اور قدر فلزی میں کوئی تفاوت نہ تھا کاغذ کے ایسے پرزوں تک پہنچے ہیں جو ردی اور ناکارہ ہونے پر بھی ہزاروں کیا لاکھوں اسٹرلنگ پونڈ کے قائم مقام ہیں۔

زر وضعی بھی جس کا ہم نے آٹھویں باب میں ذکر کیا ہے ایک طرح سے زر نیابتی ہی ہے کیوں کہ اس کی قدر کی بنیاد دھات پر نہیں بلکہ زیادہ تر ان مستند سکوں پر ہوتی ہے جن کے عوض اس کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ وعدے اور معاہدے کاغذ و سیاہی ہی کے ذریعہ سے ظاہر کیا جانا لازمی نہیں اگر دھات پر بھی سے منقوش کر دیا جائے تو نسبتہً بہتر اور زیادہ دیرپا ہوگا۔

انگلستان کے بادشاہوں نے ملکہ الزبتھ کے عہد تک زر وضعی کو گھٹیا قسم کا زر سمجھ کر مسکوک کرنا منظور نہیں کیا اس لئے تاجروں نے تین کے ذرائع کی انجام دہی کے واسطے وضعی سکے خود بخود جاری کر لئے۔ پہلے پہلے تو یہ

سیسے اور لاٹن یعنی ایک قسم کی مرکب پیتلی دھات کے اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات چمڑے کے ٹکڑے ہوا کرتے تھے گذشتہ صدی میں پھر اسی قسم کے اور بالخصوص تانبے کے سکّے جن پر پرامیسری نوٹ کی عبارت درج رہتی تھی کثرت سے تیار کروا کر جاری کئے گئے تھے چنانچہ ایک عمدہ ساخت کے سکّے پر جو ۱۷۹۱ء میں سوتھامپٹن سے جاری ہوا تھا یہ عبارت درج تھی "ہاف پینی پرامیسری: اس کی ادائی عندالمطالبہ ڈبلیو ٹیلہ۔ اردی موڈی اینڈ کمپنی کے دفتر پر ہوگی" ۱۸۱۳ء میں سیسے کے کارخانہ فلنٹ سے جو سکہ نکلا اس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"یہ ایک پینی کا ٹوکن (زر وضعی) ہے۔ ایسے دو سو چالیس ٹوکنوں کے عوض ایک پونڈ کی نوٹ ملے گی"

ایسے پرامیسری سکّے جو وقتاً فوقتاً جاری ہوئے ہیں متعدد اور مختلف اقسام کے ہیں جن کا مطالعہ علم سکہ جات کی ایک دلچسپ اور اہم شاخ ہے۔ ان کی تفصیلی کیفیت ایکرمن کی کتاب "تجار لندن کے وضعی سکّے" وغیرہ جیسی تصانیف سے معلوم ہو سکتی ہے تھوڑے دن ہوئے جب نیو ساؤتھ ویلز میں چھوٹے سکّوں کی قلت زیادہ محسوس ہونے لگی تو چند تاجروں نے چاندی اور کانسے کے ٹوکن جاری کرائے۔ ان کا ۱۸۶۸ء تک چلن رہا لیکن پھر روک دیا گیا۔

قدما بھی زر مستند اور زر وضعی کے فرق سے بخوبی واقف تھے چنانچہ لیسی ڈیمون کا زر آہنی غالباً مستند زر قانونی تھا۔ اس کی قدر کچھ ایسی زیادہ نہ تھی لیکن جسامت بہت بڑی تھی۔ برخلاف اس کے بازنطین کا زر آہنی نیابتی زر وضعی تھا۔

آنے والی فصل میں آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بنک نوٹوں کی نوعیت کے سکّے بھی اکثر قدیم قومیں استعمال کیا کرتی تھیں۔

زر نیابتی کی ابتدائی سرگذشت

قدیم قومیں زر کاغذی سے بالکل ناواقف تھیں کیونکہ ان کے زمانے میں کاغذ کا وجود ہی نہ تھا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم جن اصول پر بنک نوٹوں کا بطور زر نیابتی استعمال کرتے ہیں وہ ان پر کاربند

نہ تھیں۔ اس مضمون کے بعض پہلو روشنی میں آچکے ہیں اور ریم برنارڈ اکس کے ایک تازہ مضمون نے جو جرنل آڈی اکنامسٹ کی ۳۲ ویں جلد کے صفحات ۳۵۳ تا ۳۷۲ پر طبع ہوا ہے بہت سے انکشافات کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معاملات زر میں قدما ہم جتنا سمجھتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہشیار تھے۔

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جانوروں کی کھالیں سب سے پہلا ذریعۂ مبادلہ رہی ہیں۔ زر نیابتی کی پہلی شکل بھی چھوٹے پارچہ ہائے چرم ہی تھے جن پر بالعموم سرکاری مہر کا نقش ثبت رہتا تھا۔ اس کے متعلق اسٹارچ برنارڈ اکس وغیرہ کا یہ قیاس نہایت درست اور معقول معلوم ہوتا ہے کہ کاروبار میں چرم اور سمور جب تکلیف دہ اور گراں بار معلوم ہونے لگے تو جیسے انگریزی مالیے کے قرضوں کا کئی صدیوں تک شگاف کردہ تیلیوں یا شمار سے حساب رکھا جاتا تھا اسی طرح قدما نے بھی چرم و سمور کے ٹکڑے کاٹ کر بطور نشان ملکیت دست بدست منتقل کرنا شروع کیا ہوگا۔ ملکیت کا اطمینان ان ٹکڑوں کو اسی جگہ رکھ کر ملا کر دیکھنے سے ہو جاتا جہاں سے وہ قطع کئے گئے تھے۔ قوم جب ان چمڑے کی تختیوں کے لین دین سے اچھی طرح مانوس ہو گئی ہوگی تو کچھ دنوں کے بعد ان کی نیابتی حیثیت بھی نظرانداز ہو گئی ہوگی اور یہی ہمارے زر کاغذی کی کیفیت ہے۔ گورنمنٹ یا چمڑے کے قابضین نے اصل سمور اور کھالیں اڑالی ہوں گی اور بیچارے عام لوگ چمڑے کے ٹکڑے استعمال کرنے لگے چنانچہ روس میں بھی جو زر چرمی ایک عرصے تک رائج رہا ہے اس کی بالکل یہی سرگذشت ہے۔

کہتے ہیں کہ روما میں بھی نوما کے عہد سے پیشتر زر چرمی رائج تھا لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور تحقیق دشوار مگر اس میں شک نہیں کہ قرطاجنیوں کے ہاں چرمی زر نیابتی ضرور موجود تھا چنانچہ ایس شنیر سقراطی بیان کرتا ہے کہ وہ چمڑے کے چھوٹے ٹکڑوں کو مہر کر کے ایک غیر معلوم شئے تسے گا بھے پر منڈھ کر استعمال کرتے تھے۔ ہمسایہ قومیں چونکہ اس عجیب و غریب قسم کے زر کو قبول نہ کرتی تھیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قدر محض برائے نام تھی۔

چین میں البتہ زر کاغذی کا استعمال زمانۂ قدیم میں بہت کچھ ترقی کر گیا تھا
چنانچہ حضرت مسیح سے سو سال پیشتر ایک بادشاہ نے اپنی جنگوں کے لئے جس
ترکیب سے سرمایہ حاصل کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ اس زمانے میں چرمی زر
کے وضعی استعمال سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس بادشاہ نے پہلے تو سفید
ہرنوں کے چمڑے سے زر وضعی بنا لیا اور پھر جتنے ہرن اس رنگ کے دستیاب
ہو سکے سب کو ایک مرغزار میں جمع کرا لینے کے بعد فرمان جاری کر دیا کہ اور کوئی
اس قسم کا ہرن نہ پالے۔ اس طرح ان خاص چمڑوں کی مانوپلی (اجارہ) (جو بنک
آف انگلینڈ کے آبی نقش والے کاغذ کے اجارے کی یاد دلاتی ہے) حاصل کر کے
ان ٹکڑوں کو ایک بڑی شرح پر بطور زر رائج کیا۔

تیرھویں صدی کے وسط میں مارکوپولو نے مملکت چین میں ایک عجیب
ساخت کے زر کاغذی کا چلن دیکھا تھا۔ یہ کسی درخت کی اندرونی چھال کو ٹھوک کر
اور گھسر کر کاغذ سا بنا لیا جاتا پھر اس کے مربع ٹکڑے کاٹ لئے جاتے اور ان پر
بڑی قاعدگی کے ساتھ مہر اور دستخط کر دی جاتی تھی۔ یہ ٹکڑے زر قانونی تھے اور
مختلف قدر کے ہوا کرتے تھے جو کوئی ان کو قبول کرنے سے انکار کرتا اس کو
سزائے موت دی جاتی جعلساز بھی مستوجب سزائے موت تھے۔ ایک اور سیاح
نے جس نے چودھویں صدی میں چین کا سفر کیا ہے وہاں کے رائج الوقت زرِ
کاغذی کے متعلق اسی قسم کا حال بیان کرتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ جب یہ
نوٹیں بوسیدہ اور پارینہ ہو جاتیں تو معاوضے میں نئی نوٹیں بلا مزید صرفے کے مل سکتی
تھیں۔ بعد کے زمانوں میں اس مسئلے کی طویل اور غیر متحقق تاریخ کا کھوج لگانا
چنداں ضروری نہیں۔ اس کے متعلق برنارڈ واکس کی تصنیف یا کورسیل سینوئیل کے
اس مضمون میں بہت سی معلومات مل سکیں گی جو اس نے پولیٹکل اکانمی کی لغت
میں زر کاغذی کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ یہاں صرف یہ کہدینا کافی ہے
کہ زر کاغذی کی سرگذشت بھی ایسی ہی ہے جیسی اکثر غیر نقد پذیر کرنسیوں کی ہوا
کی ہے۔

مغلیہ خاندان چین کے عہد میں زر کاغذی کے اجرا کی اس قدر بہتات ہوی کہ

اس سے بڑی ابتری اور خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ خاندان منگ نے بھی اس کا سلسلہ جاری رکھا اور وہ کثرت ہوئی کہ طلائی اور نقروی زر کا استعمال ممنوع قرار دینا پڑا۔ کہتے ہیں کہ زر کاغذی کی قدر اتنی گھٹ گئی تھی کہ ایک دھاتی کاش کے بدلے ایک ہزار کاغذی کاش ملتے تھے۔ جس سے سان ڈا ہنگو کی کاغذی کرنسی کی موجودہ حالت کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ بالآخر پندرھویں صدی میں اس کرنسی کا تباہ کن خاتمہ ہوگیا۔

ایشیا کی دوسری قوموں میں ایرانی اور تاتاری بھی زرِ کاغذی کا استعمال جانتے تھے چنانچہ سرجان مینڈ ول جنھوں نے چودھویں صدی میں ملک تاتار کا سفر کیا ہے ان فوائد کا جو خان عظیم کو زر کاغذی کی بدولت حاصل ہوتے تھے ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:-

"یہ شہنشاہ بے غل وغش خرچ کر سکتا ہے کیونکہ زر سوائے چرم منقوش اور کاغذ کے پرزوں کے اور کچھ نہیں اور چاہئے جتنا صرف کرے بادشاہ کی گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔ جس طرح وہاں کے قاعدے قانون گوناگوں اور عجب عجب قسم کے ہیں اس طرح یہ پرزے بھی کم یا زیادہ اور مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں۔ جب یہ پرزے ایک عرصے تک استعمال ہونے کے بعد بوسیدہ ہوتے لگتے ہیں تو لوگ ان کو بادشاہ کے خزانے پر لے جاکر بدل لیتے ہیں اور پھر وہی تمام اضلاع اور صوبوں میں پھیل جاتے ہیں۔ چونکہ وہاں سونے یا چاندی کا کوئی زر ہی نہیں ہے اس لئے شاہان نہایت کثیر مقداروں میں زر کاغذی خرچ کرکے بڑا ظلم کرتا ہے" اور بھی بہت سے بادشاہوں، شہنشاہوں اور نیز جمہوری حکومتوں نے اس بڑے شاہان کی تقلید کی ہے اور اپنا زرِ کاغذی ظالمانہ طریقے پر کثیر مقداروں میں صرف کیا ہے۔

زر نیابتی کے استعمال کے وجوہ واسباب

یہاں ان چند وجوہ کا تجزیہ کرنا اور ٹھیک طرح سے بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی بنا پر زر نیابتی کے پرچے رائج کئے جاتے ہیں۔ اس کے اغراض ومقاصد متعدد اور مختلف النوع پائے گئے ہیں جن کی اہمیت بھی

مختلف شکلوں میں مختلف رہی ہے۔ یورپ میں اب جو بنک نوٹوں کا نظام ہے اس کی ابتدا اطالیہ کے چار سے سات صدی پیشتر والے امانتی بنکوں سے ہوی ہے۔ اس زمانے کا چلنی وزریعۂ تبادلہ گوناگوں اور مختلف قیمتوں کے سکوں پر مشتمل تھا جو اکثر گھٹیا اور کٹے پھٹے ہوا کرتے تھے۔ لین دین میں سوداگروں کو وزن اور کھرے پن کی جانچ پڑتال میں جس وقت اور تضیع اوقات کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا ظاہر ہے اس پر بھی وہ دھوکا اور فریب سے محفوظ نہ تھے اسی لئے رقومات زر کو بنکوں میں جہاں سکوں کی قدر کا صحیح اندازہ ہوسکتا تھا جمع کرانے کا رواج قائم ہوگیا۔ بنک ان رقوم کا صحیح اندازہ کرکے امانتی کھاتوں میں لکھ لیتے۔ اسٹرڈم اور ہمبرگ میں بھی پھر اسی قسم کے بنک قایم ہوئے جن کا تفصیلی حال آدم سمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کی چوتھی جلد کے تیسرے باب سے اور ہیوٹ کی کتاب موسوم بہ "ٹریٹنز آن منی" کے صفحہ ۱۲۱ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ان بنکوں میں جو رقم قدر کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد جمع کی جاتی تھی اس کو زر بنک کے نام سے موسوم کرتے تھے جس پر بمقابلۂ دیگر اقسام زر اوسط گھٹوتی کے لحاظ سے کچھ بڑھوتری (پریمیم) بھی ملا کرتی تھی۔ ادائیوں کی جب ضرورت پڑتی تو بنک کے بہی کھاتوں میں جمع و خرچ کرادینا کافی تھا اور چونکہ یہ ادائیاں بہرحال زر کامل القدر سے ہوتیں سکوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی مگر قاعدے قانون ان بنکوں کے اکثر باتوں کے لحاظ سے پیچیدہ تھے جن کی غرض و غایت کی تحقیق بہت دشوار ہے۔

زر فلزی کی غیر سہولت بخش حالت

زر نیابتی کے استعمال کی جو غرض و غایت ہم ابھی بیان کرچکے ہیں اسی کے مماثل ایک اور غرض یہ ہے کہ کاروبار میں قیمتی دھاتوں کی بڑی بڑی مقداروں کے حمل و نقل کی دقتوں سے نجات ملے۔ علاوہ ازیں زرداروں کو بڑی بڑی رقموں کی حفاظت کے لئے جو مضبوط تہ خانے اور محافظ رکھنے پڑتے ہیں اس کی ضرورت نہ رہے اگرچہ کہ انگلستان کے بنکوں کے آغاز کی کافی تحقیق نہیں ہوی ہے تاہم جہاں تک پتا چلتا ہے حفاظت زر کی غرض ہی ان کی ترویج کا موجب ہوی ہے

جس زمانے میں اطالیہ میں عامرہ و باقاعدہ اور منتظم امانتی بنک صدیوں سے رائج ہو چکے تھے انگلستان میں ان کے مماثل بجز ٹاور آف لندن کی دارالضرب کے اور کوئی ادارہ ایسا نہ تھا جہاں تجار حفاظت کے مدنظر سونا چاندی امانت رکھ سکتے۔ ٹاور کی ٹکسال سے بھی جب ۱۶۴۰ئہ میں چارلس اول نے بغیر لوگوں کی رضامندی کے دو لاکھ پونڈ کی امانتی رقم بطور قرض لے لی تو لوگوں کو اس پر بھی اعتماد نہ رہا۔ گورنمنٹ پر تو پہلے ہی بھروسہ نہ تھا ایسی بدامنی میں کثیر رقوم کا گھروں میں رکھنا بھی خطرناک تھا اس لئے سناروں کے ہاں جو مضبوط تہ خانے اور کافی محافظ رکھتے تھے لوگوں نے امانتیں رکھوانی شروع کیں۔ سناران امانتوں کی رسیدیں دیا کرتے تھے۔ اول اول یہ وثیقے ڈاک وارنٹ (گودی کا وثیقہ) کی طرح سے مواعید ادائی مخصوص ہوا کرتے تھے اور امانتی رقوم کا تبادلہ ان ہی وثایق یعنی سناروں کی نوٹوں کی منتقلی سے ہو جاتا ان نوٹوں کا پارلیمنٹ کے قوانین میں بھی جا بجا ذکر آیا ہے حتیٰ کہ ۱۶۷۰ئہ تک لندن کے مہاجن سناروں کے کمپنی ہی کے ارکان ہوا کرتے تھے۔ قوانین میں سناری نوٹوں کا جس سلسلے میں تذکرہ آیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ نوٹیں رفتہ رفتہ مخصوص وعدوں سے عام وعدوں کی ہو گئی تھیں یعنی ان کا منشا یہ تھا کہ خواہ کسی نوٹ کی ادائی کے لئے سناروں کے ہاں کوئی رقم محفوظ ہو یا نہ عند المطالبہ نوٹوں کے احضار پر رقم منسوبہ ضرور ادا کی جائے گی۔

گراں باری زر بڑی بڑی معاملتوں میں زرنیابتی کو فلزی زر کی جگہ استعمال کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا وزن تکلیف کا موجب ہے۔ اور زر فلز ناقص جتنا زیادہ جسیم اور حمل و نقل میں گراں بار ہو اتنی ہی یہ وجہ قوی ہو جاتی ہے چنانچہ اٹھارھویں صدی میں جب ریاست ورجینیا نے تمباکو کو ذریعۂ تبادلہ قرار دیا تمام کاروبار اور لین دین صرف "اسینا ت" (Assignats) (تحویل ناموں) پر چلتا تھا اور تمباکو گوداموں ہی میں پڑا رہتا۔ روس میں بھی کیتھرائن دوم کے عہد میں (۱۷۶۸ئہ) قانونی زرمستی کی جگہ پر زر کاغذی اسی لئے جاری ہوا تھا کہ اس کی حمل و نقل دشوار تھی۔ ان چٹھیوں کی توقیر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کا ½ فی صد کی بڑھوتری سے چلن ہوتا تھا۔

زر طلائی بھی تجارت کی موجودہ حالت میں گراں بار ہی ہے چنانچہ شیویلیر نے اندازہ کیا ہے کہ ریجنٹ ڈائمنڈ کی قیمت کے زر طلائی کو اٹھا لے جانے کے لئے چالیس آدمی درکار ہوں گے لندن کے مہاجنوں اور حساب گھروں کی روزانہ داد وستد کا اوسط بیس ملین اسٹرلنگ پونڈ تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ بشکل زر طلائی ہو تو وزن (۱۵۷) ٹن ہوگا جسے کھینچنے کے واسطے تقریباً اتنی گھوڑوں کی ضرورت ہوگی اور جو یہ رقم چاندی کے سکوں میں ادا کی گئی تو ان کا وزن (۲۵۰۰) ٹن سے کم نہ ہوگا۔ بہت ہی معمولی رقموں بہ شکل سکۂ فلزی کی حفاظت اور حمل ونقل کے لئے عام لوگ ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے بنک بھی بنک آف انگلینڈ کے پاس بغرض امداد رجوع ہوتے ہیں جس کے عہدہ دار اس معاملے میں تجربہ کار ہوتے ہیں اور انھیں تمام سہولتیں بہم پہنچتی ہیں۔

میں نے بنک آف انگلینڈ کے نوٹ کا وزن تقریباً ۲۰ گرین یا ۱/۲۴ گریم پایا، اس کے برخلاف ایک ساورین کا وزن تخمیناً ۱۲۳ گرین ہوتا ہے اور نوٹ ایسے پانچ، دس، پچاس، ایک ہزار یا دس ہزار ساورینوں کی نیابت ونمایندگی طباعت کے خفیف اختلافات کے ساتھ کرسکتا ہے۔ اگر ہم کسی ایسے آلۂ مبادلہ کو استعمال کرنے پر مجبور کئے جاتے جس میں فی الواقع قدر ذاتی موجود ہوتی تو قدیم زمانے سے آج تک قیمتی پتھر (جواہر) یا کسی ایسی فلز کا استعمال لازمی وضروری ہوتا جو سونے سے بدرجہا زیادہ کمیاب اور بیش قیمت ہوتی۔ لیکن اعلیٰ درجے کے ترقی یافتہ تجارتی ملکوں میں نیابتی وثائق ودستاویزات کا رواج اس قدر عام اور وسیع ہو رہا ہے کہ زر فلزی کی قابلیت نقل وحمل کے سوال کی اہمیت بہت گھٹ گئی ہے۔ انگلستان میں کچھ مدت سے سونا صرف نوٹوں کے مبادلے اور ریزگاری کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، اور اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا اس غرض وغایت کے لئے بھی اس کی ضرورت طویل مدت تک باقی رہے گی یا نہیں۔

سود کی بچت

نیابتی وثائق اور نوٹوں کے استعمال کی ایک اہم اور قوی وجہ یہ بھی ہے کہ بیش قیمت چاندی یا سونے کی جگہ اگر کوئی بے قیمت شئے بطور مادۂ زر استعمال کی جائے تو اصل اور سود دونوں کی بچت ہو جاتی ہے چنانچہ جب کسی ملک کو آمدنی اور محاصل کی کمی سے تنگی محسوس ہوتی ہے تو اس کو فطرۃً یہ خیال ہوتا ہے کہ زر فلزی کے ذخیرے کو کچھ دنوں کے لئے قرض دے کر ملکی ومالی ضروریات پوری کرلی جائیں۔ زمانۂ حال کے امریکن اطالوی اور انگریزوں کی طرح قدیم یونانی بھی اس ترکیب کو خوب سمجھتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے ڈائی اونی سیس نے سیراکیوز کے باشندوں کو نقروی سکوں کی جگہ ٹین کے جعلی سکے جن کی قدر صرف یک ربع ہی تھی قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور معاشیات کی اس کتاب سے بھی جو ارسطو سے منسوب کی جاتی ہے

معلوم ہوتا ہے کہ ٹائیموتھیس یونانی نے تاجروں اور سپاہیوں کو زرسّی لے لینے پر اس وعدے سے راضی کیا تھا کہ لڑائی کے ختم ہو جانے کے بعد ان کو زر نقدی سے بدل دیا جائے گا کلا ذومینین نے بھی یقیناً سُود کے بچت ہی کی نیت سے زر وضعی کا اجرا کیا تھا اس میں بیس ٹالنٹ ہر سپاہی کو سالانہ تنخواہ دینے کی سکت نہ تھی اس لئے ہر سپاہی کو ہر سال چار ٹالنٹ سُود بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ پس یہ ترکیب سوچی گئی کہ بیس ٹالنٹ کی قیمت کے وضعی سکے جاری کئے جائیں اور عوام کو بھی مجبور کیا جائے کہ ان کو زر نقدی کی جگہ قبول کرلیں۔ اس تدبیر سے جتنی چاندی بچ رہی فوری قرض کی ادائی کے کام آئی اور سالانہ چار ٹالنٹ ہر سپاہی کو جو سُود کی بابت دیئے جاتے تھے بچ رہے اور اس بچت سے رفتہ رفتہ زر وضعی پھر زر نقدی سے بدل دیا گیا۔

گرنسی مارکٹ کی تعمیر جو بظاہر بغیر کسی مصارف کے پوری ہوگئی اسی قسم کا ایک واقعہ ہے جزیرہ کے گورنر ڈانیل لی برک سینٹ پیٹرز میں ایک مارکٹ تعمیر کرنا چاہتا تھا مگر اخراجات کے لئے رقم نہ تھی۔ اس لئے حکومت جزیرہ کی مُہر ثبت کرکے اس نے چار ہزار مارکٹ نوٹین ایک ایک پونڈ والی جاری کردیں اور معماروں مزدوروں وغیرہ کو بانٹنا شروع کیا جب مارکٹ بن گئی اور کرایہ آنے لگا تو آمدنی سے نوٹیں واپس لے لی گئیں۔ مارکٹ بھی تعمیر ہوگئی اور ایک اونس سونے کا خرچ بھی نہ ہوا۔ غرض کاغذی زر کا یہ فائدہ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ ڈانیال لی براک نے گویا ان نوٹوں کی قدر منسوبہ کے برابر سونے کی مقدار چلن سے خارج کرادی۔ اور چار ہزار پونڈ کا جبری قرضہ ملکی زر فلزاتی کی شکل میں بغیر ایک حبہ سُود ادا کئے حاصل کرلیا۔ غرض تمام نوٹوں پر جو رقم محفوظ سے زیادہ قدر کی جاری کیجاتیں۔ اسی طرح سُود کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس تدبیر سے انگلستان کے خانگی اور سرمایۂ شترک کے بنک ساڑھے چھ ملین اسٹرلنگ پونڈ کا اور آئرلینڈ کے بنک چھ ملین سے کچھ زیادہ اور اسکاٹ لینڈ کے بنک پونے تین ملین اسٹرلنگ کا سُود کما لیتے ہیں۔

کاغذی زر نیابتی کا اجرا بشرطیکہ وہ صحیح قواعد و ضوابط پر مبنی ہو جملہ فریقین کے لئے مفید ہے مگر اس کی بابت بھی بہت کچھ اختلافِ آرا ہے۔

پرامیسری نوٹوں کی حقیقت اور ان کی قسمیں

پرامیسری نوٹوں کے اجرا کے بہترین طریقے اور ان کے قواعد وضوابط کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنے کے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وعدوں کی مختلف اقسام کے فرق و تفاوت کا نہایت احتیاط سے تجزیہ کرلیا جائے۔ کیونکہ ان میں جو فرق نہایت خفیف اور معمولی نظر آتا ہے بعض وقت اس سے نہایت اہم نتائج بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ہر شخص جو ایک نیا ہنڈی یا پرامیسری نوٹ جاری کرتا ہے پابند ہے کہ آیندہ جب کبھی وثیقہ پیش کیا جائے تو کسی خاص شئے کی ایک مقررہ مقدار موعودہ ادا کردے۔ گویا وہ مندرجہ ذیل تین باتوں میں سے کسی ایک کی صاف اور صریح ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

ا۔ یا تو وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ وثیقے میں جس شئے کا اندراج ہے اسی قسم کی شئے اپنے پاس رکھے گا تاآنکہ اس کی حوالگی کا مطالبہ ہو۔

ب۔ یا اس شئے کے مختلف حصص واجزا میں فرق و تمیز کئے بغیر اس کی ایک مقررہ مقدار پرامیسری نوٹوں کی ادائی کے لئے ہمیشہ تیار رکھے گا۔

ج۔ یا اس کی ذمہ داری محض اسی قدر ہوگی کہ موعودہ مقدار جب نوٹ پیش کی جائے حاضر کردی جائے گی لیکن اس غرض کے لئے کوئی مقدار محفوظ رکھنے کا معاہدہ نہیں ہوتا۔

وثیقۂ امانت مخصوص

پہلا طریقہ پرامیسری دستاویزات کی سب سے زیادہ قابل اطمینان شکل ہے۔ اس میں بلٹی ریل، لداؤ پرچہ، گودی کی چٹھی گودی کا وثیقہ اور ایسے تمام وثایق شامل ہیں جن سے کسی مخصوص شے کی ملکیت قایم ہوتی ہے۔ لداؤ پرچے کے قابض قانونی کو سامان کے گٹھر یا تھیلوں میں جو اعداد۔ علامات اور طول عرض وغیرہ سے ممیّز کر دیئے جاتے ہیں حق حاصل ہوتا ہے اور یہ وثیقہ جب جہاز والے کا دستخطی ہوتا ہے تو وہ ذمہ دار ہے کہ اُن مخصوص گٹھروں کو جو اس کی تحویل میں دیئے گئے ہیں اپنے قبضے میں محفوظ رکھے تاآنکہ خاتمۂ سفر پر کوئی اس وثیقے کو پیش کر کے اس کی حوالگی کا مطالبہ نہ کرے۔ گودام بھی اسی نوعیت کا ہوتا ہے یہ ان مال کے گٹھوں کی رسید ہے جو لندن یا دوسرے بندرگاہوں کی گودیوں کے گوداموں میں رکھوائے جاتے ہیں۔ وثیقہ گودام کے قابض کو اس مال کے متعلق خواہ وہ شراب کے پیپے ہوں یا اون کے گٹھے یا شکر کے تھیلے ہوں یا کسی اور چیز کی گٹھریاں جو وثیقے میں درج ہیں مالکانہ حقوق حاصل رہتے ہیں۔ اس کی منتقلی سے خواہ وہ بذریعۂ اندراج شرح منتقلی ہو یا اور کسی طرح قانون در واج کے بموجب عمل میں آئی ہو اشیائے مندرجہ وثیقہ کی ملکیت بھی منتقل ہو جاتی ہے اس قسم کی پرامیسری نوٹوں میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مال مجتمعہ سے زائد کے وثایق کا اجرا ممکن نہیں ہے البتہ فریب اور بددیانتی سے ایسا کیا جائے تو اور بات ہے۔ ایسی نوٹ کے جاری کرنے والے کی حیثیت محافظ گودام سے بڑھ کر نہیں ہوتی اور چونکہ مال مجتمعہ کی استرداد کا مطالبہ ہر وقت ہو سکتا ہے اس لئے وہ کسی مال کو جو اس کی تحویل میں دیا گیا ہو از روئے قانون کبھی اپنی محافظت سے باہر جانے نہ دیگا تاآنکہ پرامیسری نوٹ کے مبادلے میں مالک کو وہ واپس نہ کر دیا جائے۔

وثیقۂ امانت عمومی

اب ہم اس دوسری شکل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس میں پرامیسری دستاویز کا اجرا کنندہ مختلف پارسلوں کا فرداً فرداً لحاظ کئے بغیر اشیائے مندرجہ وثیقہ کی نوعیت اور مقدار کے بالکل مساوی اشیا اپنے پاس رکھنے کا ذمہ لیتا ہے۔ بہت سی صورتوں میں تو اشیا اس قدر یک جنس ہوتی ہیں کہ

ایک پارسل سے دوسری کو ممیّز کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور نہ مخصوص مقدار مجتمعہ ہی کی واپسی کا لزوم ہوتا ہے۔ مثلاً گلاسگو میں آہنی خام کا گودام ہے۔ اس کے محافظ کے پاس قسم قسم کے آہن خام کی بڑی بڑی مقداریں جمع کی جاتی ہیں اور اسی مناسبت سے وہ وثایق ملکیت جاری کرتا ہے چونکہ کسی خاص نمونے کے لوہے کے مختلف حصّوں میں کسی فرق کے موجود ہونے کا علم ہی نہیں ہے اس لئے ابتداء میں طریق عمل یہ تھا کہ ہر وثیقے کے لئے کوئی خاص ڈھیر آہن خام کا مخصوص نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف اس قدر ذخیرہ ہر نمونے کا ہمیشہ محفوظ رکھا جاتا تھا جو اجراشدہ وثایق کی مجموعی مقدار کے برابر ہو۔ لیکن اب ایک بہتر طریقہ رائج کیا گیا ہے۔ ہر وثیقے کے لئے ایک خاص مقدار آہن علامت اور نشان سے ممیّز کر کے مخصوص کر دی جاتی ہے بظاہر ان دونوں شکلوں میں جو فرق ہے وہ بالکل خفیف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بہت اہم ہے اس لئے کہ اس سے معاہدے کی ناقص تکمیل کی گنجائش نکل جاتی ہے۔ دوسرے بیوپاروں میں اس امر کے متعلق بعض وقت غلط فہمی کا بھی امکان ہے چنانچہ لورپول کے ایک تاجر کپاس کا مقدمہ اس کی بہت اچھی مثال ہے کچھ سال ہوئے ایک تاجر نے اس مقدار کپاس کی کفالت پر جو اس کے ہاں موجود تھی قرضہ حاصل کیا۔ بعد میں یہ معاملہ عدالت میں اس امر کے تصفیے کے لئے پیش ہوا کہ آیا اس تاجر نے کپاس کے بعض مخصوص گٹھے مکفول کئے تھے اور ان کو اپنی تحویل میں قرضے کی ادائی تک رکھنے کا وعدہ کیا تھا یا اس نے صرف یہ ذمہ لیا تھا کہ وہ اپنے پاس اسی قسم کی کپاس بوزن مقررہ کی مقدار میں رکھے گا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ کمپنیاں جو مال کے حمل ونقل یا اس کو گوداموں میں محفوظ رکھنے کا دھندا کرتی ہیں بعض اوقات مختلف پارسلوں کو مشخص کر دینے اور جدا جدا رکھنے میں کافی احتیاط نہیں کرتیں۔ لانے لے جانے یا ذخیرہ گودام میں رکھنے میں اگر ان کو ہمیشہ اور مسلسل ایک ہی قسم کے مال سے سابقہ ہو مثلاً ایک ہی گرنی کا آٹا یا ایک ہی کان کا کوئلہ ہو تو البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بعض وقت مطلوبہ مقدار اسی قسم کی شئے کے ذخیرے سے بلالحاظ اس کے کہ وہ ٹھیک وہی مال ہو یا نہ ہو جو انھیں باربرداری یا گودام میں محفوظ رکھنے کے لئے دیا گیا تھا، مالک کے حوالے کر دیں۔

خاص اور عام وعدوں کا باہمی فرق

گذشتہ فصل میں ہم نے جس فرق کا ذکر کیا ہے اس کی اہمیت بآسانی معلوم ہو سکتی ہے یعنی کوئی شخص جو ایک خاص وثیقے کی پیش سازی پر مخصوص اور مقررہ شئے کی خاص پارسل دینے کا صاف وعدہ کرتا ہے تا وقتیکہ وثیقے کے مطابق وہ ان اشیا کو اپنے پاس نہ رکھے وثیقہ عند المطالبہ جاری ہی نہیں کر سکتا ورنہ جب وثیقہ پیش کر کے اس شئے کا مطالبہ کیا جائے گا تو فریب اور بد دیانتی کی قلعی کھل جائیگی، اور وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ لیکن اگر اس کے وعدے عمومی نوعیت کے ہوں تو کسی وثیقۂ عند المطالبہ کی ادائی شئے زیر بحث کے کسی حصّے سے بھی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ جنس اور نوعیت کا کوئی فرق نہ ہو ایسا شخص اگر بد دیانتی اور فریب کا ارتکاب کرے تو صرف اس صورت میں گرفت ہو سکے گی جبکہ اکثر یا تمام وثایق مطالبے کے لئے پیش ہوں۔ چونکہ اس کا زیادہ امکان نہیں ہے اس لئے اس قسم کے وثایق کی اجرائی میں ناجائز نفع تلاشی کی بہت کچھ گنجائش ہے کیونکہ امانت گیرندہ کو یہ دیکھتے ہوئے کہ اشیائے امانتی کا ایک کثیر حصّہ اس کے پاس یونھی پڑا رہتا ہے مطالبات متوقعہ کے لئے کافی مقدار رکھ چھوڑنے اور باقی کو اپنے فائدے کے لئے تجارت میں استعمال کرنے کا پورا موقع مل جاتا ہے۔ جب تک وہ مطالبات موقتی کی پابجائی کرتا رہے اس سے کسی کا نقصان نہیں لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ہمیشہ سب لوگ ان حالات میں کافی احتیاط اور دور اندیشی سے کام نہیں لیتے اور اپنی ذمہ داریوں اور وعدوں کی تکمیل میں قصور کرتے ہیں۔

علاوہ بریں اس طریقے سے کسی شئے کی ایک فرضی مقدار کے بھی صرف وجود میں آجانے کا امکان ہے یعنی لوگوں کو یقین دلایا جائے گا کہ کسی شئے کی ایک مقدار موجود ہے حالانکہ فی الاصل اس کا کہیں وجود ہی نہیں۔ دستاویز عند المطالبہ یا اس قسم کے وثیقے کا قابض تو اس دستاویز یا وثیقے کو شئے مندرجہ ہی کے مماثل تصور کرتا ہے۔ اب اگر ایک خاص مقدار کسی شئے کی بغرض فروخت رکھنا چاہیں تو اس قسم کی نوٹوں کی کچھ زیادہ تعداد چھاپ کر ضروری خانہ پُری کر کے دستخط وغیرہ کر دینا کافی ہوگا۔ گو یہ صحیح ہے کہ مواعید کی اجرائی سے فوری ادائی مقصود نہیں ہوتی

اور ان کی پابجائی کا معاہدہ زمانۂ آیندہ کے لئے ہوتا ہے لیکن زمانۂ آئندہ غیر مقررہ اور نامعلوم ہوتا ہے اور وثیقے کا جاری کرنے والا یہ یقین کر سکتا ہے کہ پابجائی کے مطالبے کی نوبت آنے تک اس شئے کی قیمت گھٹ جائے گی مثلاً اگر آہن خام کے وثایق بلالحاظ اس تو جیہہ کے جو گلاسگو کے گودام میں ہو غیر محدود تعداد میں جاری کئے جاسکیں تو ناعاقبت اندیشی اور نفع تلاش اشخاص کی ایک جماعت آہن خام کی بڑی بڑی مقدار میں اس وعدہ پر فروخت کرنے سے کہ آہن مبیعہ کی حوالگی زمانۂ آیندہ میں ہوگی کثیر منافع کما سکے گی اور پھر آہن خام کی قیمت میں یکا یک ایک بڑا زوال پیدا کر کے رفتہ رفتہ کم قیمت پر اس کی کافی مقدار خرید لے گی اور وثایق کے پیش ہونے پر ادائی کر دیگی۔ چنانچہ بعض دوسری تجارتوں میں اس قسم کی چالبازیاں کامیاب ہو چکی ہیں۔

تقریباً دس سال کے پیشتر یہ ایک عام بات تھی کہ مشترکہ سرمایہ کی ساہوکاری کمپنی کے حصوں کی بازار میں بڑی بہتات کر دی جاتی۔ اور ایک جماعت ایسے اشخاص کی قائم ہوتی تھی جس میں اس منتخبہ کمپنی کے حصہ داروں میں سے کوئی شریک نہ ہوتا۔ یہ جماعت اس کمپنی کے حصوں کو بکثرت فروخت کرتی اور مقصود یہ ہوتا کہ اس کی ساکھ اور شہرت کو بٹہ لگ جائے اور اسٹاک کی قیمت اتنی گر جائے کہ ادائی کی نوبت آنے کے قبل ہلکے داموں پر کافی اسٹاک خرید لیا جائے۔ لیکن نفع تلاشی کی اس مذموم شکل کا سدباب ۱۸۶۷ء کے قانون پارلیمنٹ وکٹوریہ نشان سی ۲۹ کے ذریعے ہو گیا ہے جس کی رو سے کمپنیوں کے حصے فروخت کرنے والوں پر یہ لازم ہے کہ وہ رجسٹر شدہ مالکان وحصہ جات ادائی مستقبل کے جاری کرنے والوں کی تعداد اور فہرست صاف صاف بتلا دیا کریں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہر شخص کو فطرۃً یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے قول و قرار کرے اور ہر شخص مجاز ہے کہ وہ ایک ایسا وثیقہ جس کی رقم زمانۂ آیندہ میں ملنے والی ہو قبول کرے چنانچہ گورنمنٹ اسٹاک اور غلہ و کپاس کی بابت جن کے زمانۂ ادائی کے قبل جہازوں سے مال وصول ہونے کی توقع ہوتی ہے بالعموم معاہدے ہوا کرتے ہیں لیکن یہ امر بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ تمام

قوانین اور معاشرتی تعلقات کے قیام کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کا فائدہ ہو قانون جو ہر قسم کے وعدے کرنے کا حق تسلیم کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا حق سوسائٹی کے لئے مفید ہے اور حق کو حق کا رتبہ اسی لئے حاصل ہوتا ہے کہ قانون نے اس کو تسلیم کیا ہے لیکن برعکس اس کے تجربے سے جب یہ ثابت ہو کہ مواعید کی خرید فروخت کا کوئی خاص طریقہ ناجائز نفع تلاشی کی گنجائش پیدا کرتا ہے یا اس طریق عمل سے بہ نسبت فائدے کے سوسائٹی کو مضرت زیادہ پہنچتی ہے تو یقیناً قانون کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ ایسی آزادی کی حد بندی کرے اور عوام الناس کے فائدے کے مد نظر مناسب قواعد و ضوابط مقرر کرے۔ القصہ یہ سب امور مصلحت پر مبنی ہیں۔ پہلے تو قانون کا یہ عام قاعدہ تھا کہ ایسی شئے کے موقتی عطیہ یا مال کے ہبہ کو جو بوقت عطا یا ہبہ موجود ہی نہ ہو معاملت قانونی قرار ہی نہ دیتا تھا۔ اگرچہ کہ اب اس قاعدے کو عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں تاہم بہت سی صورتوں میں اس کا نفاذ بھی نہایت سودمند ثابت ہوگا۔

رقمی دستاویزات عند المطالبہ

تشریحات مندرجۂ بالا کو خاص مسئلۂ زر سے مطابق کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رقمی وعدے تقریباً ہمیشہ عام نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو کسی رقم کو زمانۂ آیندہ میں ادا کرنے کا وعدہ کرے شاذ ہی اس کی صراحت کرتا ہے کہ کن خاص سکوں کی شکل میں اس کی ادائی ہوگی قانونِ تسکیک نے بھی زرِ قانونی کی تعریف کرتے ہوئے ہر ساورن اور شلنگ و پنس کو جس کا وزن پورا اور تسکیک باضابطہ ہوئی ہو معاہدوں کی رقومات کی ادائی میں جائز قرار دیا ہے یہ سچ ہے کہ جس طرح بندرگاہ لندن کی گودی میں شراب کے پیپے محفوظ رکھے جاتے ہیں اسی طرح نقرہ اور طلائے خام اور انگریزی یا بدیسی سکوں کی تجوریاں بھی بنک آف انگلینڈ کے تہ خانوں میں محفوظ رکھی جاسکتی ہیں اور واقعہ بھی ہے کہ انگلستان میں سونا چاندی خواہ کسی بندرگاہ سے اس کی درآمد ہوی ہو ادائی کے لئے ہمیشہ بنک ہی کے بلین آفس کو بھیجا جاتا ہے اور یہ دفتر وہی کام انجام دیتا ہے جو گودی کے گودام کا ہوتا ہے یعنی وہ وثیقے کی پیش سازی پر مالکوں کو درآمدہ صنادیق حوالے

کرونیتا ہے اگرچہ کہ یہ وثیقے خاص معاہدات کے ہوتے ہیں لیکن بعد اندراج
شرح منتقلی ایک دوسرے کے پاس منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن خام دھات
کی ایسی امانتیں بنکوں کے حسابات میں نہیں شریک ہوتیں۔

بنک آف انگلینڈ کی نوٹ کی ذمہ داری مالکان بنک پر وثیقہ گودام کے
بالکل برابر ہے لیکن وہ رقم کے اس صندوق یا تھیلی کی صراحت نہیں کرتی
جس سے اس نوٹ کی ادائی ہونے والی ہے اسی طرح تقریباً تمام معاہدات
در عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں ورنہ اگر کسی اسامی کی امانت کی ساورن کو بجنسہ
اٹھا کر رکھنا ضروری ہو تو بنیکر اس سے کوی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ امانت
رکھنے والے کا ہی اس مخصوص معاہدے سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے چنانچہ
تجارتی کاروبار میں کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ لیکن اس کی وجہ سے بعض
اوقات جھگڑے بکھیڑوں کا ضرور احتمال ہوتا ہے مثلاً بعض لوگوں کو خاص قسم
کے سکے جمع کرنے کا عجیب خبط ہوتا ہے چنانچہ ایک بوڑھی لیڈی جس نے چارلس
کے سکوں کا ایک ذخیرہ فراہم کر رکھا تھا اپنے ترکے کو ایک ایک عزیز کے
نام وصیت کر کے مرگئی۔ اگرچہ کہ بوڑھی لیڈی کے شوق کی وقعت کا اس کے
وارث کو بہت کچھ پاس اور خیال تھا لیکن کچھ روز بعد اس کو نقد رقم کی ضرورت
پڑی وہ چاہتا تھا کہ ان خاص سکوں کی ملکیت بھی نہ جانے پائے اور ان کی
مالیت کے برابر نقد رقم بھی مل جائے اس نے یہ ترکیب کی ان کو گروی رکھوادیا
گروی لینے والے نے بلا پس وپیش منظور کر لیا لیکن اس نے کچھ عرصے کے
بعد بے خیالی سے انکو بیتکلف اخراجات میں صرف کر ڈالا۔ جب گرو چھٹی پیش ہوی
تو اس نے سمجھا کہ ساورن اور شلنگ کی شکل میں مساوی رقم کی ادائی کافی ہے
لیکن یہ خیال درست نہ تھا کیونکہ اس معاہدے میں اقرار ایک خاص نوعیت
کا تھا۔

اب اگر رقمی مواعید ہمیشہ خاص قسم کے ہوا کریں تو پرامیسری نوٹوں کے
اجرا میں پوری آزادی عطا کرنے میں کسی مضرت کا احتمال ہی نہیں ہے کیونکہ اجرا کنندہ کی حیثیت
محض محافظ گودام کی سی ہوگی اور وہ ہر نوٹ کی ادائی کے لئے سکوں کا ایک خاص

توڑا ہمیشہ تیار رکھنے کا پابند ہوگا لیکن فی الواقع ایسا ہوتا نہیں اس لئے عندالمطالبہ
سونا ادا کرنے کے اقرار ناموں کا بکثرت جاری ہونے دینا نہایت خطرناک ہوگا۔
سونے کے بازار میں بھی لوہے یا اور کسی خاص شئے کی منڈی کی طرح رسد کی بہتات
ہوسکتی ہے البتہ ایک فرق یہ ہے کہ سونے کی منڈی بہ نسبت دوسری منڈیوں
کے بہت زیادہ وسیع ہے اس لئے بہت سے افراد یا کمپنیاں ضرور اپنی اپنی ذاتی
اغراض ومفاد کے لئے ضرورت سے زیادہ نوٹوں کا اجرا کریں گی، تاکہ ان کا اثر اور
شہرت ہو دوسرا فرق یہ ہے کہ سونا چونکہ خود ہی پیمانۂ قدر بھی ہے اس لئے اس کی قیمت کا
اُتار چڑھاؤ بجز اس کے کہ بہت سی دوسری اشیا کی قیمتوں کے اوسط اُتار چڑھاؤ
کے ساتھ نہ جانچا جائے ظاہر نہیں ہوتا۔ ہم اس مسئلے پر چوبیسویں باب میں مزید روشنی
ڈالیں گے۔

زر نیابتی کے چلن کے اصول

آٹھویں باب کے دو آخری حصّوں میں ہم بتلا چکے ہیں کہ زر فلزاتی
کو لینے، رکھنے اور خرچ کر ڈالنے میں افراد انسانی کی جو غرض
وغایت مضمر ہوا کرتی ہے ان کے تجزیے سے گردش زر کے
کچھ ایسے اصول اور قانون مستنبط ہوتے ہیں جن کی تجربے سے پوری تائید اور درستی
ثابت ہوچکی ہے اسی ضمن میں ہم نے یہ بھی بتلایا تھا کہ ان ہی اصول وقوانین کو
زر کاغذی و زر فلزی کے مشترکہ چلن تک بھی بغیر کسی کاٹ چھانٹ اور ردّ وبدل کے
وسعت دی جاسکتی ہے۔ جس طرح اصل فلزی سکوں کے استعمال کی تائید میں عادت
کا زبردست اثر ہوتا ہے اسی طرح یہ قوی اثر زر نیابتی کے استعمال میں بھی کارگر
ہے، جو لوگ کاغذ کے ٹکڑوں کو بغیر نقصان کے اندیشے کے لینے دینے کے
عادی ہوگئے ہوں تاوقتیکہ ان کے اعتماد واعتبار کو ایک زبردست ٹھیس نہ لگے
وہ انھیں ایک عمدہ کرنسی ہی تصور کرتے رہیں گے۔ اس عادت کا اثر اتنا قوی
ہوجاتا ہے کہ لوگ میلے کچیلے کاغذ کے ایک پرزے کو جس پر ساورن کی ادائی کا
محض اقرار ہوتا ہے فی الحقیقت اصل طلائی خوشنما سکے پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ
اسکاٹ لینڈ کی کرنسی اس دعوے کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ ناروے کی بھی
یہی حالت ہے جہاں ۱۸۷۴ء تک چلن میں مطلقاً سونا موجود نہ تھا اور کرنسی صرف

ایک ۔ پانچ اور دس ڈالر کی نوٹوں پر مشتمل تھی ۔

زر نیابتی اور زر فلزی میں البتہ ایک بہت بڑا اور اہم فرق یہ ہے کہ زر نیابتی کی گردش اس ملک کے حدود کے باہر مطلقاً نہ ہوگی جس میں کہ وہ رواج یا قانون کی بدولت چلتا ہے سیاح اگرچہ کہ بنک آف انگلینڈ کی نوٹیں بسا اوقات بیرون ملک بھی لے جاتے ہیں اور وہ بہت سے مقامات پر بلا پس وپیش زر مقامی کی جگہ قبول بھی کر لی جاتی ہیں ۔ لیکن در اصل باہر ان کا چلن نہیں ہوتا وہ محض بطور لندنی ہنڈیوں کے لے لی جاتی ہیں جن سے لندن کی ادائیوں کا بآسانی کام نکل جاتا ہے ۔ ایک مقروض ملک اپنے قرضے کی ادائی میں بنک نوٹ دوسرے ملک کے حوالے نہیں کر سکتا ۔ نوٹ سے برخلاف اس کے ایک جدید قرضہ معرض وجود میں آتا ہے چنانچہ پیرس کے ساہوکار کے قبضے میں بنک آف انگلینڈ کی نوٹ گویا کہ بنک مذکور سے رقم مندرجۂ نوٹ کے وصول کر سکنے کا ایک وثیقہ ہے غرض صرف مستند زر فلزی ہی ایسا زر ہے جو غیر ملکی تاجروں کو قرضے کی ادائی میں ملک سے باہر بھیجا اور قبول کیا جا سکتا ہے اس لئے زر نیابتی میں بھی زر فلزی کو نکال باہر کرنے کی وہی قابلیت ہے جو گھٹیا اور ہلکے سکوں میں پائی جاتی ہے ۔

اور غیر نقد پذیر نوٹوں میں یہ بات بآسانی ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ ہوتا آیا ہے ایسی نوٹوں کا اجرا بڑھتا ہی جاتا ہے اور سکوں کی برآمد لازمی ہو جاتی ہے ورنہ کرنسی ضرورت سے زیادہ کثیر المقدار ہو جائے گی ۔ لیکن جب سکوں کا بڑا ذخیرہ برآمد ہو جاتا ہے تو غیر ملکی ادائیوں کے لئے اس کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے اور زر کاغذی اپنی منسوبہ قیمت سے گرنے لگتا ہے اور بہت سے لوگ فائدۂ آیندہ کے مد نظر سکے جمع کرنے لگتے ہیں حتیٰ کہ چند ہی دنوں میں چلن میں سوائے زر کاغذی کے اور کچھ باقی نہیں رہتا ۔ زر کاغذی کے اثر سے اس طور پر سکوں کا غائب ہو جانا بار بار واضح ہو چکا ہے ۔ چنانچہ انقلاب فرانس کی نوٹوں کے اجرا کے وقت یا جب کہ ۱۷۹۷ء و ۱۸۱۹ء میں بنک آف انگلینڈ نے

زر فلزی کی ادائی موقوف کر دی تھی اور گذشتہ جنگ امریکہ کے زمانے میں ظہور پذیر ہوا۔ زمانۂ حال کی سب سے واضح مثال اٹلی کی ہے جہاں ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک سونے چاندی کے خوشنما سکّوں کی بڑی مقداریں ضرب ہوئیں، لیکن جیسے ہی زر کاغذی کی غیر تبدیل پذیری کا اعلان ہوا کہ ایک زر فلزی کی ساری مقدار چلن سے غائب ہو گئی۔

اٹھارھواں باب

زر کاغذی کی تنظیم کے طریقے

اب آگے چل کر ان مختلف طریقوں پر غور کرنا سودمند ہوگا جن پر زر کاغذی کی اجرائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں علم المعیشت کے بڑے محیط میں شاید ہی کوئی مسئلہ اس سے بڑھ کر ردّ و قدح اور پیچیدگیوں کا مرکز رہا ہو لیکن امور واقعی کے تجزیے پر اگر ہم احتیاط سے کاربند رہیں تو عجب نہیں کہ ہم کو اس مسئلے کی ایسی صاف شکل نظر آ جائے جو اب تک بڑی بڑی پیچیدگیوں میں گھری رہی ہے۔ اس کے ابتدائی اُصول کچھ پیچیدہ نوعیت کے نہیں ہیں، اور اگر ان اُصول پر ہم مضبوطی سے قائم رہیں تو غالباً اُس دماغی پراگندگی سے محفوظ رہیں گے جس کا مسئلۂ زر کے مصنّفین بالعموم شکار ہوتے رہے ہیں۔

زر نیابتی کے اجرا کو حکومت زر کی تسکیک کے انتظام کی طرح یا تو اپنے ہاتھ میں لے لے یا افراد خانگی یا نیم سرکاری کمپنیوں اور متحدہ جماعتوں کو اجازت دیدے کہ وہ سخت قواعد و ضوابط قانونی کے تحت اس کام کو چلائیں۔ زر نیابتی کے سرکاری وغیر سرکاری اُجرا کے فوائد کا سرسری موازنہ تو ہم آگے چل کر کریں گے لیکن بہرحال طریقہ ہائے مندرجۂ ذیل قائم کر دئے جا سکتے ہیں جن سے اجرا کی مقدار کی تنظیم اور مواعید کی پابجائی کا اطمینان ہو سکتا ہے۔

(۱) سادہ امانت کا طریقہ: اس میں دستاویزات عندالمطالبہ کا جاری کرنے والا

پابند کیا جاتا ہے کہ وہ خام دھات اور سکوں کا ایک ذخیرہ جو غیر منسوخ شدہ نوٹوں کی مجموعی رقم کے مساوی ہو ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھے۔ اور رقم محفوظ سے صرف اسی قدر کمی ہو سکے جو ہر نوٹ کی پیش سازی پر فوری ادائی کی وجہ سے عمل میں آئے۔

۲۔ **جزوی امانت کا طریقہ:** اس میں بجائے اس کے کل ذخیرہ امانتی خام دھات کی شکل میں محفوظ رکھنا اجراکنندہ پر لازم قرار دیا جائے یہ اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ ایک مقررہ رقم کی حد تک امانت کو مدات سرکاری یا دیگر محفوظ اور سود مند کفالتوں میں منافع پر لگائے۔

۳۔ **اقل مد محفوظ:** یہاں اجراکنندہ بہرحال سکہ جات اور دھات کی ایک مقررہ اقل مقدار محفوظ رکھنے کا پابند ہوتا ہے۔

۴۔ **تناسب مد محفوظ کا طریقہ:** اس میں اجرا شدہ نوٹوں کی مقدار کے لحاظ سے ایک مقررہ نسبت کے ساتھ (مثلاً کل نوٹوں کا ایک ثلث یا ایک ربع) مد محفوظ کو گھٹنے بڑھنے دیا جاتا ہے۔

۵۔ **اجرا کی انتہائی حد بندی:** اس میں ایک خاص مقررہ مجموعی مقدار کی نوٹوں کے اجرائی کی اجازت دی جاتی ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں تعزیری جرمانے عائد کئے جاتے ہیں۔

۶۔ **رعایتی حد بندی:** مثل طریق سابق اس میں نوٹوں کی مجموعی رقم کی تو حد مقرر کر دی جاتی ہے۔ لیکن حد سے زیادہ اجرا کرنے کی صورت میں تاوان عمداً اس قدر خفیف رکھا جاتا ہے کہ اجراکنندہ کو بعض صورتوں میں بجائے اجرای کو محدود رکھنے کے تاوان کا ادا کرنا ہی سہل معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ **دستاویزی مد محفوظ کا طریقہ:** اس جائداد کا جو بمد محفوظ اجراکنندہ کو رکھنا لازم ہے طلائی و نقرہ وی سکوں اور خام دھات کی شکل میں رہنا ضرور نہیں سمجھا جاتا بلکہ اگر وہ سرکاری مدات تمسکات حصص اور دیگر دستاویزات کفالتی کی شکل میں رہے تو کافی ہے۔

۸۔ **محفوظ جائدادی:** اس میں اجراکنندہ کو اجازت ہے کہ وہ بجائے

صرف دستاویزی جائداد کے اور قسم کی جائدادوں مثلاً اراضی۔ مکان۔ جہاز حصص ریلوے وغیرہ کو بھی ایسا ذخیرۂ دولت تصور کرے جس سے معاہدات کی پابجائی ہوسکتی ہے۔

۹۔ طریق مبادلات خارجہ : اس میں کسی بڑے اور مشہور بنک کو اس سمجھوتے پر غیر تبدیل پذیر نوٹوں کی اجرائی کا اختیار دیا جاتا ہے کہ جب تک مبادلاتِ خارجہ کا توازن ملک کے خلاف رہے اور زر فلزی ہی کی برآمد منفعت بخش ہو وہ ذریعۂ چلنی میں اضافہ نہ کرے۔

۱۰۔ آزاد اجرائی کا طریقہ : اس میں پرامیسری نوٹوں کی اجرائی کا کام عام افراد کے آزاد مقابلے پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بجز ان قوانین کے جو تمام تجارتی معاہدات اور اقرارات سے متعلق رہتے ہیں کوئی روک ٹوک اور شرائط عائد نہیں کیجاتیں۔

۱۱۔ طریق مساواتِ طلا : یہاں پرامیسری نوٹوں کی شکل میں ایسا زر کاغذی جاری ہوتا ہے جو زر مسکوک میں تبدیل پذیر نہ ہوا اور اجرا کو اس وقت تک محدود رکھا جاتا ہے جب تک طلا پر کچھ بھی بڑھوتری مل رہی ہو۔ اس طریقے سے زر کاغذی اور اس زر مسکوک کی قدر میں جس کا یہ اسے نام کا غذ قائم مقام ہے توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔

۱۲۔ مداخل سرکاری کی ادائی کا طریقہ : غیر تبدیل پذیر زر کاغذی کی اجرائی آزادی سے ہوتی ہے اور اس کی قدر برقرار رکھنے کے لئے ٹیکسوں کی ادائی میں اس کو بجائے زر مسکوک کے قبول کر لیا جاتا ہے۔

۱۳۔ ملتوی نقد پذیری کا طریقہ : نوٹوں کی اجرائی اس وعدے پر ہو کہ کسی زمانہ آئندہ میں ان کے عوض زر فلزی ادا کیا جائے گا۔ یہ زمانہ یا تو صراحۃً مقرر کر دیا جاتا ہے یا اس کو کسی ملکی یا سیاسی واقعہ پر منحصر رکھا جاتا ہے۔

۱۴۔ طریق زر کاغذی : پرامیسری نوٹ کے اجرا کنندگان کو مواعید کی پابجائی سے بظاہر بالکل بری الذمہ کر دیا جائے تاکہ نوٹوں کا چلن یا تو عادت کے زور پر ہو یا حکم سلطانی کی بنا پر، یا اس وجہ سے کہ کوئی اور ذریعۂ مبادلہ بہ دست نہیں ہے۔

سطور مندرجۂ بالا میں میں نے زر کاغذی کی اجرائی کے کوئی چودہ طریقے

بتلائے ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کے علاوہ کسی اور طریقے پر وقتاً فوقتاً عمل نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ دراصل مواعید کے ایفا کی یا ان کے ایفا کو غیر ضروری بنا دینے کی تقریباً لامحدود شکلیں ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان مختلف طریقوں کی آمیزش یا ان میں تھوڑی بہت تبدیلی کرنے سے بیشمار نوعیتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ مثلاً محفوظ کو جزاً نقد اور جزاً کفالتی دستاویزات یا جائداد کی شکل میں رکھا جا سکتا ہے یا کسی ساہوکار کو ایک مقررہ مقدار کی نوٹیں بغیر محفوظ کی شرط کے جاری کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے اگر وہ مقررہ مقدار سے بڑھ کر جاری کرنا چاہے تو محفوظ کی شرط کی پابندی سے جاری کرے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام طریقوں کی توضیح و تشریح اور مقابلتہً ان کے محاسن و معائب اور ان مختلف ترکیبوں کے ضروری تذکرے کے لئے جس سے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر مختلف طریقوں کی آمیزش سے کام لیا گیا ہے ایک بڑی ضخیم کتاب درکار ہوگی۔ اس لئے اس چھوٹی کتاب میں اس وسیع مضمون کا میں ایک مختصر خاکہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) سادہ امانت — اطالیہ کی تجارتی جمہوریتوں کے امانتی بنکوں اور امسٹرڈم و ہمبرگ کے بنکوں اور انگلستان کے زرگروں میں جب تک کہ ان کا کاروبار امانتی سونے چاندی کی محافظت پر محدود رہا سادہ امانت کے طریقے کا ایک مکمل نمونہ نظر آتا ہے۔ اس طریقے پر جاری کی ہوئی نوٹیں مثل ڈاک وارنٹوں (دوتایق گودام) اور گروچٹھیوں کے جن کی ہم پوری وضاحت کر چکے ہیں خالص نیابتی نوعیت کی ہوا کرتی ہیں۔ اور جہاں تک قانون کے بس میں ہے ایسے مواعید کا ایفا بطور اطمینان کرایا جاتا ہے۔ مقدار بھی اس کرنسی کی مثل فلزی کرنسی کے اختلاف پذیر ہوتی ہے اور اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا کہ کاغذی زر دھات کی جگہ لے کر اس کا وبس نکالا کر دے گا کیونکہ جب تک بنکوں کے تہ خانوں میں دھات موجود نہ رہے ایسی نوٹوں کا اجرا ممکن ہی نہیں ہے۔

لیکن باایںہمہ اس طریق کے فوائد نسبتہً بالکل خفیف ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان نیابتی کاغذات کے استعمال سے صرف سکوں کی فرسودگی۔ ان کے شمار کی دقت اور حمل و نقل کی دشواریوں اور جوکھم سے نجات مل سکتی ہے۔ برخلاف

اس کے قوم کو اس تمام رقم کے سود کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے جو وہ ضرورت رکھی رہتی ہے اور یہی نقصان جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں فلزی کرنسی کے اخراجات کا بھی جزو اعظم ہوتا ہے حفاظت مقصود ہو تو سکے بھی لوگوں کے پاس کچھ کم محفوظ نہیں رہتے۔ دوسری جگہ اگر یہ بظاہر بالکل بے کار پڑے ہوئے ہوں اور کسی استبدادی حکومت کو ان پر دسترس حاصل ہو تو یہ بڑی تحریص و ستبرد کا باعث ہوں گے جیسا کہ چارلس اول نے ٹاور کی کل رقم ضبط کر لی تھی۔ اسی طرح جب ۱۷۹۵ء میں فرانسیسیوں نے ہالینڈ پر چڑھائی کرنے کے بعد اس ذخیرہ دھات کی تلاش کی جس کے متعلق قیاس تھا کہ امسٹرڈم کے بنک میں امانتہً محفوظ ہے تو اس کا کہیں پتا بھی نہیں ملا کیونکہ بنک سے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکام شہر نے پوشیدہ طور پر اس کو قرض لے لیا تھا۔ روسی حکومت بھی بنکوں کے محفوظ کو سنٹ پیٹرسبرگ کے قلعہ سے جوار کان اکسچینج کے نگرانی میں تھا بلا تامّل لے لیا کرتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۴۷ء کے واقعات سے مجبور ہو کر خود شہنشاہ روس نے اس کو اپنی خاص نگرانی میں رکھ لیا۔ بنکوں کی امانتوں پر حکومتوں کے اس طور پر ہتھا مارنے اور دھات کی ادائیوں کو موقوف کر دینے کی مثالیں کچھ کم نہیں انگریزی گورنمنٹ کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں ہے۔

(۲) جزوی امانت ۱۸۴۴ء کے بنک چارٹر ایکٹ کے تحت بنک آف انگلینڈ کی جو تنظیم ہوئی ہے وہ اس طریقے کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

یہاں پر پانچ پونڈ کی جدید نوٹ کی اجرائی پر بنک کی شاخ اجرا میں ۳۷، ۲۱۲ گرین سونا جمع کرا دینا ضروری ہے لیکن بنک کے تہ خانوں میں سونے کی مجموعی مقدار محفوظ رہتی ہے وہ مجریہ نوٹوں کی منسوبہ رقم سے بقدر پندرہ ملین پونڈ کم رہتی ہے۔ اس مستقل فرق کی کفالت جزءاً کفالتی دستاویزات ہوتی ہیں اور جزءاً تقریباً گیارہ ملین پونڈ کی وہ رقم ہوتی ہے جو گورنمنٹ کو بنک سے غیر سودی قرضے میں دی جاتی ہے۔ اس انتظام سے سادہ امانت کے پورے فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور قوم کو چار لاکھ پینتالیس ہزار پونڈ کا منافع بھی بطور سود مل جاتا ہے جس میں سے ہر سال ایک لاکھ اٹھاسی ہزار پونڈ گورنمنٹ کا حصہ ہوتا ہے۔ گورنمنٹ

اور بنک کے مابین اس کی بابت جو معاہدہ ہے وہ کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ فوراً اور سرسری طور پر اس کو واضح اور ذہن نشین نہیں کیا جا سکتا۔ مجملاً اس کا ماحصل یہ ہے کہ پندرہ ملین پونڈ کی امانت کا ایک بڑا حصہ خود گورنمنٹ دستگرواں قرض لے لیتی ہے اور بنک کو اجازت دیدیتی ہے کہ وہ مابقی رقم کو منافع پر لگا کر نوٹوں کی طباعت اور ضروری انتظامات کے مصارف کی پابجائی کر لے۔ چوبیسویں باب میں ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

سلطنت جرمنی میں نوٹوں کے اجرا کے متعلق جو جدید قانون وضع ہوا ہے اس کی بنیاد بھی طریق امانت جزوی ہی پر رکھی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ رعایتی حد بندی کے طریق کو بھی ممزوج کر دیا گیا ہے جس سے غالباً ایک بہتر صورت پیدا ہو گئی ہے۔

(۳) اقل مد محفوظ نوٹوں کی ادائی کو قابل اطمینان بنانے کے لئے ایک یہ طریقہ بھی تجویز کیا جاتا ہے کہ اجرا کنندہ پر یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ دھات (طلا) کی ایک مقررہ مقدار ہمیشہ محفوظ رکھے جس میں کسی حالت میں کمی نہ ہونے پائے۔ اس کی مصداق ایسی ہے گویا کسی شخص کو عسرت سے بچنے کے لئے ہمیشہ ایک شلنگ اپنے جیب میں رکھنے کا مشورہ دیا جائے۔ اقل مقدار طلا تو بہر حال محفوظ رکھنا لازم ہے اس لئے مطالبہ اور اس کی پابجائی کے وقت اجرا کنندہ کا جہاں تک تعلق ہے اس محفوظ کا عدم اور وجود یکساں ہے اور تاوقتیکہ مجلس مقننہ اور حکومت عاملہ کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنے اختیار تمیزی سے ایسے وقت جبکہ بنک پر مطالبات کا ہجوم ہو اس شرط کے نفاذ کو معطل کر دے ایسے مد محفوظ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

(۴) متناسب مد محفوظ اس طریقے میں عند المطالبہ ادائی کے مواعید کے اجرا کنندہ کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ سکوں کی ایک مخصوص تعداد مثلاً کل مجریہ نوٹوں کی رقم کا چوتھائی حصہ اپنے پاس محفوظ رکھے یہ اس طریقے کے بالکل مماثل ہے جس پر حال ہی میں ممالک متحدہ کے نیشنل بنک کی تنظیم قائم کی گئی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ منفردہ طور پر اس معاملے کو جاری کنندگان کے

اعتبا اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے غالباً یہی بہتر ہوگا کہ ان کو ایک خاص رقم بطور مد محفوظ رکھنے پر زور دیا جائے کیونکہ ساہوکار جیسے ہی یہ محسوس کرے گا کہ مد محفوظ گھٹتے گھٹتے قانونی حد تک پہنچ رہا ہے وہ خود بخود مزید احتیاط پر مجبور ہو جائیگا تاکہ اس کا کاروبار قانون کے خلاف نہ ہو جائے۔ لیکن اگر تجارت اور ساکھ کی حالت ناموافقت زمانہ سے ابتر ہو جائے اور نوٹیں کثرت سے ادائی زر کے لئے پیش ہوں تو زر قانونی کے محفوظ میں بمقابلہ نوٹوں کی مقدار کے (جو بہت بڑی ہوتی ہے) ایک بڑے تناسب سے کمی ہو جاتی ہے مثلاً اگر اجرا شدہ نوٹوں کی رقم ایک لاکھ ڈالر ہو اور محفوظ کی مقدار چالیس ہزار تو یہ ظاہر ہے کہ بیس ہزار کی نوٹوں کی پیش سازی سے اعداد میں یہ تبدیلی ہوگی کہ مجریہ نوٹیں تو اسی ہزار کی ہونگی اور محفوظ صرف بیس ہزار رہے گا۔ جب کہ محفوظ کا ایک ربع ہونا لزوم قانونی ہے تو اب کسی اور نوٹ کی ادائی ممکن نہیں رہتی پس جوں ہی ایک ساہوکار نے اپنے مد محفوظ کو ادنیٰ حد قانونی تک پہنچتے دیا اسی وقت سے محفوظ پر اس کو دسترس حاصل نہیں رہتا تاوقتیکہ قانون کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور قانون اسی وقت کار آمد ہوتا ہے جب اس کی خلاف ورزی عمل میں آئے۔ اس طریق پر اگر پوری طرح عمل کیا جائے تو یہ طریقہ بالکل اقل محفوظ کے مانند ہو جاتا ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ اس میں ساہوکار ایسے وقت جب کہ اس کو شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے اپنے محفوظ کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اس سے جو آفت پیش آتی ہے اس کا ممالک متحدہ میں ۱۹۰۷ء کی ہنگامی میں کماحقہ احساس ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں اس طریق پر نوٹوں کے اجرا کو قائم کرنے سے توسیع اجرا کی تحریصات کے سدباب میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ ہر ایک زائد نوٹ کی قدر کا بڑا حصہ جو چلن میں رکھی جاتی ہے بنک کے سرمایہ قرض دہائی میں منفعت کا اضافہ ہے اور جب تک وہ چلن میں رہے ساہوکار کی منفعت کا باعث ہے۔

(۵) اجرائی کی انتہائی حدبندی کسی ایک یا زیادہ بنکوں کو پرامیسری نوٹوں کی ایک مجموعی اور مقررہ مقدار کی حد تک اجرائی کی اجازت دیکر اس سے

بڑھنے کی ممانعت کر دینا ایک ایسی بات ہے جس کو میں اصول سیاست مدن کے
بالکل نقیض نہیں سمجھتا۔ اس سے ایک تو ذریعہ چلنی کے ایک حصے کے سود کی
بچت ہوتی ہے اور دوسرے ایک سہولت بخش و کم خرچ کرنسی بھی مہیا ہو جاتی
ہے ماسوا اس کے ایسی نوٹوں کے اجرا سے سونا ایک مقررہ مقدار سے زیادہ
ملک سے برآمد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسٹر آر انگلش پالگریو اور بعض
دوسرے مصنفین اس اعتراض پر زور دیتے ہیں کہ لوگوں کو زیادہ زر کی حاجت ہے
اس لئے ایسی حدبندی ایک قسم کی سختی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ
ضرورت ہو تو اس کی جگہ زر فلزی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حدبندی دراصل
زر پر نہیں ہے بلکہ اس کے نیابتی جزو پر ہے اور اگرچہ کہ اس حدبندی سے اس
سود کی بچت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جو بڑی مقداروں کی اجرائی سے
پیدا ہوتی ہے لیکن اس نقصان کی تلافی میں یہ حقیقت کیا کم ہے کہ ہم سونے کی
مقدار کی ایک فرضی کثرت پیدا کرنے کی جوکھم سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس طریقے کی توضیح و تشریح انگلستان کے ان (۷۰) بنکوں سے بخوبی
ہو سکتی ہے جن کو اب نوٹ جاری کرنے کی اجازت ہے۔ ۱۸۴۴ء کے قانون
میں سر رابرٹ پیل نے یہ شرط رکھی تھی کہ یہ بنک بلا لحاظ مد محفوظ بفراغت
نوٹوں کی اجرائی کرتے رہیں بشرطیکہ اجرا کی مقدار اس اوسط سے زیادہ نہ ہو
جو ایک مقررہ دن کے بارہ ہفتے قبل کی اجرائی کا ہو۔ اس طرح مشخص کی ہوئی مقدار
سے اگر کسی کی اجرائی بڑھ جائے تو اس کو اتنی رقم بطور جرمانہ دینی ہوگی جو بیشی اجرائی
ماہانہ کے اوسط کے برابر ہو۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے ان تمام بنکوں پر جو نوٹیں
جاری کرتے تھے اپنی اجرائی کے متعلق اقرار صالح سے تصدیق کرنا لازم قرار
دیا گیا تھا۔

(۶) رعایتی حدبندی اس نئے طریقۂ انتظام کے لئے جو سلطنت جرمنی کے
بنک ایکٹ سے قائم ہوا ہے مجھے عنوان مذکورۂ بالا
سے کوئی بہتر نام نہیں ملتا۔ جہاں تک کہ بنک نوٹوں کی اجرائی کا تعلق ہے جرمنی
کے بنکوں کا نظم و نسق انگلستان کے انتظام سے تقریباً بالکل مشابہ ہے نئے

امپیریل بنک اور دوسرے سرکاری یا خانگی بنکوں کو جو لوازمات قانون کی پابندی کریں یہ اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ مجموعی طور پر (۲۸۰) ملین مارک کی حد تک بلا حمایت طلا نوٹیں جاری کریں۔ وہ اس سے بھی زیادہ نوٹیں جاری کر سکتے ہیں لیکن مزید اجرائی کے ہم قدر سونا امانت رکھنا پڑتا ہے۔ یہاں تک تو یہ طریقہ جزوی امانت کے طریق کے مماثل ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بہ لحاظ اس کے کہ انگلش بنک چارٹر ایکٹ کی خلاف ورزی ابتلا و ابتری کو روکنے کے لئے کئی بار کی جا چکی ہے جرمنی کی مجلس مقننہ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ پانچ فیصد ٹیکس ادا کرنے پر حسب ضرورت زیادہ نوٹیں جاری کی جا سکتی ہیں۔ اس شرط کی غرض و غایت یہ ہے کہ مقررہ حد سے بڑھکر نوٹوں کے جاری کرنے میں کوئی فائدہ باقی نہ رہے۔ توقع ہے کہ اس شرط کا نتیجہ نہایت مفید ہوگا۔ ہمارے طریقے کی یہ ایک موزوں اصلاح ہے۔ انگریزی گورنمنٹ نے تو ہمیشہ بنک آف انگلینڈ کو مزید مقدار کی نوٹوں کے سوا سے بنک ایکٹ کی معدودی کے زمانے میں بالکل محروم ہی رکھا ہے لیکن جرمنی قانون نے بہرحال اجرائی کی حد کو لچکدار بنا دیا ہے تاکہ ابتلا اور ابتری کا خطرہ ہی باقی نہ رہے۔

(۷) دستاویزی مد محفوظ

نوٹوں کی تبدیل پذیری کا اطمینان دلانے کے لئے اگر نوٹ جاری کرنے والے بنک یہ بتلا دیں کہ ان کے پاس کثیر سرمایہ سرکاری وثایق تمسکات۔ خزانہ کی براتوں کرایہ چٹھیوں اور معتبر تجارتی ہنڈیوں کی شکل میں موجود ہے تو کافی ہے۔ ان سے بنکوں کی قابلیت ادائی برقرار رکھی جا سکتی ہے اور اگر تھوڑی گنجائش کی رعایت کر دی جائے تو نوٹوں کا بالآخر ادا نہ کیا جانا تقریباً ناممکن نظر آتا ہے لیکن اس بحث میں ہم ایک امر واقعی کو نظر انداز کر رہے ہیں یعنی یہ کہ بنک نوٹ سونا یا قانون زر فلزی عند الطلب ادا کرنے کی وعدہ چٹھیاں ہیں اور نوٹوں کی بالآخر ادائی اور ادائی عند الطلب میں بڑا فرق ہے۔ دستاویزی محفوظ کی حالت میں کثیر مقداروں کی ادائی اسی وقت ممکن ہے جب کہ وثایق اور تمسکات کو زر فلزی کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ لیکن نوٹیں ادائی کے لئے تو اسی وقت پیش ہوتی ہیں جب کہ سونے چاندی کی

قلّت رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عمدہ سرکاری وثایق اور اچھی ہنڈیاں ہر وقت کچھ نہ کچھ قیمت پر فروخت ہو سکتی ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ایک بنک کی قوم اپنی قابلیت ادائی کو ایسے محفوظ سرمایہ سے ہمیشہ برقرار رکھ سکتی ہے لیکن قوم کے لئے ایسا مداوا مرض سے بڑھ کر خطرناک ہے کیونکہ سرمایۂ محفوظ دستاویزی کی جبری فروخت سے زر کی منڈی میں کچھ ایسا ہیجان پیدا ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے نوٹوں کی ادائی کی مسدودی سے بڑھ کر قوم خسارے میں رہے گی۔ ادائی عندالطلب کا مطلب ہی یہ ہے کہ ادائی کے لئے کافی سونا چاندی موجود ہے اور جب ملک میں دھات خام اور زر نقد ہی کافی موجود نہ ہو تو کاغذی دستاویزات یا آئندہ کی ادائی کے وعدے کیونکر برقرار رہ سکتے ہیں۔

۸۔ محفوظ جائداد مسئلۂ کرنسی کے اکثر نظریہ دانوں کا خیال ہے کہ نوٹوں کی بازادائی کے اطمینان کے لئے صرف ایک شئے یعنی طلا پر انحصار نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس غرض کے لئے اراضی مکانات یا اور کوئی جائداد غیرمنقولہ کو بھی رہن رکھا جا سکتا ہے۔ جان لا کی مشہور عام اسکیم اسی نوعیت کی تھی۔ اس نے اپنی مشہور و معروف تصنیف مطبوعہ ۱۷۰۵ئہ میں (جس میں تجارت اور زر کے اس پہلو پر بحث کی گئی تھی کہ قوم کو سرمایہ بہم پہنچانے کے لئے کونسی تجویز اختیار کرنی چاہیئے) یہ تجویز پیش کی تھی کہ نوٹوں کو مسکوک کرنے کے لئے کمشنر مقرر کئے جائیں اور یہ نوٹیں جب ادائیوں میں پیش ہوں تو زر قانونی کی طرح ان کو قبول کر لیا جائے۔ اراضی کی کفالت پر ایسی نوٹوں کے اجرا کے اس نے تین طریقے علی سبیل البدل پیش کئے ہیں۔ پہلا اور سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ مالکانِ اراضی کو اراضی کی ثلث مالیت یا نصف کی حد تک معمولی شرح سود سے قرض دیا جائے۔ ان نوٹوں کو بے قدری سے محفوظ کرنے کے لئے احتیاطاً اس نے یہ شرط رکھی ہے کہ ہمیشہ زر نقروی میں قیمتوں کا تخمینہ کیا جائے۔

فرانس کی انقلابی حکومت کے پروانہ جات اُس اراضی کے قائم مقام تھے جو گرجا کی جائداد منضبطہ کا ایک جزو تھی۔ ان کے متعلق قرار دادیہ تھی کہ جوں جوں لوگ اراضی کو خریدتے جائیں ان پروانہ جات کو مسترد اور منسوخ کر دیا جائے گا۔

لیکن چونکہ ایسی زمینات کی قیمت پہلے سے متشخص نہیں ہوئی تھی اور اصلی قیمت اور قیمت منسوبہ کے مابین کوئی تناسب نہیں قائم کیا گیا تھا پروانہ جات کی قدر اصلی قیمت سے بلحاظ حصے تک گرتی گئی خواہ کتنی ہی اراضی کیوں نہ دی گئی ہو اس زوال قیمت کا سدباب نہ ہو سکا۔ بعد میں جو پروانہ جات جاری کئے گئے ان میں اراضی کی قیمت کو متشخص کر دینے کی حتی الوسع احتیاط کی گئی لیکن یہ تجویز بھی کارگر نہ ہوئی فریڈرک اعظم نے جس کا خزانہ جنگ کی وجہ سے خالی ہو گیا تھا اپنے خزانے معمور کرنے کے لئے جو غیر تبدیل پذیر رہن نامہ جاتِ اراضی جاری کئے تھے اسی نوعیت کے تھے لیکن ان پر سود بھی دیا جاتا تھا۔

کسی قرضے کی بالآخر ادائی کی ضمانت کے لئے اراضی بلاشک وشبہ ایک بہت عمدہ شئے ہے اور جب قرضہ طویل المدت ہو تو اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کفالت ہو نہیں سکتی لیکن نیابتی بنک نوٹوں کا منشا تو یہ ہے کہ وہ ایسے سونے کے مساوی ہوں جو عندالطلب واجب الادا ہو۔ اور ضرورت کے وقت اگر سونا حاصل کرنا چاہیں تو اراضی سے بڑھ کر کوئی اور شئے دقت طلب نہیں ہے اس لحاظ سے تو سرکاری خزانہ کی برات اور تمسکات کا محفوظ ہی اس سے بہتر ہے۔

زر کاغذی کی فراہمی میں اس طریقے کو اختیار کرنے کی بالعموم اس وجہ سے رائے دی جاتی ہے اس سے وہ ذخیرۂ زر جو استعمال میں رہتا ہے بہت بڑھ جاتا ہے اور قوم کی دولت وافر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف یہ بھی باآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ زر چلنی کے ذخیرے میں جیسے جیسے بیشی ہوتی جائے گی اس کی قدر زائل ہوتی جائے گی۔ ہر صنعت کی ایک خاص حالت میں زر چلنی کے ایک مخصوص ذخیرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نوٹ میں فی الحقیقت منسوبہ رقبۂ اراضی یا کسی اور مادی شئے سے تبدیل پذیر ہوں تو ان کو کثرت کے ساتھ ادائی کے لئے پیش کیا جائے گا۔ پس یہ فرض کرنا کہ کرنسی کو ملک کی اراضیات کے ایک بڑے حصے کی مجموعی قدر کے ساتھ برابر رکھا جا سکتا ہے صریحاً ایک مہمل بات ہے۔

۹۔ انتظام بذریعہ مبادلاتِ خارجہ اس صدی کے اوائل میں بنک کے ڈائرکٹروں کی نظروں میں اس نظریہ کی بڑی وقعت تھی کہ

زر کاغذی کا انتظام صرف غیر ملکی تبادلے کی شرح کے مطالعے سے باحسن الوجوہ ہوسکتا ہے یعنی جب کبھی شرح مبادلہ گھٹ جائے اور خام دھات کی برآمد سے یہ معلوم ہو کہ زر کاغذی کم قدر ہوگیا ہے تو فوراً نوٹوں کی اجرائی محدود کردی جائے، چنانچہ مشہور و معروف بُلین رپورٹ کی مخالفت میں جو طریقے پیش کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس مسئلے کے لاانتہاہی مباحث کا خلاصہ سٹر ہیکلیڈ کی کتاب الموسوم بہ "بنکنگ" کی دوسری جلد کے نویں باب میں مل سکے گا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ انتظام نہ کرنے سے غیر ملکی مبادلے کے ذریعے انتظام کرنا ضرور بہتر ہے لیکن اگر اس پر پوری طرح عمل کریں تو اس کے نتائج ٹھیک وہی ہوں گے جو طریقۂ امانت سے حاصل ہوتے ہیں فرق یہی ہے کہ یہاں ان نتائج کو بالواسطہ اور دُور کی راہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ آزاد اجرائی کا طریقہ

یہاں اور امریکہ میں ماہرین معاشیات کا ایک گروہ ایسا ہے جو اس معاملے میں پوری آزادی کا حامی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہر شخص جتنی نوٹیں چاہے جاری کرلے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اس کو اتنے نوٹ قبول کرنے والے بھی مل جائیں۔ اس کا نام انھوں نے آزاد نظام ساہوکاری رکھا ہے۔ لیکن یہ نام بالکل درست نہیں کیونکہ نوٹوں کا جاری کرنا کچھ ساہوکار کا منصب ضروری نہیں ہے چنانچہ انگلستان میں اکثر بنک ایسے ہیں جو سرے سے نوٹ جاری ہی نہیں کرسکتے۔ اس مضمون پر ہم آئندہ تفصیل سے بحث کریں گے یہاں اتنا اور کہہ دینا کافی ہے کہ غیر محدود اجرائی کے نظام میں ہر ساہوکار اپنی جاری کی ہوئی نوٹ کی ادائی کرنے پر قانوناً مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن اس غرض کی تکمیل کے لئے وہ کوئی مقررہ رقم بطور محفوظ رکھنے کا پابند نہیں ہوتا۔ محفوظ رکھنا نہ رکھنا بالکل اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ بطور ایک عام قاعدے کے اس میں تو شک نہیں کہ ایسی نوٹوں کی ادائی ہوگی ضرور لیکن تجارت کے عظیم اتار چڑھاؤ کے مدنظر جو ان دنوں نسبتاً زیادہ نمایاں ہو رہے ہیں ایسے موقعے بھی پیش آئیں گے کہ لوگ نوٹوں کی ادائی کے لئے ایک دم ٹوٹ پڑیں۔ تجربے سے ظاہر ہے کہ بعض اشخاص خوش قسمتی پر ضرورت سے زیادہ

بھروسہ کیا کرتے ہیں یقیناً یہ لوگ ایسے موقعوں پر باوجود اس کے کہ بالآخر ادا نہ کرنے کی نیت نہ رکھتے ہوں لیکن اپنے مواعید کی پابجائی سے قاصر رہیں گے۔

۱۱۔ طریق مساوات طلا غیر نقد پذیر زر کاغذی کے اجرا اور انتظام کو اگر بالکلیہ گورنمنٹ کے ہاتھوں میں رکھا جائے تو اس نظام کی بہت سی خرابیاں دُور ہو جائیں گی مثلاً جونہی یہ محسوس ہو کہ سونے کی قیمت کے لحاظ سے زر کاغذی نارمل یعنی مساوات مقررہ سے کم قدر ہو رہا ہے تو نوٹوں کی اجرائی حسب ضرورت کم یا محدود کر دی جائے۔ اس تدبیر سے اس نظام کے بہت سے نقائص دُور ہو جاتے ہیں۔ جب تک کہ نوٹیں ان طلائی سکوں کے پہلو بہ پہلو جن کے وہ برائے نام نیابت کرتی ہیں مساوات سے چلتی رہیں اس وقت تک وہ گویا نقد پذیر ہی متصور ہوں گی۔ فرانس اس اصول پر جنگ فرانس و پرشیا کی ابتدا سے ابتک نہایت کامیابی سے عمل کرتا رہا ہے اور باوجود اس ملک کی مالی اور سیاسی مشکلات کے یہ غیر نقد پذیر نوٹیں نصف یا زیادہ سے زیادہ یک فیصد سے بڑھ کر گھٹیا نہ ہوئیں لیکن غیر نقد پذیر زر کاغذی کے اس طرح زیادہ گھٹیا نہ ہونے کی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں۔ انگلستان میں جب نقد کی ادائیاں محدود کر دی گئیں طلائی خرید و فروخت پچیس فیصدی کی بڑھوتری سے ہونے لگی تھی۔ بریں ہم فاکس اور فان شارٹ اور دوسرے سربرآوردہ ہم عصر لوگ اسی پر اصرار کرتے رہے کہ زر کاغذی کو گھٹیا کہنا ایک بیہودہ سی بات ہے۔ الغرض مضمون زر کے متعلق لوگوں کی عصبیت اس قدر لایعنی ہوتی ہے کہ اس کے انتظام کو کسی کی قوت تمیز پر چھوڑ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

۱۲۔ نقد پذیری بذریعۂ ادائی مداخل سرکاری بہت سی صورتوں میں گورنمنٹوں نے نہ صرف ٹیکسوں کی ادائی میں نوٹ قبول کرنا منظور کرکے بلکہ ان کے اس استعمال کو لازمی قرار دیکر اس کی قدر کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ روسی حکومت نے پروانوں کی اجرائی کے وقت زر کاغذی کو مسی سکوں کے عوض ایک مقررہ شرح سے قبول کیا اور یہ لازمی قرار دید یا کہ کم از کم بیسواں حصہ ایسی ادائی کا نوٹوں کی شکل میں ہو۔ عہد انقلابی کے فرانسیسی پروانہ جات بھی سرکاری خزانوں پر قبول کر لئے جاتے تھے اس طریقے سے

اگر مندرجۂ ذیل دو شرطوں کی پابندی کی جائے تو نوٹوں کی قدر برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ اول تو یہ کہ خود ٹکس اور محصولات ایک مقررہ شرح سے عائد کئے جائیں دوسرے نوٹوں کے اجرا کو ایک ایسی مناسب حد کے اندر رکھا جائے کہ اگر کوئی شخص نوٹوں کے عوض زر فلزی حاصل کرنا چاہے تو اس کو ایسا شخص بہ آسانی مل جائے جو ٹیکسوں کی ادائی کے لئے نوٹوں کا ضرورت مند ہوا ور زر فلزی نوٹوں کے عوض دینے کے لئے آمادہ ہو لیکن عملاً ان شرایط کا بہ آسانی تکمیل پانا کچھ قرین قیاس نہیں نظر آتا۔

ممالک متحدۂ امریکہ کی گرین بیاک کرنسی کے متعلق یہ قرار دیا گیا تھا کہ وہ ملکی اسٹامپ کے عوض قبول کی جائیں اور بجز چنگی کے محصول کے دیگر تمام محصولات اور ٹکسوں کی ادائی میں بعض مخصوص رقوم کی حیثیت سے منظور کر لی جائیں لیکن محض اس وجہ سے کہ اس تدبیر سے کچھ نوٹ چلن سے اٹھالئے جائیں ان کے گھٹیا ہونے کا معقول سد باب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ پھر بہت جلد گورنمنٹ کے ضروری مصارف کے مد نظر ایک اضافے کے ساتھ چلن میں شامل ہو جاتے ہیں۔

بعض ملکوں میں تھوڑے پیمانے پر ڈاک کے ٹکٹوں کا بطور کرنسی استعمال ہو رہا ہے چنانچہ امریکہ کی جنگ کے ابتدائی زمانے میں ان کا بطور زر کسری کثرت سے استعمال ہوتا تھا اور انگلستان میں تو اب بھی یہ ایک مسلمہ زر ادائی تصور کئے جاتے ہیں کیونکہ اکثر عاملان سررشتہ ڈاک ان کو ڈھائی فیصد گھٹوت کے ساتھ پھر خرید لیتے ہیں بشرطیکہ وہ دو یا زیادہ غیر منقطع ٹکٹوں کے پارچے کی شکل میں پیش کئے جائیں۔ اس بازخریدی کے قطع نظر بھی چونکہ اسٹامپ اتنی بڑی کثرت سے استعمال اور منسوخ ہوتے رہتے ہیں کہ باوجود بڑی سے بڑی زیادتی اور کثرت کے بھی ان کی قدر میں بہ مشکل کوئی زوال ہو سکتا ہے اور چھوٹی رقوم مثلاً نصف پینی سے پانچ شلنگ تک کی ادائیاں ایسے ٹکٹوں کے ذریعے سے نہایت آسانی اور بغیر کسی صرفے کے عمل میں آسکتی ہیں لہذا اگر کسی وقت پنس کے بجائے کسی کو پینے کے ٹکٹ دیدیئے جائیں تو لینے والے کو پس و پیش یا تامل نہیں ہوتا مگر ان ٹکٹوں کو اگر بڑے پیمانے پر چلایا جائے تو شاید ہی اس سے بدتر کوئی کرنسی ہو سکے۔

ملتوی نقد پذیری

سرمائے کی سخت ضرورت کے وقت باغی یا مصروف بہ جنگ حکومتوں کے لئے دستاویزات کا اس وعدے سے جاری کرنا کہ استقلال کے بعد زر نقد ادا کر دیا جائے گا ایک عام اور سہولت بخش ذریعہ فراہمی سرمایہ کا ہے جب مدت کے لحاظ سے ان پر سکو بھی دینے کا وعدہ کیا جائے تو ان کو تمسک سمجھنا چاہیئے۔ کو سوتھ نے نیو یارک میں ہنگری کے فنڈ کی فراہمی کے لئے جو نوٹ جاری کئے تھے وہ اسی نوعیت کے تھے۔ ان کی ادائی کا وعدہ خود مختار سلطنت ہنگری کے قیام پر مبنی تھا۔ مشہور و معروف ڈاکٹر نے بھی بہ حیثیت عارضی صدر جمہوریہ نگرا گوا اسی قسم کے تمسکات اپنی دستخط سے جاری کئے تھے لیکن اس قسم کی کرنسی کی سب سے بہترین مثال ریاستہائے متحدہ کی وہ برائتیں ہیں جس کی ابتدائی اجرائیوں کے متعلق یہ قرار داد تھی کہ ممالک متحدۂ امریکہ سے صلح ہونے اور صلح نامہ کی توثیق ہو جانے کے چھ ماہ بعد ان کی ادائی عمل میں آئے گی۔ بعد کی اجرائیوں میں توثیق صلح نامہ کے بعد ایک سال کی مدت قرار پائی تھی۔

ایسی تمام دستاویزات کو غیر مشخصہ قدر کے وثائق طویل المدت تصور کرنا چاہیئے۔ چونکہ جنگ کے زمانے میں لوگوں کے قومی جذبات غیر معتدل رہتے ہیں اس لئے ایسی دستاویزات رائج ہو جاتی ہیں اور کرنسی کی ضرورت کے مدنظر کچھ عرصے تک ان کا عام طور پر چلن بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی قدریں بہت بڑے تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور بالآخر ان کی ادائی ہونے کی مثال تو شاید ہی کہیں مل سکے۔

۱۴۔ غیر نقد پذیر زر کاغذی

بالآخر اب ہم اس بے نقاب زر کاغذی کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس کو جاری کرتے وقت حکومت یہ حکم بھی جاری کر دیتی ہے کہ ان کا لین دین بھی مثل زر قانونی عمل میں آئے۔ ہر صورت میں ایسی غیر نقد پذیر کاغذی نوٹ یا تو بہ طور نقد پذیر نوٹوں کے یا ان نوٹوں کی قایم مقامی کے لئے جاری کئے جاتے ہیں اور بہرحال ان پر زر کی تعداد درج ہوتی ہے مثلاً فرانس میں جو سو فرانک کے نوٹ ہیں ان پر یہ مبہم عبارت درج ہے

دبان پورسنٹ فرانکس (Bon pour cent francs) بیونا س ایرس میں جو نا کارہ ردی کے پرزے چلتے ہیں ان پر ان پیسو ماتی وٹا کوریئنٹ (Un Peso Moneda Corient) لکھا ہوا رہتا ہے جس سے اس زمانے کی یاد تازہ ہوتی ہے جب کہ پیسو ایک بھاری مستند سکہ تھا۔ باوجود اس کے کہ ایسے نوٹوں کی غیر نقد پذیری تیقن ہوجاتی ہے مگر چونکہ لوگ ان کے استعمال کے عادی ہوجاتے ہیں یا اس خیال سے کہ آخر کوئی نہ کوئی زر استعمال ہی کرنا ہے اور کوئی دوسرا زر موجود نہیں ہوتا انہی کا استعمال ہونے لگتا ہے اور اگر کوئی دوسرا زر ہوتا بھی ہے تو اس کو آیندہ کی منفعت یا آیندہ استعمال کرنے کی غرض سے ذخیرہ کر رکھتے ہیں۔ یہ بات کافی شہادت سے ثابت کی جاسکتی ہے کہ اگر غیر نقد پذیر زر کاغذی کی مقدار احتیاط کے ساتھ محدود رکھی جائے تو اس کی قدر برقرار رہ سکتی ہے جیسا کہ ۱۷۹۷ء میں بنک آف انگلینڈ کی نقد ادائی بند کردینے کے بعد بھی نوٹوں کی قدر برقرار رہی یا جیسی کہ فرانس کی موجودہ نوٹوں کی حالت ہے۔

غیر نقد پذیر زر کاغذی پر حسب ذیل دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں ضرورت سے زیادہ اجرائی کی تحریص و ترغیب ہوتی ہے جس سے نوٹوں کی قدر میں زوال پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ بلحاظ ضروریات تجارت اس کی مقدار میں کمی بیشی کرنا ناممکن ہے۔

زر کاغذی کی ضرورت سے زیادہ اجرائی

زر کاغذی کی غیر ضروری اجرائی کے (جس سے تقریباً ہمیشہ نقد پذیری کی ضرورت قانونی ہی مفقود ہوجاتی ہے) قصۂ پارینہ کا اعادہ بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔ چند جدید نوآبادیات برطانیہ کے سوائے شاید ہی کوئی ایسا متمدن ملک ہوگا جس کو زر کاغذی کے تباہ کن اثرات سے کبھی نہ کبھی دوچار نہ ہونا پڑا ہو۔ روس میں تو گھٹیا زر کاغذی کوئی سو سال تک چلتا رہا اس کی تفصیلی سرگذشت یم او لوسکی کی تصنیف الموسوم بہ "مالیات روسیہ" سے معلوم ہوسکتی ہے۔ بارہا شاہی فرامین کے ذریعے سے اس زر کاغذی کی اجرائی کو محدود کیا گیا لیکن ہر لڑائی کے موقع پر اس کی اجرائی فزوں تر ہوتی گئی۔ اٹلی۔ آسٹریا اور ممالک متحدہ ایسے ممالک ہیں جہاں بڑے بڑے

ماہرین معاشیات اس معاملے میں رہنمائی کر سکتے ہیں لیکن ان ملکوں میں بھی لوگ غیر نقد پذیر زر کاغذی کے مضر اثرات کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہیں نیو انگلینڈ اور بعض دوسری ان ریاستوں کے ابتدائی زمانے میں جو ائتلاف امریکی کے نام سے موسوم ہیں زر کاغذی رائج اور منتج بہ تباہی ہوتا رہا جس کے تفصیلی حالات پروفیسر سمرسن کی جدید دلچسپ کتاب تاریخ زر امریکی میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ ان نتائج سے بعض بڑے مدبرین نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا چنانچہ ویبسٹر نے اس بارے میں جو اظہار خیال کیا تھا وہ ہرگز بھولنے کے قابل نہیں۔ زر کاغذی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ "اس بلا سے ہم نے آئے دن جو صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ دوسرے تمام مصائب ان کا پاسنگ بھی نہیں۔ ہمارے دشمنوں کے آلات حرب اور چالبازیوں نے بھی اتنی مصیبت نہیں ڈھائی اور نہ ہمارے بہترین مفاد ملکی میں اس قدر ابتری پھیلائی ہے"۔

بقول پروفیسر گراہم غیر نقد پذیر زر کاغذی کی اجرائی کی اکثر اس وجہ سے سفارش کی جاتی ہے کہ گورنمنٹ کے مالیات کی نازک اور مایوس کن حالت میں لوگوں سے جبریہ قرض لینے کا یہ ایک سہل ترین طریقہ ہے۔ گو یہ بالکل صحیح ہے کہ اس ترکیب سے نہایت آسانی کے ساتھ لوگوں سے روپیہ اینٹھا جا سکتا ہے اور گورنمنٹ کے قرضہ جات میں کمی ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر عام مقروض بھی اپنے قرض خواہ سے ایک جبری حصہ لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایسی گورنمنٹ کی حالت یقیناً نہایت یاس انگیز ہے جو اس طرح ان تمام معاشرتی معاہدات اور تعلقات کے رشتے کو توڑنے کی جرأت کرتی ہے جن کا قیام گورنمنٹ کی اصل غرض و غایت ہونی چاہیئے۔

زر کاغذی میں لچک کا فقدان

غیر تبدیل پذیر زر کاغذی پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تجارت کے فطرتی عمل کے لحاظ سے اس کی مقدار میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی نہ تو کوئی اس کو سکوں کی طرح درآمد برآمد کر سکتا ہے اور نہ کسی سے بجز گورنمنٹ یا مقتدر بنکوں کے اس کی مزید اجرائی یا تنسیخ ہو سکتی ہے اس لئے تجارت کی جب گرم بازاری ہوتی ہے تو سوائے گورنمنٹ کے

حکم کے ذریعے چلن کی مطلوبہ مقدار کی فراہمی ہو نہیں سکتی اور اگر فراہمی ہونے کے بعد یہ چلن میں آجائے تو کساد بازاری کے وقت اس کی بہتات اور بے قدری ہو جاتی ہے۔ گورنمنٹ کے باخبر سے باخبر صیغے پر بھی یہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دانشمندی اور غیر جانبداری سے اس کا صحیح اندازہ کرے گا کہ زر کی کس قدر ضرورت ہے مثل دیگر تمام اشیاء کے زر کی فراہمی بھی قوانین طلب و رسد کے آزاد عمل کے لحاظ سے ہونی چاہیئے۔

بعض حضرات یوں بحث کرتے ہیں کہ زر کاغذی کا بطور دیسی کرنسی رہنا مناسب اور ضروری ہے چونکہ وہ ملک کے باہر نہیں جا سکتی اس لئے بدیسی تجارت کے خلل انداز اثرات سے محفوظ رہے گی لیکن لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ دیسی اور بدیسی تجارت میں باہم چولی دامن کا ساتھ ہے اور تا وقتیکہ بدیسی تجارت بالکلیہ مسدود نہ ہو جائے ان میں جدائی ممکن نہیں۔ اگر دو ملک رشتۂ تجارت قائم رکھنا چاہتے ہیں تو قیمتی دھاتیں ہی بین الاقوامی ذریعۂ مبادلہ باقی رہیں گی اور اسی سے رقوم واجب الادا کا تصفیہ ہوگا اس لئے ہر تاجر کو مال کی فرمایش وارسال اور فروخت کرتے وقت ان کی قیمت زر کاغذی کا نہیں بلکہ طلائی یا نقرئی قیمت کا جو فی الاصل واجب الادا ہوگی لحاظ رکھنا ہوگا۔ الغرض سونا اور چاندی بطور حقیقی معیار قدر کے قائم ہیں اور تغیر پذیر زر کاغذی محض ایک مزید اصطلاح موازنہ ہے جس سے پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔

انیسواں باب

دستاویزات اعتمادی

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اعتماد سکوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور ذریعہ چلنی کی توفیر کے لئے اگر وثایق اعتمادی اور دستاویزات مواعیدی کافی تعداد میں چھاپ لئے جائیں تو کام چل جاتا ہے اس مبہم ادعا سے مسئلۂ زر ایک پر اسرار معمہ بن گیا ہے۔ اعتماد کے متعلق تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے بڑے محیر العقول کام نکلتے ہیں اور جائداد دوچند سہ چند ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کی نوعیت کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اعتماد محض ادائی کی برآئندگی کا نام ہے مثلاً اگر میں اپنے قرض خواہ کو اس بات پر راضی کر لوں کہ وہ مجھ سے اپنی واجب الادا رقم کو ایک ماہ کے بعد وصول کرے تو میں گویا اپنے قرض خواہ سے اعتماد حاصل کرتا ہوں اسی طرح اگر میں نے اپنے مقروض کو ادائی دیون کے لئے مہلت دی تو گویا میں نے اس کو اپنا اعتماد دیا۔ پروفیسر لاک نے ان الفاظ میں اعتماد کی نہایت صحیح تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک محدود مدت میں زر کی ادائی کی توقع ہی اعتماد ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرضے کی بہ لحاظ نوعیت و مقدار اشیا بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں مثلاً قرضۂ غلہ۔ آہن خام۔ روغن نارجیل۔ کپاس یا دیگر پیداوار خام وغیرہ ہر چیز کی بابت ہو سکتا ہے لیکن قرض میں عموماً صرف زر قانونی ہی کے بھی قرضے کا مفہوم داخل سمجھا گیا ہے۔

میزان اعتماد اعتماد کی مقدار کے ٹھیک اندازے کے لئے خواہ وہ دادنی ہو یا یافتنی اور قرض کی موجودہ قدر کا تخمینہ کرتے وقت کم از کم پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ مقدار زر واجب الوصول۔
۲۔ مدت تخمینی جو ادائی کے لئے درکار ہے۔
۳۔ رقم کے بالآخر ادا ہونے کا اطمینان
۴۔ شرح سود جو اس وقفے میں عائد ہو گی۔
۵۔ قانونی ذمہ داریاں جو اس کی وجہ سے پیدا یا وارد ہوں۔

کرنسی کے مصنفین اکثر تمام قسموں کی دستاویزات اعتمادی کو خلط ملط کر دیا کرتے ہیں اور اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا کہ تھوڑے سے قانونی یا رواجی فرق کی وجہ سے کیسے اہم نتایج پیدا ہو جاتے ہیں۔ گو ہر قسم کے وعدۂ ادائی زر کی کچھ نہ کچھ قدر ضرور ہوتی ہے لیکن یہ امر کہ یہ قدر کس حد تک مبادلے کی سہولت کے مدنظر کارآمد ہو گی بہت کچھ موقتی حالات پر منحصر ہے۔

بنک نوٹ جس چیز کو ہم بنک نوٹ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ کسی ساہوکار کا جاری کیا ہوا پرامیسری نوٹ ہوتا ہے اور ساہوکار رقم مندرجہ عندالمطالبہ پیش کنندہ کو فوراً ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے کسی اور شخص کو حوالہ کر دینے سے اس نوٹ کی ملکیت بھی منتقل ہو جاتی ہے۔ سکوں کے قابض کی طرح اس کا قابض بھی بادی النظر میں اس کا مالک متصور ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ہر وقت بغیر کسی تحقیق اور پس وپیش کے ادائی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور نوٹ کی پیش سازی پر اگر ساہوکار رقم ادا کرنے سے قاصر رہے تو ان اشخاص پر جن کے مابین نوٹ منتقل ہوتا رہا ہے کوئی قانونی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی اسی وجہ سے بنک نوٹ دیون کی ادائی اور قرضوں کی بیباقی میں زر فلزی کی طرح مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ خصوصیت نہایت قابل غور ہے کہ ان پرامیسری نوٹوں پر کوئی سود لیا دیا نہیں جاتا۔ اور تاوقتیکہ اس کی بالآخر ادائی میں کوئی شبہ نہ ہو ان کی خرید و فروخت میں بھی کوئی گھٹوت عائد نہیں کی جاتی۔ اسی لئے نوٹ کے قابض

کو بھی زر فلزاتی کے قابض کی طرح نوٹ کو اٹھا رکھنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا البتہ آئندہ کے مصرف کے خیال سے رکھ چھوڑا جائے تو وہ اور بات ہے لیکن اگر کسی کے پاس ہفتہ دو ہفتے کی ضروریات متوقعہ سے زیادہ رقم کے نوٹ ہوں تو بہتر یہی ہے کہ کسی بنک میں امانت رکھوا دئے جائیں جہاں وہ زیادہ محفوظ رہنے کے علاوہ سود بھی پیدا کریں گے۔

الغرض نوٹوں میں بھی سکوں کی طرح بجز اس قلیل مقدار کے جو جلد ضروریات کے لئے رکھ چھوڑے جائیں ہمیشہ چلن میں رہنے کا فطرتی میلان پایا جاتا ہے۔

چک ایک ساہوکار کے نام ایک حکم ہوتا ہے جس میں ہدایت کی جاتی ہے کہ حامل کو عند المطالبہ رقم مندرجہ ادا کر دی جائے۔ بنک نوٹ کی طرح اس پر بھی کوئی سود نہیں دیا جاتا اور وہ بہ آسانی بلا پس و پیش دست بدست منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور بادی النظر میں قابض ہی اس کا مالک تصور کیا جاتا ہے۔ چک جاری کرنے والے اور نیز اس بنک کی ساکھ میں جن کے نام چک جاری ہوا ہو اگر بے اطمینانی نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ باعتبار زر نیابتی اس کو بنک نوٹ کے مقابلے میں کمتر سمجھا جائے۔ اگر فرق ہے تو اسی قدر کہ چک اکثر چھوٹی رقوم کے لئے جاری ہوتے ہیں مگر بعض مقامات پر زر نیابتی کی طرح ان کا استعمال ہوتا رہا ہے چنانچہ کوئنس لینڈ میں سکوں اور نوٹوں کی عدم موجودگی میں اب بھی وہاں کے لوگ مزدوروں کو اجرت کی ادائی میں تھوڑی رقموں کے بنک چک دیا کرتے ہیں اور ان کو گواہوں پر بھی لینے میں کوئی تامل نہیں کیا جاتا اس طرح گویا وہ اس نو آبادی میں ایک ذریعۂ چلنی بن گئے ہیں۔ لیکن چکوں کے اس طور پر مستعمل ہونے میں بعض بدیہی قباحتیں ہیں۔

تمام بنکوں کے مختلف نمونہ جات چک اور اجرا کنندگان کی ساکھ اور دستخط سے ہر شخص کا پوری طرح واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ان کے باقاعدہ ہونے کے متعلق تحقیق اور کافی اطمینان کئے بغیر عوام الناس اگر روزانہ ان کو لیتے دیتے رہیں تو دغا اور فریب کے لئے بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اور جعلسازی تو نہایت آسان ہو گی لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چک بک لیکر چکوں کی خانہ پری کر کے ساہو کے پاس جس قدر رقم جمع کی گئی ہے اس سے زیادہ

برداشت کر لینا زیادہ بہتر اور سہل ہو گا اسی لئے ہر شخص جو ایک چک کو قبول کرتا ہے وہ گویا جاری کنندہ کے فریب یا دیوالیہ ہونے کی جوکھم لیتا ہے ماسوا اس کے جس بنک کے نام چک جاری ہوتا ہے اوس کے بھی دیوالیہ ہو جانے کا امکان ہے یہ ایک مسلمہ مسئلۂ قانونی ہے اور اس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ چک کا قابض اگر اس کو ایک معقول مدت کے اندر یعنی اجرائی کے دوسرے روز تک کاروبار کے بند ہونے سے پیشتر پیش کر کے رقم حاصل نہ کر لے اور اس عرصے میں اگر اتفاق سے اس بنک کا دیوالہ نکل جائے تو جاری کنندہ پر پھر اس کو کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ اس کی بدیہی وجہ یہ ہے کہ اجرا کنندہ بھی اپنی اس امانت سے ایسی صورت میں محروم ہو جاتا ہے جو اس نے چک کی ادائی کے لئے بنک میں رکھ چھوڑی تھی پس قابض چک کی غفلت سے اجرا کنندہ کا نقصان کیوں ہو۔

اس قانون اور دیگر قیود کا ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ اس ملک میں زر کی جگہ چکوں کی گردش نہیں ہوتی اور وہ وصول ہونے کے ایک دو روز بعد ہی ادائی کے لئے پیش کر دیئے جاتے ہیں اس لئے استعمال میں ان کی حیثیت ایک ذریعۂ انتقال زر کی سی ہے جن کا اعتماد چنداں طویل المدت نہیں خیال کیا جاتا معمولی چک کو زیادہ مدت تک رکھ چھوڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اس پر سود نہیں ملتا برخلاف اس کے اس کو اٹھا رکھنے میں نقصان ہی کا احتمال ہے۔ چک کے قابض کے لئے اس کو فوراً پیش کر کے بنک نوٹ یا سکے حاصل کرنے میں بجز اس تھوڑی زحمت کے جو پیش کرنے میں ہو اور کوئی امر مانع نہیں ہے۔ گو اس بدل پر بھی سود نہیں ملتا لیکن وہ زیادہ محفوظ ہے۔ اس سے بھی بہتر یہ ہو گا کہ وہ اس رقم کو اپنے ساہو کے ہاں امانت رکھوا دے تاکہ اس وقفے میں اس کو تھوڑا بہت سود بھی ملتا رہے جب کسی کو دینے کے لئے رقم کی ضرورت محسوس ہو تو وہ خود بھی چک جاری کر کے ادائی کر دے سکے گا یہی طریقہ تجربے سے بھی نہایت تشفی بخش معلوم ہوتا ہے۔ بہ نسبت اور صورتوں کے کسی معتبر ساہو کی امانت میں رقم زیادہ محفوظ رہنے کے علاوہ ہر وقت آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ سود بھی ملتا رہتا ہے اسی طریقے کی بنا پر جملہ ادائیوں کا ایک وسیع نظام قائم کیا گیا ہے جس کا ذکر ہم دوسرے باب میں بعنوان چک و نظام تصفیۂ حسابات تفصیل کے ساتھ کریں گے۔

چکوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ بنکروں کے چک وہ چک ہوتے ہیں جو ایک ساہو دوسرے کے نام جاری کرتا ہے اور بطور ذریعۂ ادائی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر دونوں ساہوکاروں کی ساکھ اچھی ہے اور فارم و دستخط میں شبہے کی گنجائش نہ ہو تو بہ حیثیت زر نیابتی ایسے چک بنک نوٹوں سے کسی طرح کمتر نہیں معلوم ہوتے اور اگر دو معتبر اور مشہور و معروف بنک سہولت بخش اور سالم رقموں کے چک ایک دوسرے کے نام جاری کرنے کا بند وبست کرکے گاہکوں کو دیتے رہیں تو اس طریقے سے نوٹوں کی غیر محدود اجرائی کے خلاف جو قانون ہے اس سے بہ آسانی گریز کیا جا سکتا ہے لیکن عادت کی قوت اور قانون کی عظمت کا اثر یہ ہے کہ کوئی اس کی کوشش یا ارادہ ہی نہیں کرتا اور یہ چک بھی معمولی چکوں کی طرح بفور وصول ادائی کے لئے پیش کر دیئے جاتے ہیں۔

ساہوؤں کے چک سے بھی بڑھ کر "مصدقہ چک" جو نیویارک کی تجارت میں چلتے ہیں بنک نوٹوں سے مماثل ہیں۔ کیونکہ ان چکوں پر وہ ساہو جن کے نام چک جاری ہوتا ہے ایک مخصوص نشان بنا دیتے ہیں جس کا منشا یہ ہے کہ پیش سازی پر ان کی ادائی بہرحال ہوگی اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تصدیق کنندہ کی اجراکنندہ کے پاس کچھ رقم اس غرض سے رکی ہوئی رہتی ہے یا وہ اپنی ذاتی ساکھ پر اطمینان دلا دیتا ہے کہ کسی صورت میں اس چک کی ادائی میں تامل نہ کیا جائے گا۔ یہ چک فی الحقیقت ساہوؤں کے پرائیوٹ نوٹ ہوتے ہیں اور مجھے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ بنک نوٹوں کی طرح ان کا بھی آزادی کے ساتھ کیوں چلن نہ ہو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ چھوٹی رقموں کے ہوتے ہیں اور جعلسازی کے سدباب کا ان میں کوئی ٹھیک انتظام نہیں ہے۔ چک بنک کے چکوں کا بھی یہی حال ہے جن کا تفصیلی ذکر آیندہ کیا جائیگا۔ مصدقہ چکوں کی طرح ان کی ادائی کے لئے بھی پہلے سے رقم امانت رکھ لی جاتی ہے۔

آج کل تو چکوں کی رقم بجائے حاملوں کو ادا کرنے کے مالکوں کی فرمائش پر ادا کرنے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے۔ چک پر ایک آڑا خط کھینچ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی پیش سازی صرف بنکر ہی کے توسط سے ہونی چاہیے اور فرمائش کی تعمیل اس صاف و صریح ہدایت سے ہو سکتی ہے جس کی رو سے

حامل چیک ادائی کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن ایسی ہدایتی تحریریں بھی جعلسازی کا امکان باقی رہ جاتا ہے جس کی بابت دقیق قانونی مسئلے پیدا ہو گئے ہیں چیکوں پر جو آڑے خطوط کھینچے جاتے ہیں ان کی وجہ سے چیکوں کے عام طور پہ لئے دیئے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی لیکن جب ان پر خاص اسی غرض سے آڑے خطوط کھینچے جاتے ہیں کہ ان کی ادائی کسی خاص بنک کے توسط سے عمل میں آئے تو عملاً ایسے چیکوں کی حیثیت اس حکم کے مماثل ہو جاتی ہے جو بنک کے کسی خاص کھاتہ دار کو وصولی کے لئے دیا گیا ہو اور جس میں رقم وصول طلب کی بھی صراحت کر دی گئی ہو۔

ہنڈیاں

ہنڈی ایک ایسا حکم ہے جس کے ذریعے سے قابض قانونی کو ایک مقررہ تاریخ پر رقم واجب الادا ہوتی ہے ہنڈی اگر درشنی ہو تو اس میں اور چیک یا برات میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں ہوتا کہ یہ بالعموم بجائے مشہور عام ساہوکاروں کے کم ساکھ والے لوگوں کے نام جاری ہوا کرتی ہے۔ ہنڈی کے درشنی نہ ہونے کی صورت میں تاریخ ادائی و تاریخ اجرائی کے مابین ایک دو یا زیادہ دن کا وقفہ ہو سکتا ہے اور ادائی کی مقررہ تاریخ سے پہلے رقم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے ہنڈی پر ہمیشہ یا تو سود مقرر کیا جاتا ہے۔ یا وہ ایسی کھسوت پر خریدی جاتی ہے کہ مدت مقررہ کے ختم ہونے تک اس کو رکھ چھوڑنے میں سود کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نقصان کی ذمہ داری کا اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ درمیانی مدت کی شرح سود کا بھی لحاظ رکھا جائے اس لئے ہنڈوی کی قدر بے شمار حالات کے لحاظ سے اختلاف پذیر ہو سکتی ہے اگرچہ کہ ہنڈویاں دھنی جوگ بھی ہو سکتی ہیں لیکن بطور ایک عام قاعدے کے وہ نام جوگ ہی ہوتی ہیں اور شرح انتقال درج کر کے کسی اور کے حوالے کر دینے سے منتقل کی جا سکتی ہیں اس لئے ہر شخص جس کا ہنڈوی سے تعلق ہو ایک ذمہ داری اپنے اوپر عائد کرتا ہے اور یہ ذمہ داری اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ ہنڈوی بالآخر سکاری نہ جائے اس لئے زر مسکوک کے (جس پر سود نہیں دیا جاتا اور جس کو قرض کی ادائی میں دینے سے بجائے ذمہ داری کے عائد ہونے کے ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے) اور ہنڈوی کے درمیان اکثر باتوں کے لحاظ سے

فرق ہوسکتا ہے۔

دستاویزات سود آور یہ ایک عجیب اور حیرت کی بات ہے کہ چند ہی مصنفین کرنسی نے سودی وغیر سودی دستاویزات تجارتی کے باہمی فرق کو واضح کیا ہے حالانکہ اسی پر ان کے زر نیابتی ہونے کا دار و مدار ہے کیونکہ زر مسکوک کی یہ ایک لازمی خصوصیت ہے کہ جیب یا تجوری میں ڈال رکھنے سے اس پر کوئی منافع حاصل نہیں ہوتا مثلاً میں اگر اپنے قرضہ جات کی ادائی کے مد نظر زر نقد اپنے پاس تیار رکھنے پر مجبور ہو جاؤں تو مجھے اس منافع سے محروم ہونا پڑے گا جو اس کو تمسکات ہنڈوی یا مدات سرکاری میں نفع پر لگانے سے یا بنک میں امانت رکھوانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے زر کو ایک ایسی شے سمجھنا چاہئے جو بقول شیولیر ہمیشہ بحالت طلب ورسد رہتی ہے ہر شخص ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کوئی منفعت بخش معاملہ کر کے اسکو اپنے پاس سے علٰحدہ کرے اور حتی الامکان کم مقدار اپنے پاس رکھے۔ یہی حالت زیادہ صحیح طور پر بنک نوٹوں۔ چکوں۔ کرنسی نوٹوں درشنی ہنڈیوں اور بعض دیگر اقسام دستاویزات کی ہے جن پر عند الطلب واجب الادا ہونے کے باعث سود نہیں ملتا خصوصیات تو ان دستاویزات میں سکوں ہی کی پائی جاتی ہیں اور رقم بھی حتی الامکان کم اور سہولت بخش رکھی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ادائی کے مشتبہ ہونے کا امکان ہے اور ان کے قابض کا قانونی مشکلات میں پھنس جانا غیر متوقع نہیں۔ اس کے برعکس سودی دستاویزات کی رقمیں بڑی سے بڑی ممکن مقدار میں ہوتی ہیں کیونکہ ان کو جتنی زیادہ مدت رکھ چھوڑ و اتنا ہی زیادہ سود ملے گا۔ چنانچہ ہر کامیاب ساہو کے کاروبار کی یہ ایک خاص شناخ ہوتی ہے کہ اس کا صندوق عمدہ ہنڈیوں کے ذخیرے سے بھرا رہے۔ کیونکہ اس سے پتا چلتا ہے کہ سرمایہ منفعت بخش کاموں میں لگایا گیا ہے۔ عام کمپنیوں اور متحدہ جماعتوں کے تمسکات اور سرکاری تمسکوں میں سوائے اس کے اور کوئی فرق نہیں ہے کہ سرکاری تمسکات نہایت طویل اور ناقابل اختتام مدت کے ہوتے ہیں اور ان پر سود مقررہ وقفوں پر ملا کرتا ہے یہ تمسکات گویا اس بات کا وثیقہ ہوتے ہیں کہ سرمایہ مستقل کاروبار میں لگا ہوا ہے جو لوگ سرمائے کو منفعت پر لگانا چاہتے ہیں وہ ان وثائق کو جائداد کی طرح اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پس نہ صرف یہ کہ یہ زر کے قائم مقام نہیں ہیں بلکہ اُلٹے ان کے استعمال سے

زر کا استعمال لازم آتا ہے۔ کیونکہ پہلی معاملت پر زر ہی ادا کیا گیا ہوگا اور ادائی بھی مقررہ میعادوں پر بتدریج زر ہی میں ہوگی۔

بعض لوگ جو ہمیشہ نت نئی تجویزیں پیش کرنے کے عادی ہوتے ہیں وقتاً فوقتاً اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ معمولی کرنسی کے علاوہ ایک سودی کرنسی بھی چلن میں رکھنی چاہیے چنانچہ فرانسیسی پروانہ جات کا جو پہلے مختصر اجرا ہوا تھا وہ سودی ہی تھے اور تقریباً بارہ سال پہلے امریکہ کی حکومت نے اس کی آزمایش اور تجربہ کیا تھا لیکن جلد ہی اس کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں کی یہ تجویز ہے کہ کل قومی قرضے کو زرمسکوک کر لیا جائے تو اس سے یہ ہوگا کہ جہاں اب ملک میں زر کاغذی و فلزی کی مقدار ایک سو ساٹھ ملین ہے اس میں اضافہ ہوکر کم وبیش ایک ہزار ملین کی کرنسی ہو جائیگی۔ اسی کے مدنظر مسٹر ای کل نے ایک بنک نوٹ کا نمونہ بھی شائع کیا ہے جس سے قابض کو عندالمطالبہ سو پونڈ ملین گے۔ اور پیش ہونے تک ۳½ فی صدی کی شرح سے سود بھی ملے گا سود کا حساب فارم کی پشت ہی پر درج رہا کرے گا لیکن مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نوٹوں کا جاری کرنا کسی گورنمنٹ سے نہ ہو سکے گا کیونکہ اس زمانے میں جب کہ چالو شرح سود ۳½ فی صدی سے بڑھ جائے تو ان نوٹوں کی قدر گھٹ جائیگی اور ان کو ادائی کے لئے پیش کرنا باعث منفعت ہوگا پس جو گورنمنٹ ایسے نوٹ جاری کرے اس کو ان کی ادائی کے لئے ہمیشہ زر نقد کا ذخیرہ محفوظ رکھنا ہوگا اور سود بھی علیحدہ دینا ہی پڑے گا اس پر طرہ یہ کہ گورنمنٹ ذخیرۂ محفوظ کے سود کا خسارہ علیحدہ برداشت کرے گی۔

انگریزی حکومت نے تو قومی قرضے کو تا بحد امکان انتقال پذیر بنا دیا ہے چنانچہ قانون نشان ۳۳-۳۴ وکٹوریا باب کی رو سے صداقت نامہ جات اسٹاک کے اجرا کی اجازت دیدی گئی ہے۔ یہ صداقت نامے امریکہ اور دوسرے ملکوں کی حکومت کے تمسکات کی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان پر سود کی ادائی کے لئے کوپن بھی منسلک رہتا ہے اور جب ان پر کسی کا نام درج نہ ہو تو مثل بنک نوٹوں کے دست بدست منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ ان کو تین فی صدی کے سالیانوں یا پچاس سے زیادہ اور ہزار سے کم پونڈ کی سالم رقومات کے تبادلے میں جاری کیا جاتا ہے

اور جب سالیانے کا حق کرنسی کی طرح دست بدست منتقل ہوسکتا ہے تو پھر ان صداقت نامہ جات کے اسی طرح منتقل ہونے میں کون امر مانع ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان صداقت نامہ جات کے لئے ہمیشہ کچھ ایسی زیادہ مانگ نہیں رہی ہے میری دانست میں ان کا استعمال چند ایسے ساہوکار اور وہ لوگ کرتے ہیں جن کو اپنی رقمیں تھوڑی مدتوں کے لئے منفعت پر لگانی پڑتی ہیں اور جو ان کے استعمال سے منتقلی کے مصارف بچا سکتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ بنک آف انگلینڈ کے کھاتوں میں اپنے اسٹاک کی رجسٹری کرا دینے کے پرانے طریقے ہی کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔

زر کی تعریف

اصطلاح زر کی تعریف کی کوششوں میں بہت کچھ طبع آزمائی کی گئی ہے اور اس مسئلے میں کہ کن اقسام کی دستاویزات اعتمادی کو اس میں شامل کیا جاسکتا ہے بڑی الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ پورے وزن کا مستند قانونی سکہ تو بلاشک وشبہ زر ہے اور چونکہ نقد پذیر بنک نوٹ بھی زر قانونی ہیں اس لئے وہ بھی ٹھیک اس زر کے مماثل ہیں جن سے ان کا ہر وقت مبادلہ ہوتا ہے اس لئے ہمیشہ ان کو بھی مفہوم زر میں داخل تصور کیا گیا ہے۔ لیکن کیا غیر نقد پذیر نوٹوں پر جو ہمیشہ قانون کے زور پر چلتے ہیں اور ملک کے اندرونی کاروبار تجارت میں تمام اعمال زر کو انجام دیتے ہیں زر کا اطلاق نہیں ہوسکتا؟ پھر یہ بھی سوال ہوگا کہ کیا چک بھی زر کی طرح عمدہ نہیں ہیں؟

تعریف زر کے متعلق یہ تمام کد وکاوش میری رائے میں تو اس منطقی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ کسی لفظ کے معنوں کا تصفیہ کر کے گویا ہم بہت سی مختلف النوع چیزوں کے گوناگوں خصوصیات اور مختلف حالات کو نظر انداز کرسکتے ہیں۔ دھات۔ سکۂ مستند۔ سکۂ وضعی نقد پذیر و غیر نقد پذیر نوٹ۔ زر قانونی و زر غیر قانونی۔ ہر طرح کے چک اور تجارتی ہنڈیاں۔ دارالمال کی براتیں اور اسٹاک کے وثایق یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو قرض کی ادائی میں قبول کی جاسکتی ہیں بشرطیکہ دائن و مدیون اس پر رضامند ہوں اگر ہم ان میں سے بعض کو زر کہیں اور بعض کو زر نہ کہیں تو اس سے کچھ ان کے قانونی اور معاشیاتی پیچیدہ اختلافات رفع نہیں ہو جاتے ظاہر ہے کہ دھات سکہ نہیں ہے لیکن ہر وقت بغیر کسی وقت کے سکوں میں منتقل ہوسکتی ہے اور

بدیسی ادائیاں بھی اس کے ذریعے سے سکّوں کی طرح عمل میں آجاتی ہیں۔ اس نوع سکّہ جات ضمنی گو مستند سکّے نہیں اور نہ ان سے غیر ملکی ادائیاں ہوسکتی ہیں لیکن یہ بھی تھوڑی رقموں کی حد تک زر قانونی ہی ہیں اور ہر وقت بغیر کسی دقّت یا نقصان کے مستند سکّوں کے عوض بدلے جاسکتے ہیں۔ بنک آف انگلینڈ کا نوٹ بھی سکّہ نہیں ہے لیکن جو لوگ بنک کے قریب رہتے ہیں وہ ہر وقت بھنا کر نقد حاصل کر سکتے ہیں اور سب لوگ اس کو سکے کے مساوی تسلیم کرکے قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح چک بھی اگرچہ کہ وہ سکّہ نہیں لیکن عندالمطالبہ سکّے کی ادائی کا حکم ہوتا ہے اور اس کی قدر ادا کنندہ کی ساکھ اور اعتبار پر مبنی رہتی ہے سکاری ہوی ہنڈیاں بزمانۂ آیندہ ایک مقررہ تاریخ پر سکّوں کی ادائی کا وعدہ ہوتی ہیں اور سکارو کے ادا نہ کرنے کی جوجوکھم ہے اُسے نظرانداز کردیا جائے تو گویا وہ زر بہ آئندہ ہیں مستقل اسٹاک کے وثیقے کا قابض ایک سالیانہ کا حق رکھتا ہے اور اسے ہر سہ ماہی پر نقد رقم ملتی رہتی ہے۔ القصّہ جہاں سے ہم چلے تھے وہیں پھر واپس آتے ہیں یعنی مستند زر قانونی کا سکّہ وہ ہے جس کے حوالے سے تمام تجارتی معاملات اور دستاویزات کی تعبیر ہوتی ہے جن میں غیر محدود مختلف حالات کے مطابق وصولیابی زر کم تیقن ہوتی ہے یا زیادہ۔ کم مدت کی بہ آیندگی ہوتی ہے یا زیادہ مدت کی قانونی پیچیدگیوں کا کم یا زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ مقدار رقم کم ہوتی ہے یا زیادہ سود بھی ملنے والا ہوتا ہے یا نہیں۔ دوسری تمام تجارتی جائداد۔ رہن نامہ جات۔ ترجیحی حصص و تمسکات اور معمولی حصص وغیرہ میں بھی تواریخ آئندہ میں وصولیابی کے کم یا زیادہ متیقن ہونے کی بحث رہتی ہے اس طرح ہم رفتہ رفتہ محسوس کئے بغیر ایک ایسی حالت سے جب کہ طلائی ساورن ہمارے ہاتھ میں ہوں ایسی حالت پر پہنچ جاتے ہیں جب کہ سونے کی ادائی کا وعدہ بہ آئندہ ہوا اور امید ادائی دہم گویا آج کے انڈے اور کل کی مرغی کا مسئلہ ہے۔

لفظ نقد کا استعمال بھی ٹھیک اسی قسم کے ابہام کا شکار ہو رہا ہے اول اول تو اس کا مطلب جیب داخل تھا یعنی ایسی رقم جو کیسہ یا صندوق میں رکھی ہوئی ہو۔ اور سچ پوچھو تو نقد میں صرف اصل دھات شامل ہونی چاہیئے اور بعض انگریزی بنکوں میں تو اس کا استعمال صرف ملکی سکّۂ رائج الوقت پر محدود ہے۔ لیکن دراصل دریافت کرنے پر

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنک کے صراف اس کا مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں اور بعض لوگ تو بنک آف انگلینڈ کے نوٹ کو بھی نقد تصور کرتے ہیں۔ کسی بنک کے نام جاری کئے ہوے عمدہ چک جو اسی بنک میں ادا کئے جائیں نقد ہی کے مماثل ہیں۔ بعض اس سے بھی تجاوز کرکے اسی شہر کے دوسرے بنکوں کے چکوں کو اور بعض اوقات اضلاع کے بنک نوٹوں کو بھی نقد کی تعریف میں شامل لیتے ہیں۔ یہ ایک درجے کا سوال ہے اور تاوقتیکہ صرّاف بالاتفاق باہمی قرار داد سے اس کی تعریف نہ مقرر کرلیں اس کا کوئی تصفیہ ہو نہیں سکتا۔

عام کاروبار زندگی میں بھی منطقی صحت کا لحاظ کئے بغیر ہم اکثر الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اس کا تصفیہ کیونکر ہو کہ لفظ عمارت یا مکان میں کون کون سی چیزیں شامل کرنی چاہئیں۔ بھلا ناظرین ہی اس کا تصفیہ کردیں کہ اصطبل۔ گاؤخانہ۔ گرم گھر۔ کوٹھے۔ روشنی گھر۔ خیمے۔ کاروان جھونپڑے۔ سنتری گھر۔ یخ گھر۔ خسنا نے دیہاتی کونڈواڑے وغیرہ میں سے کون کون چیزیں مکان تصور کی جاسکتی ہیں اور کیوں؟ اس تصفیئے میں ٹھیک وہی دقت پیش آئے گی جس سے زر یا نقد کی تعریف میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔

بیسواں باب

کتابی جمع وخرچ اور بنک کا نظام

جیساکہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں طلائی سکوں کے بدلے کاغذ کے نیابتی پرچے اگر استعمال کئے جائیں تو اس سے بیش قیمت دھاتوں کے استعمال کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بڑا اور قوی ذریعہ ایسی کفایت کا وہ طریقہ ہے جس کو نظام چک و تصفیۂ حسابات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اس میں قرضوں کی حقیقی ادائی کے بجائے زیادہ تر جمع وخرچ کے عمل سے کام لیا جاتا ہے اور جس کی بنیاد بہی کھاتوں کے عام رواج میں پائی جاتی ہے ۔ مثلاً اگر دو دکانیں آپس میں اکثر معاملت کیا کرتی ہوں یعنی کبھی خریدتی ہوں اور کبھی فروخت کرتی ہوں تو ہر قرض کے واجب الادا ہوتے ہی اس کا تصفیہ کر دینا زر کا ایک غیر ضروری مصرف ہے کیونکہ کچھ ہی دن کے بعد بالمقابل اسی قدر قرضہ معرض وجود میں آجاتا ہے ۔ اس لئے آپس میں داد وستد کرنے والی دکانوں کا یہ ایک عام دستور ہے کہ اپنے اپنے بہی کھاتوں میں ہر قرض کے وجود میں آنے پر جمع وخرچ کا عمل کر لیا کرتے ہیں اور نقد صرف اسی صورت میں ادا کیا جاتا ہے جب کہ اتفاقاً فاضلات کی مقدار حد مناسب سے متجاوز ہو جائے ۔ مثلاً بیمہ کے دلال کو (جو مالکان جہاز اور ان لوگوں کے مابین جو جہازوں کا بیمہ حصص کی شکل میں کرتے ہیں کام کیا کرتا ہے) اکثر قلیل المقدار رقوم بیمہ کنندگان کو پالسی کی پیشگی رقم کی بابت ادا کرنی پڑتی ہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے کھوئے ہوئے جہازوں کے تاوان کی بابت رقوم وصول طلب رہتی ہیں ۔ ان صورتوں میں نقد کی ادائی نہیں ہوتی دلال بیمہ گیرندگان کی پریمیم کی بابت ان کے کھاتے میں جمع کا عمل کرتا ہے اور نقصانات خرچ کے مد میں درج کر دیتا ہے اور جب فاضلات باید داد یا باید گرفت کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے تو نقد کے لین دین کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ ایک سادہ شکل جمع وخرچ

کی ہے) لیکن کسی بڑی سلطنت کے بنکروں کے قایم کئے ہوئے بہی کھاتوں کے پیچیدہ نظام کی توضیح کے لئے ہم کو اعداد اور خطوط کے نقشوں سے مدد لینی پڑے گی بہی کھاتے کی سیدھی سادی قسم اس فرمولے سے ظاہر ہوتی ہے

پ ———— ق

ان میں سے پ اور ق ہر ایک کسی شخص یا دکان کے قائم مقام ہیں اور درمیانی خط ان کے رشتۂ معاملت باہمی کا اظہار کرتا ہے۔ اس تعلق میں حسابات کی براہ راست چکوتی سے نقد یا کسی اور پیچیدہ طریقے کا توسط صرف خاص خاص صورتوں ہی میں ضروری ہوگا۔ ورنہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ ایک طرف سے دوسری طرف مال زیادہ جاتا ہے اسی لئے دوسری طرف سے زیادہ زر کے دیئے جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صناع ٹھوک فروش کو پیداوار صنعت فروخت کرتا ہے اور ٹھوک فروش چلر فروش کو اور چلر فروش صارف کو فروخت کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس میں ایک ساہوکار کی مداخلت ہو جائے تو نہ صرف اکثر مختلف افراد کی بلکہ تجارت کی متعدد و مختلف شاخوں کی معاملتیں ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور ادائیوں کے ایک بڑے حصے کی چکوتی محض جمع و خرچ کے عمل سے ہو جایا کرے۔

اکیلے بنک کا طریقہ ساہوکار کیونکر بطور ذریعہ مبادلہ زر کے استعمال کو غیر ضروری کر دیتے ہیں اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس نظام کے (نہایت سیدھی سادی حالت سے ایک پیچ در پیچ اور نہایت مکمل صورت پر جو اس وقت انگلستان میں قایم ہے) ارتقاء پر غور کی نظر ڈالی جائے۔ اس کے لئے اول ایک ایسے شہر کو فرض کرو جو دنیا سے بالکل علحدہ ہے جس کی دوسرے ممالک یا شہروں سے معاملت تھوڑی یا مطلقاً نہ ہو۔ جہاں صرف ایک ہی بنک ہے جس میں اس شہر کے تمام باشندے اپنی پونجی جمع رکھتے ہیں۔ اب اگر زید بکر کو کچھ رقم ادا کرنا چاہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بنک پر جاکر نقد رقم اٹھائے اور پھر بکر کے گھر جاکر ادا کرے۔ بجائے اس کے وہ یہ کر سکتا ہے کہ بنک کے نام ایک چک مرتب کرکے بکر کے حوالہ کر دے جس کو بشرط ضرورت بنک نقد رقم ادا کر دے گا۔ لیکن اگر بکر کو بھی اسی طرح کچھ ادائیاں کرنی ہوں تو اس کو بنک سے چک کی نقد رقم

اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ بکر کے لئے زید کی ذمگی رقم کا ساہوکار سے حاصل کرنا اور
اور پھر اسی کے میز پر گن کر اپنے حساب میں جمع کرا دینا تکمیل ضابطہ سے زیادہ نہیں
اس لئے اگر زید کے کھاتے میں اس رقم کا خرچ ڈال کر بکر کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے
تو ادائی کا عمل پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر بکر خالد کو کچھ ادا کرے تو صرف ساہو کی
کھتاونی عمل جمع و خرچ سے یہ غرض پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عمر۔ حمید وغیرہ
ایسے بہت سے تاجر ہوں گے جن کی باہمی معاملتوں کا تصفیہ اس طریقے سے بغیر ایک حبے کے
استعمال کے ہو جاتا ہے۔ ساہوکاری کا یہ ابتدائی طریقہ حسب ذیل نقشہ سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

ا ب ج د س
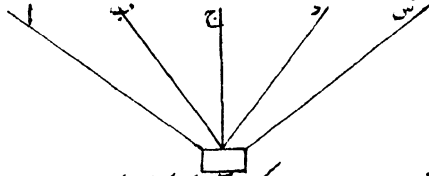
اس نقشے میں صرف پ اس اکیلے ساہوکار کو ظاہر کرتا ہے جس کے ا ب ج د
س گاہک ہیں اسٹرڈم اور ہیمبرگ کے امانتی بنک اسی طریق کا مکمل نمونہ ہیں۔

جہاں تک کسی شہر کی صرف اندرونی ضرورتوں کا تعلق ہے سکوں کی ایک مقدار
جو بنک میں یونہی رکھی ہوئی ہو تمام انتظام کر سکتی ہے اور تاوقتیکہ تاجروں کو دور دراز
فاصلوں پر ادائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے زر فلزی کا استعمال بالکل غیر ضروری ہوتا ہے
لیکن چونکہ آ بَ جَ دَ وغیرہ میں سے کسی نہ کسی کو کبھی رقم کی ضرورت ہونے کا امکان ہے
اس لئے ساہوکار کو بنک میں ایک اندازے سے کچھ رقم محفوظ رکھنی پڑے گی۔

دو بنکوں کا نظام دوسری مثال کے لئے اب ایک ایسے شہر کو فرض کیجئے جہاں دو بنک
چل سکتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک بنک میں رقم رکھیں گے اور باقی لوگ دوسرے میں
غرض ہر قابل ذکر شخص کسی نہ کسی بنک میں رقم ضرور رکھتا ہو نقشہ مندرجہ ذیل میں ہے۔

سمجھئے کہ پ اور ق دو ساہو ہیں۔ ا ب ج د تو پ کے آسامی ہیں اور ک س ر ل ت ق کے۔ اب پہلے کی طرح ا ب ج د کی باہمی معاملتوں کا پ کی کھتاونی میں تصفیہ ہوگا اور ق کی کھتاونی میں ک س ر ل ت کا۔ لیکن اگر ا کو کوئی رقم ک کو ادا کرنی ہو تو عمل میں تھوڑی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے الف یہ کرتا ہے کہ پ کے نام اس رقم کا چک مرتب کر کے ک کے حوالے کر دیتا ہے جو پ سے رقم وصول کر سکتا ہے۔ لیکن فی الوقت اس کو زر کی ضرورت نہیں ہے اس لئے وہ اس چک کو اپنے ساہو ق کے سپرد کر دیتا ہے اور زر کے بجائے اپنے کھاتے میں جمع کروا دیتا ہے۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ ق اس چک کو پ کے پاس پیش کر کے رقم حاصل کرے اور بظاہر سکوں کے استعمال کی آخرکار ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسی شہر میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اسی طرح دوسروں کو رقم ادا کرنا چاہتے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ بعض ایسی ادائیوں کی وجہ سے پ کو ق کے نام اور ق کو پ کے نام کچھ چک ملیں۔ اب ان دو ساہوکاروں کی حالت ٹھیک ان دو متذکرۂ بالا تاجروں کی سی ہوگی جن کا ایک ہی بنک سے چالو کھاتہ رہے۔ اس سے اچھی حالت میں بھی نقد کی ادائی صرف دو متقابل کھاتوں کے باہمی تفاوت کی حد تک ہو سکے گی لیکن خود یہ تفاوت اگر آج کسی کے موافق ہے تو کل اس کے خلاف بھی ہوگا اس لئے فاضلات کی حقیقی ادائی صرف اسی صورت میں ضروری ہوتی ہے جب کہ اس کی مقدار دائرۂ سہولت سے متجاوز ہو جائے۔

متعدد بنکوں کا نظام ہر بڑے تجارتی شہر میں بالعموم متعدد بنک ہوا کرتے ہیں جن کے گاہک بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی پہلے کی طرح ہر شخص کی باہمی معاملتوں کے تصفیے کے لئے ایک عموی بنک کا عمل جمع و خرچ کافی ہے لیکن اب معاملتیں ایک بڑی حد تک متقابل ہوں گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بنک کی رقم دوسرے پر واجب الادا رہے گی اور اس بات کا بھی بلا شک و شبہ امکان ہے کہ ہر ساہو کو روزانہ کچھ ادا کرنا بھی ہوگا اور وصول کرنا بھی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے جن لوگوں کو رقم ادا کرنی ہے انھی سے وصول بھی کرنی ہو۔ خلاصہ یہ کہ تعلقات میں اب زیادہ پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے

مثلاً اگر کسی جگہ چودہ بنک ہوں تو وہاں $\frac{14\times13}{2}$ یا ۹۱ مختلف جوڑیاں ہوں گی جن کا ایک دوسرے سے لین دین ہوا اور پچاس بنکوں کی صورت میں تو ان جوڑیوں کی تعداد سوا بارہ سو تک جا پہنچے گی۔ اس لئے ممکن ہے کہ پ کی طرف ق کا کچھ بقایا واجب الوصول رہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ پ کو ر اور ل سے اسی قدر لینا بھی ہو۔ بہر حال اس داد وستد کے تصفیے کے لئے سکوں کی منتقلی ایک دوسرے کے پاس وقت طلب اور بیہودہ سی بات ہوگی کیونکہ بہی کھاتے کے طریقے کو اگر تھوڑی اور وسعت دیدی جائے تو یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اتفاق کر کے تمام بنک اگر ایک ایسا ساہو بنک بنا لیں جس میں ہر بنک کی تھوڑی تھوڑی رقم جمع رہے تو اس ساہو بنک کے کھاتوں کے عمل جمع وخرچ سے باید داد وباید گرفت کی چکوتی اسی طرح بآسانی ہو جائے گی جیسے کہ ایک عام بنک اپنے مختلف کھاتہ داروں کی معاملتوں کی چکوتی کیا کرتا ہے۔ ذیل کے نقشے میں پ ق ر ل چار بنک ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ کھاتہ دار ہیں۔ ھ یعنی ساہو بنک ایک ایسا مرکز ہے جس پر سب کو جمع کیا گیا ہے۔

متعدد بنکوں اور کھاتہ داروں کا نقشہ
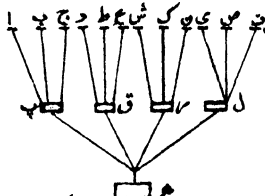
اب پ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے گماشتے کے ہاتھ چکوں کے پلندے ق ر ل کے پاس بھیجا کرے۔ اگر وہ مرکزی بنک ھ میں داخل کر دے تو پ کے کھاتے میں ان کو جمع کر لیا جائے گا اور اسمواری ان کو چھانٹ لینے کے بعد دوسرے پلندوں میں شامل کر دیا جائے گا جو ق ر ل کے پاس سے اسی طرح وصول ہوئے ہوں اور بالآخر اس بنک پہ ادائی کے لئے پیش کر دئیے جائیں گے جس کے نام وہ مرتب ہوئے ہوں۔ اس طرح سے سکوں کو استعمال کئے بغیر محض چکوں کے ذریعے سے کل ادائیاں عمل میں آجائیں گی گویا کہ شہر میں صرف ایک ہی بنک تھا۔ ہر بنک کو روزانہ جس قدر ادا کرنا ہوتا ہے

تقریباً اسی قدر وصول طلب بھی رہتا ہے اس لئے بہ آسانی بیباقی ہو جاتی ہے اس پر بھی اگر کچھ واجب الوصول یا واجب الادا رہ جائے تو ڈھ کی کھتاونی میں جمع و خرچ کر دینے سے کام نکل جاتا ہے۔

بظاہر معلوم ہو گا کہ انگلستان کے ہر بڑے شہر میں ایسا ساہوبنک ہونا ہو گا جو مختلف بنکوں کے مابین ادائیوں کا انتظام کرتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے اس کام کا حسابی جزو ایک اور ادارے کے سپرد ہے جس کو حساب گھر یا چکوتی گھر کہہ سکتے ہیں۔ اس کا انتظام ساہوؤں کی ایک کمیٹی کے تفویض ہے اور ساہوؤں کی امانت رکھنے کے لئے اور ہر روز کے معاملات کی چکوتی پر رقومات کی منتقلی کے لئے بنک آف انگلینڈ سے مدد لی جاتی ہے۔ چکوتی گھر کے انتظام سے ہم آیندہ باب میں تفصیلی بحث کریں گے۔

شاخ بنک کا نظام یہ بات ہر شخص کو محسوس ہو رہی ہے کہ انگلستان کے بنکوں کے انتظام اور طرق کار میں نت نئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور اس میں رفتہ رفتہ اس نظام ساہوکاری سے مشابہت پیدا ہوتی جا رہی ہے جو کم و بیش ایک صدی سے اسکاٹ لینڈ میں رائج ہے۔ چھوٹے چھوٹے کمزور اور بے جوڑ بنکوں کی جگہ آپس کے اتحاد اور انضمام اور کمزور بنکوں کے انعدام سے ایک معقول تعداد چند ایسے قوی اور منظم بنکوں کی بتدریج معرض وجود میں آرہی ہے جن کی کثیر التعداد شاخیں اُدھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اسکاٹ لینڈ کے بنکوں کی شاخیں تو بہت عرصے سے قایم ہیں چنانچہ وہاں فی الوقت بڑے بنکوں کی تعداد گیارہ ہے جن کی بالاوسط (۷۸) شاخیں ہیں۔ شاخوں کی سب سے اقل تعداد (۱۹) اور سب سے بڑی تعداد (۱۲۵) ہے۔ انگلستان کے بنکوں میں بھی بعض اسی قدر وسیع ہیں چنانچہ لندن اور کونٹی بنک اور نیشنل پراونشیل بنک جنھوں نے طریقۂ شاخ بنک کی ترقی پر خاص توجہ کی ہے علی الترتیب (۱۴۸) اور (۱۳۷) شاخیں رکھتے ہیں۔ مینچسٹر اور لورپول کے اضلاعی بنک کی بھی چھوٹی بڑی کوئی پچاس شاخیں ہیں۔ آیرلینڈ کے بنکوں نے بھی اسی کی تقلید کی ہے چنانچہ نیشنل بنک آف آیرلینڈ کی شاخوں کی تعداد (۱۱۴) تک پہنچتی ہے۔ یہ اظہار بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ اسٹریلیا کے نظام ساہوکاری نے بھی

یہی شکل اختیار کر لی ہے۔ بنک آف نیو ساؤتھ ویلز اور بنک آف نیوزی لینڈ کی طرح چند اور بھی اہم بنک ہیں جن کی شاخوں سے کوئی اہم شہر یا قصبہ خالی نہیں ہے۔

ایک وسیع بنک کے صدر دفتر اور اس کی متعدد شاخوں میں جو قریبی تعلق رہتا ہے اس سے داد وستد کی چکوتی میں نہایت سہولت ہوتی ہے صفحۂ ماقبل پر جو نقشہ دیا گیا ہے اسی سے اس تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو سکتی ہے۔ ھ کو صدر دفتر فرض کر لیا جائے تو پ ق ر ل گویا اس کی شاخیں ہوں گی اور ا ب ج وغیرہ ان کے کھاتہ دار۔ پس اگر الف، میم کو پ کے چک سے ادائی کرے تو چک ر کو دیدیا جائے گا اور وہ میم کھاتے میں جمع کر کے بذریعۂ ڈاک راست پ کے پاس بھیجدے گا۔ جہاں اس کا خرچ الف کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ھ یعنی صدر دفتر جس کو اس معاملت کی روزنامچۂ معمولی سے اطلاع دی جاتی ہے اس چک کی رقم کو پ کے کھاتے سے نکال کر ر کے کھاتے میں جمع کر کے اس معاملت کی تکمیل کرے گا۔ بظاہر اس میں بہت کچھ حسابی عمل کی ضرورت معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ایک معمولی کام ہے جس سے کوئی صرفہ عائد نہیں ہوتا نقد کی ادائی کی شاذ ہی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ہر شاخ کے حسابات کا تصفیہ صدر دفتر سے ہوتا ہے اور چونکہ ہفتہ بھر کی مدت میں متعدد رقوم کے خرچ کا عمل بھی ہوتا ہے اور جمع کا بھی اس لئے فاضلات نہایت خفیف ہوتے ہیں اس طرح صدر دفتر گویا ایک ساہو بنک بھی ہے اور چکوتی گھر کے فرائض بھی بہر حال انجام دے لیتا ہے۔

اب بلاشبہ یہ سوال فطرۃً پیدا ہوتا ہے کہ ایک بنک کی شاخیں دوسرے بنک کی شاخوں سے کیونکر معاملت کرتی ہوں گی۔ اس کا حل نہایت آسان ہے ایسی شاخیں اگر ایک ہی شہر میں واقع ہوں یا ان کے مابین اور کسی وجہ سے تعلقات قریبی ہوں تو وہ اور بات ہے ورنہ ان کے رسل و رسائل اور مراسلت ہمیشہ صدر دفتر ہی کے توسط سے ہوا کرتی ہے۔ مثلاً لندن اور کونٹی بنک کی کسی شاخ کے نام کا چک اگر نیشنل و پروانشل بنک کی کسی شاخ کو وصول ہو تو وہ موخر الذکر کے صدر دفتر کے توسط سے چکوتی گھر میں اول الذکر کے صدر دفتر کے نام پیش کر دیا جاتا ہے اور حساب گھر میں اس کی چکوتی حسب معمول ہو جاتی ہے۔

بنک ایجنسی کا طریقہ نظام ساہوکاری کی ایک اور اہم خصوصیت بنک ایجنسیوں کا وسیع انتظام ہے۔ بنک کو ملک کے ہر بڑے تجارتی شہر میں مختلف قسم کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں اس لئے اگر کسی بڑے شہر میں اُس کی شاخ نہ ہو تو اس شہر کے کسی ساہو کو وہ اپنا منیب یا ایجنٹ بنا لیتا ہے۔ اس نیب کے دفتر کا کام یہ ہے کہ ان ہنڈیوں اور چکوں کو جمع کرے جو ضلع میں واجب الادا ہوتی ہیں اور ان پر جو مطلوبے جاری ہوں ان کی رقم ادا کرے اور بنک کی ہدایات کے بموجب ہنڈیوں کو واپس لے۔ غرض اس کو شاخ بنک ہی کے کل فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ فرق اسی قدر ہے کہ اس کو اس خدمت کا معاوضہ زر کمیشن کی شکل میں ملتا ہے۔ ہر ایجنٹ بنک اپنے صدر بنک کے ہاں چالو کھاتہ رکھتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بڑا بنک اور اس کی ایجنسیاں ایک حد تک صدر بنک اور اس کی شاخوں کی طرح چکوتی گھر کا انتظام پیدا کر لیتی ہیں۔

لندن ایجنسی کا انتظام صوبجاتی اور شہر لندن کے مابین بنکوں کے ایک غیر محسوس طریقے پر انگلستان میں ایک نہایت جامع اور مکمل رشتہ تعلقات قائم ہو گیا ہے چنانچہ مملکت متحدہ کا ہر ساہوکار بغیر کسی استثناء کے لندن کے کسی نہ کسی بڑے بنک کو اپنا ایجنٹ بنا لیتا ہے۔ لندن میں اس وقت (۲۶) چکوتی بنک ہیں جو ایجنسی کا بھی کام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر بنک بالا وسط کم از کم بارہ صوبجاتی بنکوں کی نیابت کرتا ہے اس تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے اور بعض صوبجاتی بنکوں کے تو لندن میں دو دو ایجنٹ بنک ہوتے ہیں۔

اس ایجنسی کے طریقے سے معاملتوں کی چکوتی میں بڑی سہولت ہوتی ہے کیونکہ اگر کوئی دو صوبجاتی بنکوں کا لندن ایجنٹ ایک ہی ہو تو ان کے باہمی حسابات کا تصفیہ ایجنٹ کی کھاتہ بہی کے اندراجات سے ہو جاتا ہے نقشہ مندرجہ صدر سے پھر تیسری بار تشریح میں مدد لی جا سکتی ہے۔ ط ایسے شہر کا ایجنٹ متصور ہو گا جس کے ہاں پ ق ش ر ل اضلاعی بنکوں کے کھاتے ہیں۔ ان تمام بنکوں کے کل گاہکوں کے مابین باوجودیکہ وہ ملک کے دور دراز حصوں میں پھیلے ہوئے ہوں لندنی ایجنٹ ایک ہی ہونے کی وجہ سے نہایت قریبی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس ہر شہری بنک کو ساہو بنک اور ایک حد تک حساب گھر بھی سمجھنا چاہئے۔

اضلاعی چکوتی کا طریقہ

ملک کے ہر بنک سے دوسرے تمام بنکوں کے مابین رشتہ تعلقات کو مکمل کرنے کے لئے صرف ایک اور کڑی باقی رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے ہر اضلاعی بنک کسی نہ کسی شہری بنک کے ساتھ چالو کھاتہ رکھتا ہے اور تمام شہری بنک ہر روز چکوتی گھر کے توسط سے کل معاملتوں کا تصفیہ کرلیا کرتے ہیں۔ اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملک کے ہر حصے سے دوسرے تمام حصوں کو لندن کی وساطت سے ادائی کی جاسکتی ہے۔

نقشۂ ذیل میں پ ق ر کو ایسے اضلاعی بنک تصور کیجئے جن کا لندنی ایجنٹ ھ ہے۔
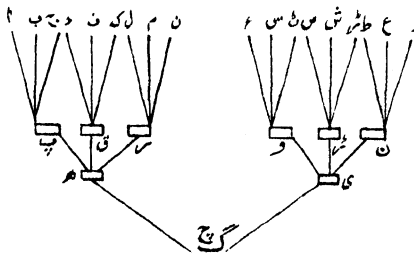
اور و ز ن دوسرے اضلاعی بنک جن کا لندنی ایجنٹ ی ہے۔ اگر الف جو پ کی اسامی ہے ر یعنی و کی اسامی کو کچھ ادا کرنا چاہے تو وہ اس کو پٹے کے ذریعے سے ایک چک پ کے نام مرتب کر کے بھیج دیتا ہے۔ ر اس کو وصول کر کے و کے ہاں اپنے کھاتے میں جمع کرا دیتا ہے اب ق جس کا پ سے کوئی راست تعلق نہیں ہے اس چک کو ی کے پاس بھیجدیتا ہے جو چکوتی گھر کے ذریعے سے ھ کے پاس ادائی کرنے کے لئے بھجوا دیتا ہے۔ ھ اس کا خرچ پ کے کھاتے میں ڈال کر دوسرے پٹے سے پ کے ہاں بڑھا دیتا ہے۔ اب اس انتظام سے بڑھ کر سہل اور مکمل کیا ہو سکتا ہے؟

یہ بھی بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ رقومات زر جو لندنی بنکوں کے مابین

لی دی جاتی ہیں یا جن کی چکوتی لمبارڈ اسٹریٹ کے حساب گھر سے عمل میں آتی ہے اکثر وہ بقایا ہوتا ہے جو اضلاعی بنکوں اور ان کے نائبوں اور اسامیوں کے چالو کھاتے کے حساب اور تصفیئے پر برآمد ہوتا ہے اور جب تک دو بنکوں کے حسابات کی فاضلات بہت زیادہ نہ بڑھ جائے نقد کی ادائی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی الاّ جب کہ کسی اور وجہ سے ادائی لازمی ہو۔ اگر بقایا ادا ہی کرنا ضروری ہو اور حسن اتفاق سے ان دونو بنکوں کا لندنی ایجنٹ بھی ایک ہی ہو تو مقروض بنک اپنے لندنی ایجنٹ کو اگر یہ ہدایت کردے کہ اس قدر رقم فلاں بنک کے کھاتے میں منتقل کردی جائے تو مطلب حاصل ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر ان کے لندنی ایجنٹ ایک نہ ہوں اور نقشۂ مندرجہ بالا کا ب اگر د کو کوئی رقم ادا کرنی چاہے تو ھ کو یہ ہدایت کرنا کافی ہوگا کہ وہ ی کے کھاتے میں جو و کا ایجنٹ ہے اس قدر رقم منتقل کرکے جمع کرادے۔ ایسی ادائیوں کے لئے جس قرضہ چٹھی کا استعمال ہوتا ہے اس کو ان تمام دوسری چٹھیوں کے ساتھ شامل کردیا جاتا ہے جن کے ذریعے سے ایک جانب سے دوسری جانب اقوام کی منتقلی ہوتی رہتی ہے اس لئے عام چکوتی میں ایسی ایک آدھ قرضہ چٹھی کوئی اہم مد حسابی متصور نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ کہا بھی جائے کہ بالآخر اس کی ادائی نقد میں ہوئی تو جیسا کہ آگے بتلایا جائے گا یہ عمل بنک آف انگلینڈ کی کھتاونی میں ایک آخری منتقلی کے ذریعے ہوجاتا ہے۔

اگرچہ کہ لندن کے حساب گھر میں روزانہ کثیر التعداد معاملتوں کا تصفیہ ہوتا ہے لیکن آخر یہ صرف وہی معاملتیں ہوتی ہیں جن کی کسی راست طریقے پر پہلے ہی چکوتی نہ ہوگئی ہو اکثر اوقات تو یہ ان بے شمار معاملتوں ہی کی فاضلات ہوتی ہے جن میں لندن ایجنسی کا توسط اختیار نہیں کیا جاتا۔

اکیسواں باب

حساب گھر کا نظام

جیساکہ ہم پہلے تبلا چکے ہیں لندن ایجنسی کے انتظام سے پورے ملک کے ساہوکاری معاملات شہر لندن کے مرکز پر جمع ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے چھبیس بنکوں کے وسیع المقدار باہمی لین دین کا تصفیہ جس سے دنیا کے ایک نہایت مہتم بالشان حصے کے کاروبار کی تکمیل ہوتی ہے کتنا کچھ اہم نہ ہوگا۔ لیکن ایک معمولی طول و عرض کے ہال میں جس کا راستہ کنگ ولیم اسٹریٹ سے لمبارڈ اسٹریٹ کو جانیوالی سڑک پر ڈاک خانے کے پاس سے نکلتا ہے ہر روز بالاوسط ۲۵ ملین پونڈ اسٹرلنگ کے لین دین کی چکوتی ایک سکے یا بنک نوٹ کی وساطت کے بغیر ہو جاتی ہے۔ لمبارڈ اسٹریٹ کے مشہور انام اوارہ جات مالی اور بالخصوص اس مختصر سے ہال میں کاغذی تجارت کے نظام کو اوج کمال پر پہنچا دیا گیا ہے مگر اس حساب گھر کی سرگذشت چنداں آشنائے علومات نہیں کیا اچھا ہوتا کہ وہ لوگ جو اس کی ترقی کے خاص خاص واقعات سے باخبر ہیں اپنی معلومات کو قلمبند کر دیتے ورنہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا یہ علومات بھی مفقود ہو جائیں گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حساب گھر کی بنیاد ٹھیک ایک سو سال پہلے ڈالی گئی تھی۔ تقریباً ۱۷۷۵ء میں شہر کے چند ساہوکاروں نے متفق ہو کر ایک کمرہ اس غرض سے

کرائے پر لیا کہ وہاں ان کے کارندے جمع ہوکر ہنڈیوں اور چٹھیوں کے مبادلے اور باہمی قرضوں کا تصفیہ کر لیا کریں۔ اس انجمن کی حیثیت ایک خانگی کلب کی سی تھی جس کا کل کاروبار نہایت پوشیدہ طریقے سے انجام پاتا تھا اور عام پبلک کو ان کارروائیوں کا کوئی علم نہ ہوتا۔ مسٹر گلبرٹ کی دانست میں اس شکل میں بھی اس کی حیثیت کچھ قابل اعتراض ہی تھی چنانچہ بعض خاص خاص ساہوکاروں نے اس سے کوئی سروکار نہ رکھا مگر رفتہ رفتہ اس انتظام کی سہولتیں محسوس ہوتی گئیں اور زیادہ ساہوکار اس میں شریک ہوتے گئے۔ انصرام کار کیلئے ایک خاص کمیٹی مقرر ہوئی اور قواعد منضبط کئے گئے۔ اگرچہ کہ اب بھی اس کی حیثیت ایک خانگی اور خود ساختہ انجمن سے بڑھ کر نہیں۔ نہ تو فرمان شاہی کی توثیق کی اسے عزت حاصل ہے اور نہ قانون نے اسے تسلیم کیا مگر اہمیت اس کی روز بروز استقلال سے بڑھتی جا رہی ہے اور کاروبار عام ہوتا جا رہا ہے۔

گذشتہ پچیس سال کے عرصے میں حساب گھر کے کاروبار کو کئی پہلوؤں سے وسعت دی گئی ہے۔ ۱۸۳۳ء کے بعد لندن میں جو سرمایۂ مشترک کے بنک قایم ہوئے ان کو ایک عرصے تک حساب گھر میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی تھی مگر بالآخر یہ بھی جون ۱۸۵۴ء میں شریک کر لئے گئے۔ بنک آف انگلینڈ البتہ ایک زمانے تک الگ تھلگ رہا مگر اب وہ بھی دوسرے بنکوں پر مطالبات پیش کرنے کی حد تک اس جماعت میں شریک ہے۔ اور لندن کے ویسٹ اینڈ والے بنک اب تک جو اس کے دائرۂ عمل سے خارج ہیں سو اس کی وجہ غالباً بعد مسافت ہے ان کی حیثیت ایسے صوبجاتی بنکوں کی ہو گئی ہے جو لندنی ایجنٹوں کے توسط سے چکوتی کرا سکتے ہیں۔

۱۸۵۸ء کے قبل حساب گھر کا کاروبار ایسے چکوں اور ہنڈیوں کے تبادلے تک محدود تھا جو فی الاصل چکوتی کرنے والے ساہوؤں (Clearing Bankers) کے موسومہ ہوتے تھے اور اضلاعی مہاجنوں کے ہاں جو دور و دراز کے موسومہ چک وغیرہ وصول ہوتے انھیں ڈاک کے ذریعے سے ادائی کے لئے راست بھیج دیا جاتا تھا۔ مقروض بنک ان کو وصول کر کے لندنی مہاجن کے پاس بھیجکر ہدایت

کر دیتا کہ دا بن بنک کے لندنی ایجنٹ کو رقم مندرجہ ادا کر دی جائے۔ مگر ۱۸۵۸ء کے بعد مسٹر جلٹ کی تجویز اور سر جان لباک کی ان تھک کوششوں سے اضلاعی چکوتی کا انتظام بھی قایم ہو گیا۔ اب اضلاعی ساہوکار ملک بھر میں ڈاک سے اِدھر اُدھر کثیر التعداد چکوں کی ارسال و ترسیل کرنے کے بجائے تمام چک وغیرہ ایک ہی خریطے میں ڈال کر اپنے لندنی ایجنٹ کے پاس بھیجدیتے ہیں تاکہ حساب گھر کی معرفت مدیون بنکوں کے ایجنٹوں سے ادائی کا مطالبہ کیا جائے۔ یہ مبادلے جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا وقتاً فوقتاً عمل میں آتے رہتے ہیں اور صرف نتائج کی میزان روزانہ کاروبار کی عام فاضلات میں ملا دی جاتی ہے۔

لندنی حساب گھر کا کاروبار

لمبارڈ اسٹریٹ کے حساب گھر میں روزانہ تین چکوتیاں ہوا کرتی ہیں صبح کی چکوتی معمولی دنوں میں ساڑھے دس بجے آغاز ہوتی ہے۔ مطالبات گیارہ بجنے کے بعد نہیں لئے جاتے کیونکہ بارہ بجے تک کام کا ختم ہو جانا لازمی ہے۔ اس کے بعد اضلاعی چکوتی شروع ہوتی ہے اور مطالبات ساڑھے بارہ بجے تک لے لئے جاتے ہیں اور سوا دو بجے تک تصفیہ ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑی چکوتی سہ پہر والی ہوتی ہے جس کا افتتاح ڈھائی بجے ہوتا ہے۔ کام کی گڑبڑ اور شور و غل چار بجے تک انتہائے عروج پر رہتا ہے۔ ہرکارے ہر طرف سے مطالبات کی آخری پارسلیں لئے ہوئے دوڑے آتے ہیں حتیٰ کہ بالآخر دروازہ بند کر لیا جاتا ہے۔ لیکن ہر ماہ کی چوتھی تاریخ جب کہ کام کی بڑی کثرت ہوتی ہے ان اوقات میں کچھ رعایت اور توسیع کر دیتے ہیں اور حساب گھر صبح کے نو بجے ہی کھل جاتا ہے۔

حساب گھر کی عمارت ایک سادہ مستطیل کمرہ ہے جس کے تین طرف بیچ تک میزوں کے حلقے بنے ہوئے ہیں اور ایک طرف دو نو منتظموں کا دفتر رہتا ہے۔ کام کو بعجلت ممکنہ پورا کرنے کی غرض سے حسبِ ضرورت ایک دو منشی ہر بنک سے آجاتے ہیں۔ بعض بنکوں کا کام تو اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ چھ چھ منشی بھیجنے پڑتے ہیں ہر چکوتی خواہ مثلاً الائینس بنک ان تمام چکوں اور ہنڈیوں کو جو تصفیے کے لئے پیش کرنی ہیں خارجی چکوتی کے رجسٹر میں درج کر لیتا ہے

بھراں کو چھانٹ کر چپیں پلندے تمام چکوتی خواہ بنکوں کے نام باندھ کر حساب گھر بھجوا دئے جاتے ہیں جہاں انھیں کل چکوتی خواہ بنکوں کے منشیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جو انھیں وصول کر کے فوراً داخلی چکوتی کے رجسٹروں میں اسموار پیش ساز بنکوں کے نام درج کر لیتے ہیں اس اندراج کے بعد بعجلت ممکنہ یہ تختے کل بنکوں میں اندراجات اور اعداد کی مطابقت اور مقابلے کے لئے بھیجدئے جاتے ہیں۔ ایسے چک یا ہنڈیاں جن جن کی ادائی سے انکار کیا گیا ہو "مستردات" کہلاتی ہیں اور عموماً اسی دن حساب گھر واپس کر دی جاتی ہیں۔ حساب گھر انھیں پیش ساز بنکوں کے حساب میں بطور مطالبۂ مخالف اور بحق سکارو درج کر دیتا ہے۔ ہر بنک کے اہل کار شام تک چپیں مختلف بنکوں کے مجموعی مطالبات سے بابید داد کی مقدار معلوم کر لیتے ہیں اسی طرح خارجی چکوتی کے رجسٹر کی میزان سے بابید گرفت کی مقدار بھی معلوم ہو جاتی ہے ان دونوں میزانوں کا تفاوت ہی ایسی فاضلات ہے جو کسی بنک کو لینی یا دینی ہوتی ہے۔ ان فاضلات سے مہتمان حساب گھر کو آگاہ کر دیا جاتا ہے جو ایک تختہ فاضلات مرتب کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تختے میں بابید داد اور بابید گرفت کی میزانیں بالکل مساوی ہونی چاہئیں کیوں کہ ہر رقم جو کسی بنک کو یافتنی ہے کسی نہ کسی بنک ہی سے گرفتنی ہوگی۔

اوّل اوّل تو بابید داد و بابید گرفت کی فاضلات بنک نوٹوں سے ادا کی جاتی تھی چنانچہ ۱۸۳۹ء میں روزانہ معاملتوں کی مقدار بالا وسط تین ملین پونڈ ہوتی تھی منجملہ اس کے دو لاکھ کی چکوتی بنک نوٹوں کی شکل میں اور صرف بیس پونڈ کی سکوں میں ہوا کرتی تھی جو قرضہ جات تصفیہ شدہ کا صرف پندرھواں حصہ تھا۔ مگر اب چارلس بابیج متوفی کی تجویز پر عمل کیا جا رہا ہے اور فاضلات کی ادائی بنک آف انگلینڈ کی موسومہ برآوردات (Drafts) سے ہوتی ہے جہاں شہر کے ہر ساہوکار کے غیر ضروری سرمائے کا ایک بڑا حصہ بطور امانت رکھا رہتا ہے۔

لندن کے حساب گھر میں کل چھبیس بنکوں کو سہولت کار کے خیال سے تین حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر بنک کا ایک منشی ایک ایک حلقے سے حساب لیتا ہے۔ یہ ایک نہایت عمدہ تدبیر ہے۔ تقسیم کار کے علاوہ ایک سہولت یہ بھی ہے کہ جب دو بنکوں کے حسابات کی مطابقت اور اصلاح و درستی

کے لئے کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس میں کچھ شبہ نہیں رہتا کہ کس منشی سے پوچھنا چاہئے۔

لندن کے حساب گھر میں جس عمدگی اور عجلت سے حسابات کا تصفیہ ہوتا ہے وہ نہایت حیرت خیز ہے مگر اس میں اصلاح کی ابھی اور گنجائش موجود ہے۔ پہلے تو اس کمرے ہی میں جہاں اتنی کثیر اور روز افزوں معاملتوں کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔ کافی وسعت نہیں۔ اگرچہ بعض بنک چھ چھ منشی مقرر کرتے ہیں جنھیں مشق سے خاصی مہارت ہو جاتی ہے مگر بعض اوقات کام کی بھی بڑی کثرت ہو جاتی ہے۔ ادھر سے سوال، ادھر سے جواب اور سب بیک وقت غرض ایک عجیب شور و ہنگامہ رہتا ہے اور کان پڑے آواز نہیں سنائی دیتی۔ ایک تو تھوڑی سی مہلت اور پھر ایسے ماحول میں اتنے بڑے اہم اور دماغی کام کا انجام دینا ایک خاصی آزمایش ہے عجب نہیں جو بعض اوقات کوئی پاگل ہو جاتا ہو۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ اس مفید طریقے کے استفادے کو صرف شہر کے چھبیس[۲۶] بنکوں ہی پر کیوں محدود کر دیا جائے۔ حالانکہ بعض دوسرے بنک بھی جواب موجود ہیں یا آئیندہ قایم ہوں ضرور ان سہولتوں سے مستفید ہونے کے خواہشمند ہوں گے چنانچہ نیویارک میں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، چکوتی کے کاروبار کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ لندن کے چھوٹے بنک بحالت موجودہ چکوتی ساہوں کو اپنا ایجنٹ بنانے پر مجبور رہیں ورنہ ان کو حساب گھر کے فوائد سے بالکل محروم ہو جانا پڑے گا۔ میری رائے میں اس قسم کے ایک محدود اجارہ کا ہمیشہ قائم رکھنا نہ تو قرین انصاف ہے اور نہ ممکن!

منچسٹر کا حساب گھر چکوتی کے طریقے کی بنیاد اگرچہ لندن کے حساب گھر ہی میں پڑی ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں کاروبار نہایت کثیر مقدار میں اور اعلیٰ پیمانے پر انجام پاتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے چھوٹے چھوٹے تجارتی شہروں کے لئے بھی اسی کے انتظام کی تقلید بہرحال موزوں ہوگی۔ کم از کم منچسٹر اور نیوکیسل وصوبجاتی شہروں میں مقامی حساب گھر قایم ہو چکے ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ لورپول کے ساہوکاروں نے بھی

حال ہی میں چکوتی کا کچھ خانگی انتظام کر لیا ہے ۔ عجب نہیں کہ دوسرے شہروں میں بھی اس قسم کا کچھ نہ کچھ انتظام ہوا ہو جس کی پبلک کو اطلاع نہیں ملی ۔

منچسٹر کے حساب گھر کی کمیٹی کے بعض ارکان کی عنایت سے ان کے کاروبار کی تفصیلی معلومات مجھے دستیاب ہوگئی ہیں ۔ اس انتظام کا جو زیادہ تر مسٹر ای ۔ ڈبلیو نکس کا قایم کیا ہوا ہے اور بہت کامیابی سے چل رہا ہے تفصیلی ذکر کرنا میری دانست میں بہت مفید ہوگا کیونکہ دوسرے ملکی ۔ غیر ملکی ۔ اور نوآبادیاتی شہروں کے لئے بھی جو بلاشبہ عنقریب چکوتی گھر کھولنے کی فکر میں ہوں گے یہی انتظام موزوں اور مناسب ہوگا ۔

منچسٹر کے حساب گھر میں بجائے حسابی کتابوں کے کھلے پرچوں پر حساب کیا جاتا ہے گو یہ پرچے (فارم) تعداد میں ضرورت سے زیادہ اور غیر ضروری تفصیلات کے حامل نظر آتے ہیں مگر فاضلات کا سہولت صحت اور باقاعدگی سے تصفیہ کرنے میں ان سے بہت مدد ملتی ہے ۔ ہر اہلکار اپنے بنک سے روانہ ہونے کے پہلے ہی کل مطالبات کو بنک وار چھانٹ کر تیرہ پلندے بنا لیتا ہے اسی لحاظ سے تیرہ فہرستیں بھی مرتب ہو جاتی ہیں جن کی ایک مخصوص رجسٹر میں نقل رکھ لی جاتی ہے چنانچہ تختہ نمبر ۱ مندرجۂ ذیل سے اس کی حقیقت واضح ہوگی ۔

فارم نمبر ۱

منچسٹر بنک کی چکوتی

یادداشت چک پیش کردہ

....

بنام

....

.... چکوتی .... سنۂ

ان تمام فہرستوں کی میزانوں کو تختہ نمبر ۲ مندرجہ ذیل کے بائیں جانب والے کالم میں درج کر کے جمع کر لیا جائے تو خارجی چکوتی کی مجموعی مقدار کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ایک سرسری نظر میں معلوم ہو سکتا ہے کہ دوسرے بنکوں سے کس قدر رقم واجب الوصول ہے۔

فارم نمبر ۲ — **مینچسٹر بنک کی چکوتی**

....

.... ۱۸ء

داخلی						بنک کا نام	خارجی					
دوسری چکوتی			پہلی چکوتی				پہلی چکوتی			دوسری چکوتی		
پنس	شلنگ	پونڈ	پنس	شلنگ	پونڈ		پنس	شلنگ	پونڈ	پنس	شلنگ	پونڈ
						اڈلفی						
						کنسالی ڈیٹیڈ						
						کونٹی						
						کنلف						
						ڈسٹرکٹ						
						ہے اوڈ						
						جائنٹ اسٹاک						
						کنگ اسٹریٹ						
						لینکا شائر						
						نیشنل پراونشل						
						سالفورڈ						
						سیویل						
						یونین						
						میزان						
						فاضلات						

حساب گھر پہنچتے ہی منشی تمام کمرے میں پھر کر ہر بنک کی مقررہ میز پر چکوں کے پلندے اور ایک فہرست جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح تھوڑی دیر میں اس کی میز پر بھی تیرہ بنکوں کی فہرستیں اور چکوں کے پلندے جمع ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیسے یہ وصول ہوتے جاتے ہیں منشی اپنی جگہ بیٹھا ہوا فہرستوں سے چکوں کی مطابقت اور میزانوں کی جانچ کرتا جاتا ہے اور صحت کا اطمینان کر لینے کے بعد فارم نمبر ۲ میں دائیں جانب والے کالم میں ہر پیش ساز بنک کے مقابل رقم درج کر لیتا ہے۔ یہ داخلی چکوتی کے پلندوں کا ذکر تھا جن سے کسی ایک بنک پر دوسرے تمام بنکوں کے مطالبات کی مجموعی مقدار معلوم ہوتی ہے یعنی جب کل تیرہ بنکوں کی رقمیں درج کر لی گئیں اور کل خانوں کی میزانیں جوڑ لی گئیں تو ہر بنک کے اہلکار کو بایدداد کی مجموعی مقدار معلوم ہو گئی۔

مانچسٹر میں روزانہ دو چکوتیاں ہوا کرتی ہیں۔ سوا گیارہ بجے والی چکوتی ابتدائی ہوتی ہے جس پر فاضلات کی کوئی ادائی نہیں ہوتی۔ جونہی ابتدائی چکوتی کے کالموں کی خانہ پری ہو جاتی ہے ہر بنک کا منشی داخلی چکوتی کے مطالبات اور چکوں کے پلندے لیکر اپنے بنک کو واپس ہو جاتا ہے۔ یوں تو اہلکار نے حساب گھر ہی میں باقاعدہ چک واپس کر دیئے لیکن بنکوں میں پھر چند منشی جو بطور خاص اس کام پر مامور ہیں پوری جانچ پڑتال کرتے ہیں تاکہ بےقاعدہ، جعلی، فرضی یا ایسا چک جو اسامی کے سرمایۂ امانتی میں گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے ناقابل ادائی ہو جاتا ہے محسوب نہ ہو جائے۔ اہلکار نے چکوں کے پلندے گو ایک سرسری جانچ کے بعد منظور کر لئے مگر کوئی مطالبہ قطعی طور پر اس وقت تک قابل قبول نہیں قرار پاتا جب تک کہ چکوتی ہو کر کم از کم ایک گھنٹہ نہ گذر جائے۔ مگر مسترد مطالبات کی مقدار چنداں زیادہ نہیں ہوتی اور جونہی ان کی گرفت ہو جاتی ہے۔ پیش کنندہ کے ہاں واپس کر دیئے جاتے ہیں۔

دوسری چکوتی سوا دو بجے ہوتی ہے اور ٹھیک پہلی چکوتی کی طرح انجام پاتی ہے داخلی و خارجی چکوتی کے مدات کی فارم نمبر ۲ میں تکمیل ہو جانے کے بعد ہر ایک کی میزان کر لی جاتی ہے۔ اس فارم سے ایک طرف رقوم بایدداد اور دوسری طرف باید گرفت ظاہر ہو جاتی ہیں اور ان دونوں کا تفاوت یا فاضلات ہی

ایسی رقم ہے جس کے لینے یا دینے کی نوبت آئے گی ۔ ہر بنک کا منشی میزان اور فاضلات کو ایک مختصر سے فارم نمبر ۳ میں نقل کر کے حساب گھر کے انسپکٹر کو دیدیتا ہے۔

فارم نمبر ۳

مسرز ....

خارجی چکوتی ــــ پونڈ .... شلنگ .... پنس

داخلی چکوتی ــــ پونڈ .... شلنگ .... پنس

فاضلات ــــ پونڈ .... شلنگ .... پنس

تاریخ .... سنہ ۱۸ع

انسپکٹر ان فاضلات کو فارم نمبر ۴ مندرجہ ذیل میں درج کر کے جانچ کر لیتا ہے منجملہ تیرہ بنکوں کے اس فارم میں ہم نے صرف چار بنکوں کا حساب بتلایا ہے اور بنکوں کے نام بھی مختصر لکھے ہیں ۔ بنک آف انگلینڈ کی شاخ کو صرف لفظ بنک سے موسوم کیا گیا ہے ۔

فارم نمبر ۴

باید گرفت			نام بنک	باید داد		
پنس	شلنگ	پونڈ		پونڈ	شلنگ	پنس
			اڈلفی			
			بنک			
			کنسالی ڈیٹیڈ			
			کونٹی			

فاضلات برآمد کرنے کے بعد ہر رقم کسی بنک کو واجب الوصول کسی دوسرے بنک کی رقم بابیدواد کے مساوی ہونی چاہیئے کیونکہ ہر چک دو مرتبہ حساب میں آتا ہے ایک بار کسی بنک کے موافق محسوب ہوتا ہے اور ایک بار کسی نہ کسی بنک کے خلاف: پس اگر فارم نمبر ۲ کی قابل ادائی اور قابل وصول رقموں میں تفاوت پایا جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ حساب میں کہیں نہ کہیں غلطی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں حساب کی پھر مکرر جانچ کرکے اصلاح کرلی جاتی ہے اگر کوئی غلطی نہ پائی جائے تو صرف ادائی کا کام باقی رہ جاتا ہے جس کے لئے بابیدواد (Debit) و بابید گرفت (Credit) کے پرچوں سے کام لیتے ہیں۔ یہ پرچے بنک آف انگلینڈ کی شاخ کے نام کے حکمنامے ہوتے ہیں کہ چکوتی خواہ بنکوں کے کھاتوں میں حسب ہدایت ضروری جمع وخرچ کا عمل کردیا جائے۔ حساب گھر کی ادائیاں خواہ وہ کسی کی جانب سے اور کسی کے حق میں ہوں بالکل مصنوعی شکل کی ہوتی ہیں اور چونکہ روزانہ آمد وخرچ میں کوئی تفاوت نہیں رہتا اس لئے حساب گھر میں بجز خفیف چالو اخراجات یا معمولی حسابی غلطیوں کے مدات کے کسی علیحدہ کھاتے کے رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ادائیوں کے جمع وخرچ کی تکمیل کے لئے ہر مقروض بنک کا منشی ایک دوہرا تختہ نمبر ۴ جو درج ذیل ہے مرتب کرتا ہے:۔

فارم نمبر ۴

حساب گھر کا تصفیہ بنک آف انگلینڈ منچسٹر ...... سنہ ۱۹۱۸ء مبلغ .... چکوتی کرنے کے بعد مسرز	حساب گھر کا تصفیہ منچسٹر ...... سنہ ۱۹۱۸ء بنام صرفان بنک آف انگلینڈ براہ کرم ہمارے کھاتے سے مبلغ ...... کی رقم نکال کر چکوتی ساہوؤں کے

کے کھاتے سے مسرز	کھاتے میں جمع کر دیجئے اور ان میں
....	سے کسی کو بعد اطلاع انسپکٹر و اخذ دستخط
کے کھاتے میں آج شام کو بنک پر منتقل کئے گئے	توثیقی حاصل کر لیتے دیجئے۔
منجانب بنک آف انگلینڈ...... (دستخط)......	دستخط ....
مبلغ پونڈ	پونڈ ....

"بائیں جانب کے کوپن پر اہلکار اگر مجاز ہو تو خود دستخط کرتا ہے ورنہ اپنے مالک کی دستخط حاصل کرنے کے بعد بنک آف انگلینڈ میں لیجاکر داخل کر دیتا ہے۔ اس میں بنک آف انگلینڈ کے صراف (Cashier) کو ہدایت کی جاتی ہے کہ فاضلات کی رقم مقروض بنک کے کھاتے سے نکال کر حساب گھر کے کھانہ میں جمع کر لی جائے بنک آف انگلینڈ کا افسر مجاز اس ہدایت کے بموجب ادائی کر کے دہنی جانب والے فارم کی تکمیل کرتا ہے جو حساب گھر کے لئے اس کے کھاتے میں رقم کے جمع کئے جانے کا وثیقہ ہو جاتا ہے۔

مگر جب فاضلات کسی بنک کے حق میں ہو تو فارم نمبر ۵ استعمال ہوتا ہے جس کو امتیاز اور شناخت کے لئے سبز کاغذ پر چھاپ کر رکھتے ہیں۔ اس فارم کی غایت کافی طور پر واضح ہے۔

فارم نمبر ۵

حساب گھر کا تصفیہ	حساب گھر کا تصفیہ
بنک آف انگلینڈ	بنام صرافان بنک آف انگلینڈ
منچسٹر .... سنہ ۱۸ء	براہ کرم مبلغ ....
آج شام کو مبلغ	کی رقم حکومتی ساہوؤں کے کھاتے سے لے کر
کی رقم حکومتی ساہوؤں کے کھاتے سے نکال کر	ہمارے کھاتے میں جمع کر لیجئے۔
مسرز	دستخط ....
کے کھاتے میں جمع کر لی گئی ہے۔	پونڈ ....
منجانب بنک آف انگلینڈ ...... (دستخط)	....
پونڈ	

اب صرف مستردات کا تصفیہ باقی رہ جاتا ہے۔ ان کی بھی نقد ادائی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ فاضلات کی ادائی ہر روز محض عارضی ہوا کرتی ہے اور ایسے چک جن کے سکارنے سے انکار کیا گیا ہو اگران کی بے قاعدگیوں کی اصلاح اور تشفی بخش طریقے پر اعتراضات کا ارتفاع نہ کرایا جائے تو انھیں ایک ہی گھنٹے میں پیش ساز بنکوں کے ہاں واپس کر دیا جاتا ہے اور پیش ساز صراف کی فارم نمبر ۶ مندرجہ ذیل پر دستخط لے لیجاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قدر رقم اسے آخری چکوتی پر حساب سے زیادہ وصول ہوئی ہے۔ مسترد کرنے والا بنک ایسے چک کو خارجی چکوتی کے بستے میں شامل کر دیتا ہے۔ جس کا بعد والی چکوتی میں تصفیہ ہو جاتا ہے۔

فارم نمبر (۶)

منچسٹر بنک کی چکوتی

منچسٹر ۱۸ء

اس چھٹی کی پیش سازی پر ہم آیندہ چکوتی میں مبلغ ....

کی رقم حسب تفصیل ذیل مسترد شدہ چکوں کی بابت

مسمٰی .... کے حق میں جمع کرا دیں گے۔

منجانب .... پونڈ ....

پونڈ ....

پونڈ ....

منچسٹر کے حساب گھر میں چکوتی کے لئے اتنی دیر بھی نہیں لگتی جتنی کہ اس کا تفصیلی حال پڑھنے میں لگتی ہے۔ اور برخلاف لندنی حساب گھر کے یہاں کا کام نہایت سہولت و اطمینان سے بغیر کسی شور و شغب کے پورا ہو جاتا ہے۔ البتہ یہاں کی تصفیہ شدہ رقوم کا لندنی رقوم سے کوئی مقابلہ نہیں چنانچہ ۱۸۷۲-۷۳ء میں روزانہ تصفیہ شدہ رقوم کا اوسط علی الترتیب (۲۲۶۱۶۰) پونڈ (۲۳۷۱۵۰) پونڈ (۲۴۷۹۳۰) پونڈ یعنی لمبارڈ اسٹریٹ کے اوسط کے ستوئیں حصے سے کچھ ہی بڑھ کر تھا۔

مینچسٹر کے حساب گھر کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہے جس کا صدر بنک آف انگلینڈ کا چیف ایجنٹ متعینہ مینچسٹر ہوا کرتا ہے اور چکوتی کا کام بھی اسی بنک کے ایک عہدہ دار کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔ اگرچہ ان انتظامات میں بنک آف انگلینڈ کو سب پر فوقیت اور برتری حاصل ہے لیکن مقامی ساہوکاروں کے ساتھ یکجہتی سے تعاون کرتے ہیں اسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔

نیویارک کا حساب گھر

نیویارک کا حساب گھر جو اکتوبر ۱۸۵۳ء میں قائم ہوا تھا اب ایک مہتم بالشان چیز بن گئی ہے۔ لندن کے چھبیس بنکوں کے مقابلے میں یہاں ۵۹ بنکوں کا کام ہے اور تصفیہ شدنی معاملتیں بھی لندن سے کسی طرح کم نہیں۔ کاروبار کی چکوتی کا عام طریقہ بھی لازماً کم و بیش وہی ہے لیکن بعض باتوں کے لحاظ سے یہاں کا انتظام لندن کے حساب گھر سے بہتر ہے۔ برخلاف اس چھوٹے شیشہ گھر کے جس میں لمبارڈ اسٹریٹ کے انسکپٹر بیٹھا کرتے ہیں یہاں ایک وسیع "اکسچینج روم" میں کام کیا جاتا ہے اور منتظم اور اہلکاروں کے لئے کافی وسعت و گنجائش موجود رہتی ہے۔

علاوہ اس ہرکارے کے جو چکوں اور ہنڈیوں کے بستے لاتا اور لیجاتا رہتا ہے کمرۂ تبادلہ میں نیویارک کے ہر بنک کا ایک اہلکار متعین رہتا ہے۔ اس کمرے کے وسط میں میزوں کی قطاریں بیضوی شکل میں جمائی گئی ہیں ہر اہلکار کے لئے ایک ایک میز اور ایک ایک ہرکارہ ہوتا ہے جو میزوں کے اطراف پھر پھر کر کاغذات لاتا لیجاتا رہتا ہے۔ خارجی چکوتی کی پارسلیں تقسیم کرتا ہے اور داخلی چکوتی کی پارسلیں جمع کرتا ہے۔ اس کو نیویارک میں تبادلات دادنی و گرفتنی کہتے ہیں اس ادارے کا تفصیلی حال گبن کی کتاب الموسوم بہ "نیویارک کے بنک" سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ صوبجاتی چکوتی گھروں کی تعداد بھی جو ممالک متحدہ امریکہ کے خاص خاص شہروں میں واقع ہیں پندرہ سے کم نہیں ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ امریکہ میں نظام تصفیہ حسابات بہ نسبت انگلستان کے زیادہ وسیع اور مکمل ہے۔

نظام تصفیہ حسابات کی توسیع

چند سال پہلے تک مہاجنوں کے صرف دو ہی چکوتی گھر تھے ایک لمبارڈ اسٹریٹ میں اور ایک نیویارک میں مگر اب حال ہی میں

دوسرے مقامات پر اور دوسرے بیوپاروں میں بھی اس طریق کی اشاعت اور ترقی ہوگئی ہے چنانچہ منچسٹر میں ۱۸۷۲ء میں ایک حساب گھر قائم ہوا اور نیوکیسل میں بھی اس کا افتتاح ہو چکا ہے لیکن براعظم کے شہروں میں سے صرف ایک شہر میں اس پر عمل ہوا ہے۔ پبلیس ڈی لابورس واقع پیرس میں تقریباً اٹھارہ ساہوکاروں نے ایک انجمن موسوم بہ ادارۂ معاوضہ قائم کی ہے جہاں کم وبیش انگریزی طریقے ہی پر باہمی داد وستد کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے مگر فرانس جرمنی اور براعظم یورپ کے دوسرے ملکوں میں مہاجنی چکوں کی ترقی بہ نسبت انگلستان وامریکہ کے بہت کم ہوی ہے چنانچہ جرمنی میں اگر کسی کو سو پونڈ ادا کرنے ہوں تو وہ سو پونڈ تھیلی میں ڈال کر سربمہر کر کے بذریعۂ رجسٹری ڈاک خانے بھجوا دیتا ہے چونکہ خوش قسمتی سے جرمنی کا انتظام ڈاک نہایت اعلیٰ ہے اس لئے کسی خطرے کا احتمال نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس ملک میں انتظامات ترسیل اتنے عمدہ ہوں وہاں حساب گھر کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔

میرے خیال میں چکوتی کے طریقے کو صرف مہاجنی معاملات ہی تک محدود رکھنے کی وجہ نہیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ ہر حصۂ ملک کے معاملاتِ زر بنکوں ہی پر جمع ہوتے ہیں اس لئے خاص چکوتی ہمیشہ ساہوکاروں ہی کے توسط سے ہوگی لیکن جہاں تجار کے کسی خاص گروہ کے بے شمار باہمی مطالبات ہوا کرتے ہوں انھیں یہی مناسب اور سہولت بخش معلوم ہوگا کہ اپنا ایک علیحدہ حساب گھر قائم کر لیں چنانچہ ۱۸۴۲ء میں ہی رابرٹ مارلین اور مسٹر کے مارلین نے محسوس کیا کہ شہر کے حساب گھر کا اصول نہایت کامیابی اور سہولت کے ساتھ ان مختلف ریلوے کمپنیوں کے حسابات کے تصفیے کے لئے بھی جو راست (Through) ٹکٹ اجرا کیا کرتی ہیں منطبق کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یوسٹن اسکویر کے بڑے مکان میں جمع ہو کر محاسب جو کام کیا کرتے ہیں وہ مہاجنوں کے چکوتی گھر کے کاروبار سے مقداریں بہت زیادہ اور نوعیت میں زیادہ پیچیدہ ہے۔ مقصود لیکن اس کا یہی ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کو دوسری کمپنیوں سے جس قدر لینا یا دینا ہے اس کی مقدار معلوم کی جائے مگر فاضلات وادنی یا گرنقتی کی ادائی ساہوکاروں کے جمع وخرچ ہی کی منتقلیوں سے ہوتی ہے۔

لورپول میں خاص کر کے روئی کی منڈی میں جہاں بڑی بڑی رقوم ادھر سے

اُدھر منتقل ہوتی رہتی ہیں پچھلے سال کے عرصے میں چکوں کے شیوع کی بہت کچھ کوشش کی گئی مگر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور بعض خاص اسباب سے جن کی تحقیق دشوار ہے چکوں کا رواج وہاں اتنا عام نہ ہو سکا جتنا کہ دوسرے بعض تجارتی شہروں میں ہوتا ہے وہاں اب تک اکثر دکانیں ادائیوں میں چک قبول کرنے سے انکار کرتی ہیں اور برس دو برس پہلے تو یہ عام طور سے دیکھا جاتا تھا کہ منچسٹر کی دکانیں نوٹوں کے بنڈل بذریعۂ ریل ادائیوں کی تکمیل کے لئے بھیجا کرتی تھیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ بنک آف انگلینڈ کے نوٹوں کے بجائے معمولی بنکوں کی درشنی ہنڈیوں سے کام لیا جا رہا ہے جو ڈاک سے بھیجی جاتی ہیں۔

لورپول کے اسٹاک اور روئی کے دلال جنھیں کوئی ادائی کرنی ہوتی ہے اپنی رقمیں نوٹ یا نقد کی شکل میں بنکوں سے برداشت کر کے منشیوں کے ہاتھ شہر میں تقسیم کرا دیتے ہیں اور ہر روز شام کو نقدیات کے کثیر التعداد صندوقچے جن میں بڑی بڑی رقمیں بھری ہوئی ہوتی ہیں رات کو حفاظت کے لئے ایک مشہور و معروف زرگر کی دکان میں جو دار البلد کے مقابل واقع ہے رکھوائے جاتے ہیں یعنی ایک کثیر المقدار سرمایہ یونہی بیکار پڑا رہتا ہے۔ بڑی حیرت ہے کہ مہاجن لوگ موجودہ موانعات کو دور کر کے ان خطیر رقموں سے اپنے امانتی سرمائے میں اضافہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ لوگوں کو ایسی امانتوں پہ $\frac{1}{8}$ یا $\frac{1}{4}$ فی صد کمیشن برداشت کرنا پڑتا ہے حالانکہ اگر یہی کام مہاجنوں سے لیا جائے تو بڑی بڑی معاملتوں کی چکوتی اور تصفیۂ حسابات میں بھی اتنے مصارف نہ ہوں گے۔

۱۸۷۴ء میں جو لندن میں اسٹاک اکسچینج کا حساب گھر قائم ہوا ہے اور جہاں بجائے رقمی معاملتوں کے اجناس کا تصفیہ کیا جاتا ہے چکوتی کے اصول کی ایک اہم توسیع عمل آ گئی ہے۔

اسٹاک کے دلال (Brokers) چونکہ اپنی معاملتوں کا تصفیہ پندرہ دن میں صرف ایکبار کرتے ہیں اور کانسلوں کی صورت میں اس کی نوبت مہینے میں ایک مرتبہ آتی ہے اس لئے درمیانی وقفوں میں دلال اپنے کسی اسامی کے لئے ایک خاص جنس کا اسٹاک خریدتے ہیں اور دوسرے کی جانب سے بیچ ڈالتے ہیں۔

ایک ہی اسٹاک مختلف ہاتھوں سے گذرتا ہے اور انھی دلالوں کی آپس میں بار بار معاملتیں ہوتی ہیں اس لئے بجائے اس کے کہ ہر معاملت پر اصل اسٹاک کو منتقل کر کے ادائیوں میں لندنی حساب گھر کے یوم چکوتی (Clearing day) کی طرح چکوں کی بھرمار کی جائے یہ ترکیب کی گئی ہے کہ حساب گھر کا ہر رکن داونی یا کرفتنی اسٹاک کی خالص مقدار کا ایک تختہ مرتب کر کے منتظم حساب گھر کے حوالے کر دیتا ہے جس کا کام یہ ہے کہ ان تختوں کے اعداد کی جانچ کرنے کے بعد مقروض ممبروں کو ہدایت کرے کہ اسٹاک کی فلاں مقدار فلاں کو ادا کر کے معاملتوں کا تصفیہ کرے۔ مگر رقوم کی منتقلی کی طرح یہ انتقالات بعض صاف وصریح وجوہ کی بنا پر منتظم حساب گھر کے بالمواجہ نہیں ہو سکتے بلکہ اسٹاک اکسچینج ہی میں دلالوں کے مابین تکمیل پاتے ہیں۔

ہر جنس کے اسٹاک کی چکوتی علحدہ ہوتی ہے۔ اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چکوتی پر منتقل شدنی اسٹاک کی مقدار دس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی اور ان چکوں کی مجموعی رقم جو تصفئے کے روز مرتب ہوتے ہیں دس ملین اسٹرلنگ پونڈ سے نہیں بڑھتی۔

لورپول کے دلالوں کی انجمن نے اگرچہ اس طریقۂ چکوتی کو اختیار نہیں کیا تھا مگر حال ہی میں روئی کی آئندہ فروخت کے کاروبار اور حسابات کے تصفئے کے لئے انھوں نے ایک نیا طریقہ نکالا ہے اس نئے انتظام سے آخری بایع اور پہلے مشتری میں راست تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور درمیانی معاملتوں سے جن میں کئی دلالوں کا ہاتھ رہتا تھا اور معاہدات کی تکمیل میں تاخیر اور بدمزگیاں پیدا ہو جاتی تھیں نجات مل جاتی ہے اس انجمن کے کاروبار کو اب اس قدر وسعت دی جا رہی ہے کہ آیندہ کل معاہدات اعلانات اور ادائیوں کی تکمیل اسی کے توسط سے ہوا کرے گی۔

اگرچہ چکوتی کے انتظام کو ساہوکاری معاملتوں سے لیکر ریلوے۔ اسٹاک اکسچینج اور روئی کے دلالوں کے کاروبار تک وسعت دی جا چکی ہے مگر اب بھی یہ غور طلب ہے کہ آیا اس انتظام سے تا بحد امکان سب مستفید ہو رہے ہیں اور مزید توسیع کی گنجائش نہیں ہے شلاً یہ ہو سکتا ہے کہ دلال یا تاجروں کی اور جماعتیں یا طبع و نشر کا کام کرنے والے جن کی آپس میں اکثر رقمی داد و ستد ہوتی رہتی ہے

ہفتے میں ایک دو بار کسی جگہ جمع ہو کر حسابات کا تصفیہ کر لیا کریں چنانچہ ایسی تجویزیں پیش بھی ہو چکی ہیں اور سنا گیا ہے کہ گلاسگو کی لوہے کی منڈی میں تو باہمی معاملتوں کی بیکوتی کے لئے تصفیے کا ایک دن مقرر کر لیا گیا ہے۔

چک اور نظام تصفیہ حسابات کے فوائد

ساہوؤں کے حساب گھر کے مضمون کی طرف ایک بار پھر رجوع ہو کر اس وسیع نظام تعلقات کے متعلق جو اس وقت انگریزی بنکوں کے مابین قائم ہے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ طریق خود بخود معرض وجود میں آگیا ہے۔ کسی خاص شخص کی اختراع کا یہ ممنون احسان نہیں۔ مجلس مقننہ سے اس کی اجازت نہیں لی گئی تھی کہ حکام عدالت نے بھی جب تک کہ وہ نظام کاروبار کی حیثیت سے مستقل طور پر قائم نہ ہو لیا اسے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اس کے کام کاج میں سہولت پیدا کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے کسی قانون نے اعانت نہیں کی بلکہ صرف بنکوں کے باہمی سمجھوتے ہی کی بنا پر حساب گھر کے ذریعے سے چکوں اور ہنڈیوں کی پیش سازی اور تصفیہ بذریعہ ادائی فاضلات جائز متصور ہوتا ہے۔

اس نظام کے فوائد کثیر اور بداہتہً مہتم بالشان ہیں۔ بڑی سے بڑی ادائیاں بلا کسی جوکھم کے عمل میں آجاتی ہیں۔ سہولت کے علاوہ وقت کی کفایت اور قیمتی دھاتوں کے استعمال سے نجات ملتی ہے۔ چک تو محض ایک وثیقۂ ادائی ہے اور وہ جب ملک میں ادھر سے ادھر بھیجا جاتا ہے تو وہ رقم جو اس کے ذریعے سے منتقل کی جاتی ہے کسی بنک کے تہ خانوں میں محفوظ رہتی ہے یعنی وہ ایک غیر ضروری شے سمجھی جاتی ہے اور قرض پر اٹھا دی جاتی ہے یا ملک کے باہر بھیجدی جاتی ہے اور سود کا بہر حال فائدہ ہوتا رہتا ہے۔ پہلے ہم لکھ آئے ہیں کہ مملکت متحدہ میں جس قدر زر فلزی چلن میں موجود ہے یا ذخیرہ کر کے رکھ لیا جاتا ہے اس سے سالانہ چار پانچ ملین پونڈ کا نقصان ہوتا ہے اور اگر کل ادائیاں سکوں ہی کی شکل میں کی جایا کریں تو کئی گنا زر فلزی درکار ہوگا اور کس قدر سود کا نقصان نہ ہوگا۔ دھات یا سکے اگر بڑی بڑی مقداروں میں منتقل کئے جائیں تو چوروں اور رہزنوں کو بڑی تحریص ہوتی ہے اور ایک دو کیا بلکہ زیادہ محافظین کا بدرقہ بھیجنا پڑتا ہے پس اس طریق سے ادائیاں جس حفاظت کے ساتھ عمل میں آتی ہیں وہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔

کیونکہ بنکوں کے توسط سے بڑی بڑی ادائیاں خواہ وہ خط کشیدہ چکوں کے ذریعے ہوں یا اعتمادی چٹھیوں سے عمل میں آئیں کسی خطرہ کا احتمال نہیں ہے۔ حساب گھروں میں جو چک ہنڈیاں اور دوسری دستاویزیں منتقل کی جاتی ہیں ان پر بالعموم آڑے خط کھینچے ہوئے جاتے ہیں یا کچھ لکھدیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سوائے قانونی مالک کے وہ اور کسی کے لئے موجب منفعت نہیں ہو سکتے۔ اور چور توان کو بالکل ردی کا پرزہ سمجھکر دست اندازی کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔

نقد ادائیوں کا تناسب

دستاویزات قرطاس نے ذریعۂ مبادلہ کی حیثیت سے کاروبار کے بعض خاص خاص مرکزوں میں جس حد تک سکّے کی جگہ لے لی ہے وہ حیرت انگیز ہے چنانچہ سر جارج لباک نے اپنے بنک کے ۱۸۶۴ء کے چند آخری دنوں کے کاروبار کی بعض تفصیلات جو ستمبر ۱۸۶۵ء کے اسٹاٹسکل جرنل میں شایع کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کل (۲۳) ملین پونڈ کی رقمی معاملتوں میں دستاویزات اور سکہ جات کا تناسب حسب ذیل تھا:—

چک اور ہنڈیاں جن کا حساب گھر کے توسط سے تصفیہ ہوا……	۷ء۷۰ فیصد تھے
” ” جن کی چکوتی نہیں ہوئی……	۳۲ء۲۳ فیصد تھے
بنک آف انگلینڈ کے نوٹ……	۰ء۵۰ فیصد تھے
سکّے……	۰ء۶۰ فیصد تھے
کونٹی بنک کے نوٹ……	۰ء۳ فیصد تھے
جملہ	۱۰۰ء۰۰

اور ان رقومات زر کی مقدار جو شہری اسامیوں نے ادا کیں انیس ملین پونڈ تھی جس کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ

چک اور ہنڈیاں……	۹۶ء۸ فی صد تھیں
بنک آف انگلینڈ کے نوٹ……	۲ء۲ فی صد تھے
کونٹی بنک کے نوٹ……	۰ء۴ فی صد تھے
سکّے……	۰ء۶ فی صد تھے
جملہ……	۱۰۰ء……

ان اعداد سے ایک لحظے کے لئے بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ ساہوکاری معاملتوں میں بنکوں کا استعمال بالاوسط اسی قدر ہے کیونکہ ملک کے مختلف حصوں اور مختلف کاروباروں میں اور نیز مختلف حیثیت اور نوعیت کے بنکوں میں مختلف قسم کی رقومات زر اور رقوم قرطاسی کا تناسب جدا جدا رہتا ہے۔ مہاجن اور ایسے اشخاص جنھیں ان معلومات پر دسترس حاصل ہے اگر بالتفصیل ان کی اشاعت کریں تو بہت اچھا ہوگا۔ میرے علم میں بنک آف انگلینڈ کے نوٹوں کا استعمال بہ نسبت لندن کے منچسٹر میں بہت زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مسٹر آر ایچ انگلس پالگریو نے مارچ ۱۸۷۳ء کے اسٹاٹسکل جرنل کے صفحہ ۸۶ پر منچسٹر اور سالفورڈ بنک کے منتظم ڈائرکٹر سے اس بنک کی نقد ادائیوں کے تناسب کا جو تختہ شایع کرایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۹ء میں کل ادائیوں کا (۵۳) فیصد حصہ سکوں اور نوٹوں کی شکل میں تھا ۱۸۶۴ء میں یہ (۴۳) فیصد اور ۱۸۷۲ء میں ۳۲ فیصد ہوگیا۔ غرض نہایت سرعت کے ساتھ اس تناسب میں کمی ہوتی گئی لیکن پھر بھی ۱۸۷۲ء میں نوٹوں کی تعداد زیادہ ہی رہی۔ اور گاہکوں کی داد وستد کا حساب حسب تفصیل ذیل تھا۔

چک ہنڈیاں وغیرہ............ ۶۸ فی صد
بنک نوٹ............ ۲۷ فی صد
سکے............ ۵ فی صد

اب تک میں نے یہ تبلانے کی کوشش کی ہے کہ ساہوکاری طریق کے مختلف مدارج میں تصفیہ شدہ رقوم میں چکوں اور ہنڈیوں وغیرہ کا کیا تناسب رہتا ہے اب یہ دریافت طلب ہے کہ ملک کے تمام بنکوں کا لحاظ کرتے ہوئے حساب گھر کے معاملات کس شمار میں ہیں۔ اگر خاص خاص شہروں کے ایک یا زیادہ بنکوں سے یہ مواد مل جائے کہ ان کے ہاں مختلف طریقوں سے کتنے چکوں کا تصفیہ ہوا تو اس کا ایک معقول اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا۔ منچسٹر کے ایک بڑے بنک کے منتظمین نے ازراہ کرم جو مواد فراہم کر دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۷۲ء میں جولائی سے اکتوبر تک جو چک اور عندالمطالبہ ہنڈیاں بنک کو وصول ہوئیں یا اس کے توسط سے ادائی کے لئے پیش کی گئیں ان کا تصفیہ

حسب تفصیل مندرجۂ ذیل ہوا:۔

چیک جن کی ادائی بنک ہی میں نوٹوں یا سکوں کی شکل میں ہوئی ....۴۳ء۲ فی صد
" جو بنک کے موسومہ تھے اور جن کی رقم اسامیوں کے کھاتے میں جمع ہوئی ....۴ء۲۵ فیصد
" جو منچسٹر کے حساب گھر کے توسط سے پیش کئے گئے ....۵ء۲۲ فیصد
چک اور عندالمطالبہ ہنڈیاں موسومہ لندن جو لندن کے حساب گھر کی معرفت پیش ہوئیں ....۸ء۱ فیصد
" موسومہ ساہوکاران اضلاع " " " ....۳ء۵ فیصد
" " " " جو راست پیش ہوئے ....۶ء۳ فیصد

۱۰۰ء...

اگرچیکہ اس حساب کی تیاری اور مواد کے حصول میں بڑی محنت برداشت کی گئی مگر اب بھی یقین نہیں ہے کہ یہ اعداد مکمل اور صحیح ہیں صحت کے خیال سے نہیں بلکہ اس غرض سے میں نے ان کو درج کر دیا ہے کہ اس قسم کا مواد حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

بعض اشکال جن میں طریقۂ چلوتی کارآمد نہیں ہوتا

اب یہ کافی طور سے واضح ہو چکا ہے کہ تجارت اور داد و ستد اگر باہمی ہو تو چک اور چلوتی کے طریقے سے کل تبادلات کا تصفیہ ہو جاتا ہے اور ایک حبہ کا بھی استعمال کرنے کی ضرورت داعی نہیں ہوتی۔ اگرچیکہ مال کی قدر کا اندازہ اور اظہار رقوم طلائی میں ہوتا ہے مگر یہ صرف بطور نسب نمائے قدر ہے اور فی الاصل زر فلزاتی ذریعہ تبادلہ باقی نہیں رہتا۔ بقول مسٹر لفینگلن کے نظام ساہوکاری سے پھر بارٹر کا طریق ہی معرض وجود میں آجاتا ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں مماثلتیں باہمی نہیں ہوتیں اس لئے جمع و خرچ سے ان کی چلوتی ممکن نہیں ہوتی مثلاً بعض تجارتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں مال کی ایک طرف سے صرف آمد ہی آمد رہتی ہے روئی کی تجارت ہی کو لیجئے منچسٹر کے صناع ہمیشہ لورپول سے روئی خریدتے ہیں اور قیمت یا تو نقد ادا کرتے ہیں یا ئدتی چٹھیاں دیدیتے ہیں گو تیار ہونے کے بعد منچسٹر کا مال لورپول ہی سے ہوکر غیر ملکی بیوپاریوں کے پاس طویل المدت اعتمادی چٹھیوں پر بھیجا جاتا ہے لیکن عموماً لورپول والے تو یہ مال لیتے نہیں اس لئے منچسٹر کا صناع خام پیداوار اور محصول جہاز کی بابت لورپول والوں کا مقروض رہتا ہے مگر منچسٹر کا

کوئی مطالبہ عکسی لورپول پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ غیر ملکی بیوپاری بھی منچسٹر کے کپڑے کی قیمت کی ادائی ایسی ہنڈیوں سے کرتے ہیں جن کی چکوتی لندن میں ہوتی ہے پس اگر منچسٹر کے صناع اپنا سرمایہ منچسٹر ہی میں رکھیں اور لورپول کے تجار لورپول ہی میں تو ارسال و ترسیل زر کی ایک مستقل رو لندن سے منچسٹر اور منچسٹر سے لورپول کی طرف جاری رہے گی اور وہاں سے غیر ملکوں میں پیداوار خام کی خریدی کے لئے چلی جائے گی۔ اس غیر سہولت بخش صورت حال کی اصلاح جس کی تفصیل ۲۲ ویں باب میں درج کی جائے گی اس طرح کی گئی ہے کہ ملکی اور غیر ملکی ہر دو قسم کی معاملتوں کا لندن ہی کو مرکز قرار دے لیا گیا ہے۔

اسی قسم کی بعض اور صورتیں بھی ہیں جن میں مطالبات بحوالہ زر فلزاتی ظاہر کئے جاتے ہیں اور جن کا اسی شکل میں ہر وقت مطالبہ ادائی ہو سکتا ہے یا چکوں کے قابض جیسا کہ تجارت کی بعض خاص حالتوں میں ہوتا ہے زر طلائی کا مطالبہ کرنے لگیں تو مہاجنوں کو جو محفوظ زر فلزی کو ایک غیر ضروری شے سمجھنے لگے ہیں بڑے مخمصے میں مبتلا ہو جانا پڑے گا۔ اور جیسا کہ ہم ۲۴ ویں باب میں بتلائیں گے انگلستان کے ساہوکارے کی موجودہ بے اطمینانی کا یہی ایک بڑا باعث ہے۔

بائیسواں باب

چک بنک

اب تک جو ہم نے چک اور نظام تصفیۂ حسابات پر غور کیا ہے وہ صرف بڑی اور قابل لحاظ رقموں کی ادائی تک محدود تھا۔ اس کے فوائد سے ایسے لوگ جن کا کسی بنک میں کھاتا نہ ہو مستفید نہیں ہو سکتے۔ اس سے متمتع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسامی کے پاس سرمایہ وافر ہو۔ حیثیت وسیع اور ساکھ معتبر ہو تاکہ بنکوں کو اپنی چک بک اس کے حوالہ کرنے میں کوئی پس وپیش نہ ہو۔ مگر فی الحقیقت عوام الناس کے ایک بڑے گروہ کو نظام ساہوکاری سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ لوگ ادائیوں کے واسطے سکے۔ ٹکٹ ہنڈی یا منی آرڈر کا استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔

اس لئے آج کل چک بنک کی اختراع سے ساہوکاری کاروبار کو عوام الناس تک وسعت دینے کے لئے ایک نہایت عمدہ اور قابل تعریف کوشش کی جارہی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی تیاری کے زمانے میں مجھے چک اور نظام تصفیۂ حسابات کی ذیلی تکمیل کے لئے اس نئے بنک کا انتظام اس قدر مکمل اور موزوں معلوم ہوا کہ میں نے مسٹر جیمز ہرٹز سے جو اس تجویز کے موجد ہیں اس انتظام کی پوری معلومات فراہم کریں اور نہایت تفصیل کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے۔

معمولی چک بنکوں میں جو آج کل مستعمل ہیں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ ہر شخص جس کو چکوں کی ایک خالی بک مل جائے بلا لحاظ اس سرمایہ کے جو بنک میں اس کے نام محفوظ ہو کسی بھی

رقم کے واسطے چک مرتب کرلے سکتا ہے اور اگر ایسے چک بلا تحقیق ہر اجنبی شخص سے منظور کر لئے جایا کریں تو دھوکا اور دغا بازی کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ اسی لئے چک بنک نے ایک نیا اصول اختیار کیا ہے۔ اس کے جاری کئے ہوئے چک جیسا کہ چک فارموں کی صاف اور غیر مشتبہ انتہا ہی تحریر سے واضح ہے صرف محدود رقوم کی حد تک مرتب ہو سکتے ہیں اور تا وقتیکہ قبل از قبل اتنی رقم جس کے چکوں کی ضرورت ہے بنک میں جمع نہ کرا دی جائے یہ چک جاری نہیں ہوتے۔ اور یہ رقم بنک میں اس وقت تک محفوظ رہتی ہے جب تک کہ تمام چک ادائی کے لئے پھر واپس نہ آجائیں پس ایسے چک جو قواعد کے بموجب مرتب ہوئے ہوں اور مالک کی دستخط ہو چکی ہو بمنزلۂ اس نوٹ کے ہیں جو محفوظ دستاویزی کی بنا پر جاری ہوتے ہیں۔ اگرچہ کہ ان چک بکوں کے متعلق بھی چوری جانے یا کھو جانے کا امکان ہے اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جس کے ہاتھ پڑ جائے بدنیتی سے دستخط کر کے جاری کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ چک کسی حکم کی بنا پر مرتب ہوتے ہیں اور ان پر ایک آڑا خط کھنچا ہوا ہوتا ہے اس لئے ان میں مجرمانہ دست اندازی نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ چنانچہ اب تک اس کی صرف ایک بار کوشش کی گئی اور اس میں بھی مجرم فوراً سزایاب ہوا۔

چک بنک اور دوسرے بنکوں کے تعلقات

مختلف بنکوں کے مابین ایک دوسرے کی شاخوں اور منیبوں یا گماشتوں کی حیثیت سے جو تعلقات قایم کئے گئے ہیں اور ان سے جو کامیابی ہوئی ہے اس کا ہم ذکر کر چکے ہیں چک بنک نے بھی اس معاملے میں دوسروں کی پوری تقلید کی ہے اور تمام ملکی اور اکثر اہم غیر ملکی بنکوں سے تعلقات قایم کر لئے ہیں چنانچہ اس وقت انگلستان۔ اسکاٹ لینڈ اور آیرلینڈ کے (۴۹۸) بنکوں سے اس کا راست تعلق ہے اور (۵۹۶) نوآبادیاتی یا غیر ملکی بنک ایسے ہیں جو اس کے چک سکارتے ہیں۔ اس انتظام میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ چکوں کے طریقے کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع ہو گیا اور وقت لیا بکھم میں کوئی زیادتی نہ ہونے پائی۔ کسی بنک میں جب نئے اسامی کا کھاتا کھولا جاتا ہے تو کھتاونی میں اس مخصوص جگہ دیگر حساب کی ہمیشہ نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ برخلاف اس کے ہر بنک چک بنکوں کے چکوں کی کوئی مقدار اسامیوں کا کھاتا کھولنے کے بغیر فروخت کر سکتا ہے

اور ان کی ادائی میں بھی کسی جوکھم یا نقصان کا احتمال نہیں۔ غرض کہ چک بنک کی حیثیت گویا ایک ادارۂ محاسبین کی سی ہے جو دوسرے بنکوں کے توسط سے کاروبار کرتا ہے اور ان کو چھوٹی چھوٹی معاملتوں کی جوکھم اور الجھنوں سے نجات دلاتا ہے جس طرح بنک آف انگلینڈ کو اس وجہ سے مہاجنوں کا بنک کہتے ہیں کہ وہ دوسرے بنکوں کی محفوظات کو امانت رکھکر چکوتی ہوجانے کے بعد ان کی جانب سے آخری ادائیاں نقد کی شکل میں کردیا کرتا ہے اسی طرح چک بنک بھی مہاجنوں ہی کا بنک ہے مگر بالکل دوسرے معنوں میں یعنی وہ اپنی رقوم دوسرے بنکوں میں امانت رکھوا کر ان سے بطور نائب ادائیوں کا کام لیتا ہے۔

چک بنک کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ زر امانتی کا استعمال کرنا تو درکنار وہ امانتی رقوم اپنی تحویل میں بھی نہیں رکھتا۔ اُسے چک ٹکٹوں کے معاوضے میں جس قدر رقم وصول ہوتی ہے وہ انھی مہاجنوں کے ہاں جن کے توسط سے چک جاری ہوتے ہیں یا ان مہاجنوں کے ہاں جو ہر وقت پیش سازی پر فوری ادائی کرسکیں بھجوا دیتا ہے اور ان امانتی رقوم کا سود ہی اس کے منافع کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور اس کی رقمیں چونکہ ملک کے سب سے مشہور اور متمول کوٹھی میں رکھی رہتی ہیں اس لئے کسی بڑی مقدار میں اس کے تلف ہوجانے کا بھی احتمال نہیں رہتا یوں اگر ملک کے کل مہاجنی نظام ہی میں ابتری پیدا ہوجائے تو اور بات ہے۔ لیکن اس کے چکوں کے متعلق یہ کہنا بہ مشکل صحیح ہوگا کہ یہ ایسے نوٹوں کے مماثل ہیں جو سرمایہ جات سرکاری کی کفالت پر جاری کئے جاتے ہیں کیونکہ نائب بنک اس کی امانتوں سے جس قدر چاہیں نکال کر خود استعمال کرسکتے ہیں بریں ہم چونکہ کسی ایک بنک کی تحویل میں اس کی امانت کا صرف ایک جزو رہا کرتا ہے اور کانسلوں کا ضمانتی فنڈ ہمیشہ اس کی حمایت میں موجود ہے اس لئے میری دانست میں یہ طریق اجرا نظام محفوظ دستاویزی ہی سے نسبتہً زیادہ مشابہ ہے۔

چک بنک بہ حیثیت گماشتۂ زر

میری رائے میں چک بنک کے قیام کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی ادائیوں کی تکمیل کا ایک عمدہ ذریعہ بن جائے۔ چھوٹے وظایف اور سالیانے، خفیف منافعوں کی رقمیں عہدہ داران دفتری کارندوں منشیوں حتیٰ کہ خانگی خدمتیوں کی تنخواہوں اور متفرق اخراجات کی ادائی بھی اسی کے توسط سے ہوجاتی ہے۔ اس کی چک بہیاں ہر ایسے ملازم یا نائب کے تفویض کی جاسکتی ہیں

جو نوشت وخواند سے واقف او کسی نقصان کا احتمال نہیں رہتا اور جب ایسے چک ادائیوں کے لئے واپس ہوتے ہیں تو یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر شخص نے اپنی رقم کا کس طرح استعمال کیا۔ برخلاف اس کے سادہ چک دستخط اور ضروری تکمیل کرنے کے بعد کسی ملازم کے حوالے نہیں کئے جاسکتے کیونکہ خالی چک میں رقم کی جو مقدار چاہیں درج کرلی جاسکتی ہے۔ اس لئے چک بنک کے چکوں کو میں تو زرفلزی پر بھی ترجیح دیتا ہوں کیونکہ ان کا زرفلزی کی طرح کھوجانا یا سرقہ جانا آسان نہیں ہے اور تصرف ناجائز کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔

چک قبول کرنے والے بھی ایسے چکوں کو ترسیل زر کا ایک نہایت سہولت بخش طریقہ سمجھتے ہیں کیونکہ ہر مہاجن کے ہاں ان کی نقد ادائی ہوجاتی ہے۔ اس لئے جو لوگ ان کی نوعیت اور حقیقت سے واقف ہیں ان کو بمنزلہ نقد ہی تصور کرتے ہیں ارسال زر کے لئے اگر ڈاک خانوں کے طریقہ منی آرڈر پر عمل کیا جائے تو کئی دقتیں پیش آتی ہیں منی آرڈر حاصل کرنے کے لئے کسی ڈاک خانے پر درخواست پیش کرنا اور پھر تختہ جات کی خانہ پری کرنا پڑتا ہے اور ادائی کے واسطے کسی مخصوص مقام کا انتخاب بھی ضروری ہے۔ ان دقتوں کے قطع نظر مرسل الیہ کو بھی عام قواعد کے لحاظ سے یہ لازم ہوتا ہے کہ بذات خود ڈاک خانے پر حاضر ہوکر مرسل کا نام تبلاکر رقم حاصل کرے اس لئے باعتبار سہولت چک بنک کے چکوں میں منی آرڈر کے طریقے کی قایم مقامی کی بھی پوری صلاحیت ہے۔ اگر کوئی شخص چکوں کی پوری بہی نہ خرید سکے تو شہروں میں جہاں اس غرض سے ایجنسیاں کھولی جاتی ہیں وہ ہر رقم کے متفرق چک بھی خرید سکتا ہے۔ اس میں نہ منی آرڈر کی سی الجھنیں ہیں اور نہ چکوں کی ادائی کے لئے کسی مخصوص دفتر پر جانا پڑتا ہے۔ مملکت متحدہ اور اکثر بڑے غیر ملکی شہروں کے بنکوں میں ان کی ادائی ہوتی ہے اور اگر کسی مخصوص مہاجن ہی سے ادائی کرانا مقصود ہو تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ ان چکوں کی شکل میں ترسیل زر کے اخراجات بہر حال منی آرڈر سے کم ہی ہوتے ہیں۔ ڈاک خانے تو اندرون ملک کے لئے دس شلنگ کی رقم پر ایک پنس اور ایک پونڈ کے لئے ایک شلنگ کی فیس وصول کرتے ہیں اور غیر ملکوں اور نوآبادیوں کو اگر منی آرڈر بھیجنا ہو تو اس میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس کے برخلاف چک بنک کے چکوں کی ترسیل کا خرچہ کسی رقم کے لئے $\frac{1}{2}$ ۱ پنس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اس محصول میں سے بھی ایک پنس صرف اسٹامپ میں وضع ہوجاتا ہے

جو سرکاری آمدنی ہی کا ذریعہ ہے۔

گورنمنٹ کے لئے بھی چک بنک کی مخالفت کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ کارگر اور کامیاب ہوگیا تو اس سے سرکاری خزانے میں بڑی آمدنی ہوگی۔ باوجود بیش قرار شرح محصول کے منی آرڈر سے گورنمنٹ کو کوئی منفعت نہیں ہوتی حتیٰ کہ سررشتہ کے مصارف بھی پورے نہیں نکلتے۔ ہر منی آرڈر کے اجراء میں آٹھ یا نو تختہ جات کی خانہ پری کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے جو اہلکار رکھے جاتے ہوں گے ان کی تنخواہوں میں ہی ساری آمدنی صرف ہو جاتی ہوگی غرض بجز خاص اشکال کے دوسروں کے مقابلے میں سرکاری صنعت وحرفت کی نسبتہً ناقابلیت کی یہ ایک بین مثال ہے کہ مہاجنوں کی ایک تنہا جماعت ارسال زر کا ایک ایسا طریقہ رائج کر سکتی ہے جو دنیا کے تمام حصوں میں کارآمد ہونے کے علاوہ ڈاک خانوں کے طریقے سے ارزاں بھی ہے اور سرکاری آمدنی کا ذریعہ بھی۔

چک بنکوں سے جس طرح ادائیوں کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح رقوم کے وصول کرنے میں بھی مدد لی جاسکتی ہے مثلاً اگر کسی عام انجمن کو چندہ جمع کرنا ہو تو اگر وہ ایک تختہ "ادائی داخلی" یا اعتمادی نوٹ چک بنک سے حاصل کرے تو رقوم مندرجہ تختہ ہر بنک میں جن کا چک بنک سے تعلق ہو جمع اور وصول ہوتی جائیں گی۔ الغرض چک بنکوں کی بدولت چھوٹے قرضوں، چندوں، وغیرہ کا ملک کے ہر حصے سے بغیر کسی صرفے یا دقت کے وصول کرنا آسان ہوگیا ہے۔

اجرت کی ادائی چکوں کی شکل میں

چک بنک کے منتظمین کا منشاء اور کوشش یہ ہے کہ اس کے چک اس نقد اجرت کے قائم مقام بن جائیں جو صناعوں سے مزدوروں کو ملا کرتی ہے۔ اگر انھیں اس مقصد میں کامیابی ہو جائے تو میری رائے میں اس ترکیب سے مہاجنوں کو جنھیں آئے دن نقروی وطلائی وکرنسی کی بڑی بڑی رقمیں فراہم کرنی پڑتی ہیں۔ اور جو ہمیشہ ایسا ذخیرہ مہیا اور شمار کرنے کی دقتوں سے دوچار ہوتے ہیں بڑی سہولت اور نجات مل جائے گی۔ اسی طرح آقا اپنے ملازمین کی تنخواہیں جزاً خفیف یا اس سے بہتر جفت رقموں کے چک کی شکل میں اور باقی زر نقروی میں ادا کر سکتے ہیں مزدور اور ملازم ان چکوں کو بوقت ضرورت دکانوں پر بھنا لیں گے اور دکانوں سے یہ چک یا تو بنکوں ہی میں امانت رکھوا دیئے جائیں گے یا آئندہ ضرورت کے لئے

آجر خود انھیں خرید لیں گے۔ چنانچہ ایک زمانے میں ریلوے کے بڑے بڑے گتہ دار عام طور سے اُجرتوں میں ایک دو یا پانچ شلنگ کے چک کارڈ بانٹا کرتے تھے جن کا آس پاس کے شراب فروشوں اور بیوپاریوں میں بلا تامل چلن ہوتا تھا بالآخر گتہ دار انھیں پھر اپنی ضروریات کے لئے واپس خرید لیتے تھے۔ دراصل ایسے چک ہی اصلی زر نیابتی کہلانے کے مستحق ہیں مگر ان کا جواز مشتبہ تھا۔ چک بنک کے چکوں سے بھی یہی کام لیا جاسکتا ہے اور ان کا اجرا قانوناً جائز بھی ہے۔ لیکن ابھی اس کا یقین نہیں ہے کہ معمولی چکوں کو ادائی کے لئے فوراً پیش کر دینے کا طریقہ دوسری قسم کے چکوں کے مسلسل چلن میں جن کا ادائی کے لئے فوراً پیش کیا جانا ضروری نہیں ہے کس حد تک مانع و مزاحم ہے۔ تجربے سے بار بار یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مالی معاملات میں عادت اور رواج کا اثر نہایت بے قابو اور قوی ہوا کرتا ہے اس لئے عوام الناس کو یہ سکھلانے کے لئے کہ چک بھی محفوظ قسم کی دستاویزات ہیں اور انھیں اٹھا رکھنے میں کوئی ہرج نہیں ہے غالباً ایک عرصہ درکار ہوگا۔

چک بنک بطور سیونگ بنک

چک بنک سے اب بھی سیونگ بنک کا کام لیا جاتا ہے جہاں لوگ اپنا غیر ضروری سرمایہ حفاظت کے لئے رکھوا کر وثیقہ امانت کے طور پر چک فارم جس سے بوقت ضرورت رقوم برداشت کرکے ادائیاں کی جاسکتی ہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ ایسی امانتوں پر بالکل سود نہیں دیا جاتا لیکن اگر اس بنک کے مقاصد میں پوری کامیابی ہو جائے تو وہ ایک عمدہ قسم کا سیونگ بنک بھی بن جائے گا۔ رہا سود کا سوال تو ایسے چک جاری کرنے کے بجائے جو ہر وقت واجب الادا ہوں اگر وہ اپنے گماشتہ بنکوں کے توسط سے وثایق امانت، ہنڈیاں یا اسی قسم کے مدتی چک جاری کیا کرے تو مثل گھٹوت یعنی ڈسکونٹ کے دو ڈھائی فی صد سود دینے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ ان وثایق کو لوگ چاہیں تو رکھ چھوڑ سکتے ہیں یا رقم کی ضرورت ہو تو شرح ظہری کے اندراج سے منتقل کروا سکتے ہیں یا چک بنک ہی میں پیش کر کے رقم لے سکتے ہیں۔ اگر مدت تکمیل تک انھیں لیا جائے تو معمولی چکوں کی طرح ہر بنک سے جس کو چک بنک سے تعلق ہو ان کی ادائی ہو سکتی ہے۔ چک بنک امانتی رقوم کو تین فیصد سود والے سرکاری وثایق میں منفعت پر

لگا سکتا ہے۔ دستاویزات اور کارحسابی کے اخراجات اس قدر خفیف ہوتے ہیں کہ امانت داروں کا سود دینے کے بعد بھی خاصے نفع کی گنجایش رہتی ہے۔ مسٹر گلیڈسٹون کا قایم کیا ہوا سیونگ بنکوں کا طریقہ بھی ایک اچھی چیز ہے اور نہایت کامیابی سے چل رہا ہے اور لوگوں کی مالی حالت کی اصلاح و درستی میں اس نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں مگر اس کا طریق کار دقت طلب ہے اور اخراجات بھی اتنے زیادہ ہیں کہ حکومت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسکاچ بنک جس طرح چھوٹی چھوٹی امانتیں قبول کر کے اب بھی سیونگ بنکوں کے فرائض انجام دے رہے ہیں اسی طرح یہ غور طلب ہے کہ آیا دوسرے تمام انگریزی بنکوں کو بھی چک بنک کی امانت سے سیونگ بنک نہیں بنا دیا جا سکتا جس سے سب کو سہولت اور فائدہ ہو۔

نظام چک بنک کے نتائج میں نے اس کتاب میں چک بنکوں کے حقیقی اور ممکنہ فرائض کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اگر یہ طریقہ کامیاب ہو جائے تو اس سے مالی اصلاحات میں بہت کچھ وسعت پیدا ہو جا سے گی۔ اب تک تو اس کا وجود محض ایک تجربہ ہے جو حصہ داروں کی جوکھم پر کیا جا رہا ہے۔ اس سے اگر تمام مہاجنوں اور عوام الناس کو سہولت حاصل ہو تو کامیابی یقینی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض مقاصد میں یہ کامیاب ہو اور بعض میں نہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ یہ ان نقدادائیوں کا ضرور قایم مقام ہو جائے گا جو لندن کے عمومی حساب گھر میں چکوں کے تصفیے پر لازم آتی ہیں۔ اس بنک کا منافعہ امانتوں کے سود اور ½ پنس کی اس خفیف فیس پر مشتمل ہے جو ہر چک پر وصول کی جاتی ہے اور رقوم امانتی کا اس کے ہاں جمع رہنا ان تین حالتوں پر منحصر ہے:—

(۱) وہ مدت جو چکوں کی بھنائی سے پہلے گذرے۔ (۲) چکوں کے ادھر سے ادھر منتقل ہونے میں یا عام چلن میں جو مدت گذرتی ہے (۳) رقم امانتی اور رقم برداشتہ کا فرق۔

اگرچہ کہ اکثر چک سال سال بھر چلن میں رہتے ہیں مگر ان کے چلن کی اوسط مدت دس یوم ہوتی ہے۔

اس تفصیل اور دلچسپی کے ساتھ چک بنکوں کے کام کا جو ذکر کیا گیا ہے تو کہیں اس سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض شامل ہے۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ محض فنی دلچسپی سے میں اس کی ترقی اور کامیابی کا خواہاں ہوں۔ بہر حال یہ ایک اچھی ایجاد ہے اور اگر کامیاب ہو جائے تو کل قوم کے فائدے کا موجب اور ہمارے موجودہ نظام ساہوکاری میں جس کی تنظیم اب بھی قابل رشک ہے ایک عمدہ خصوصیت کے اضافے کا باعث ہوگی۔

تیئیسواں باب

غیر ملکی ہنڈیاں

اگلے زمانے میں تجارت خارجہ بالکلیہ تبادلۂ اشیا پر مشتمل تھی۔ ملک کی مختلف مصنوعات لے کر قافلے عربستان اور صحرا کے ریگستانوں کے اُس پار کے ملکوں میں چلے جاتے اور ہاتھی دانت مسالے اور دوسری بیش قدر پیداوار خام جو تبادلے میں حاصل ہوتیں لیکر واپس ہو جاتے بعد کے زمانوں میں تجار جہازوں پر مال لاد کے ادھر اودھر اس بھروسے پر روانہ کر دیتے کہ ناخدا اوسے کہیں بھی نفع سے فروخت کر کے ایسا مال لے آئے گا جو وطن میں بڑی منفعت کے ساتھ فروخت کر دیا جائے۔ غرض اس طرح تجارت گویا باہمی تھی جو کچھ مال بھیجا جاتا اس کی قیمت کے عوض مال ہی واپس لایا جاتا تھا۔ اس میں بڑی خوبی یہ تھی کہ رقم درمیانی مدت میں بیکار پڑی نہ رہتی۔

البتہ جہاں اس طرح راست مبادلہ باہمی ممکن نہ ہوتا یا تو زر فلزی کے بھیجنے کی ضرورت داعی ہوتی یا قرضوں کی ادائی کے لئے کوئی اور تدبیر اختیار کرنی پڑتی اور زر کی منتقلی میں ظاہر ہے کہ نہ صرف درمیانی مدت کے سود کا نقصان ہوتا ہے اور محافظت کے اخراجات عائد ہوتے ہیں بلکہ کل رقم کے بالکلیہ تلف ہو جانے کا بھی بڑا احتمال ہے اسی لئے صدیوں پیشتر لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ دستاویزات کے استعمال سے تجارت خارجہ میں زر کا استعمال گو بالکلیہ غیر ضروری نہ ہوتا ہم اس میں کمی اور کفایت

ضرور پیدا کی جا سکتی ہے۔

ہنڈیوں کی نوعیت اور ان کی ابتدا

یوں تو رومۃ الکبریٰ کے باشندے بھی غیر ملکی ہنڈیوں کے طریقے سے کچھ واقف معلوم ہوتے تھے لیکن اس کی تنظیم اور ترقی کا سہرا اگلے اطالویوں اور خصوصاً یہودی تاجروں کے سر ہے ہنڈیوں کی سرگذشت بہت کچھ پردۂ خفا میں ہے لیکن اس قدر ضرور پتا چلتا ہے کہ چودھویں صدی میں ان کا استعمال بالکل عام ہو چکا تھا اور ان کی شکل رواج اور قاعدے تقریباً وہی تھے جو آج کل رائج ہیں۔

ہنڈی مرتب کنندہ کی جانب سے دوسرے شخص کے نام صرف ایک حکم ہوتا ہے کہ اس قدر رقم اس مدت میں فلاں شخص کو ادا کر دی جائے اور جب کبھی ہنڈی لکھی جاتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ لکھنے والے کی کچھ رقم اس شخص سے واجب الوصول ہے جس کے نام ہنڈی مرتب کی گئی ہے۔ موسوم الیہ ہنڈی کے پیش ہونے پر اگر اسے منظور کر لے تو یہ منظوری گویا بمنزلہ اقرار وجود قرضہ ہے۔ گو ہنڈی ہمیشہ کسی خاص شخص کے نام لکھی جاتی ہے لیکن اگر اس پر عبارت ظہری منتقلی کی بابت لکھ دی جائے تو منتقل بھی ہو جاتی ہے انگلستان کے لوگ امریکہ سے ہر سال ایک بڑی مقدار روئی غلہ وغیرہ کی خریدتے رہتے ہیں اور امریکہ والوں کو بھی انگلستان سے لوہا سوتی پارچہ ریشم اور دوسری مصنوعات خریدنی پڑتی ہیں اب اگر ان کی قیمتوں کی ادائی میں بحر اوقیانوس کے اس پار سے اس پار اور اُس پار سے اس پار رقوم کی ارسال و ترسیل ہوتی رہے تو یہ ایک بیہودہ سی بات ہو گی کیونکہ چند اقرار نامجات قرض کی وساطت سے ایک ملک کے مال کی قیمت اُس ملک کے مال کی قیمت میں بہ آسانی محسوب ہو سکتی ہے مثلاً امریکہ کا تاجر جس نے انگلستان کو روئی بھیجی ہے اپنی روئی کی قیمت کی حد تک ہنڈی لکھ سکتا ہے اور اگر یہ ہنڈی نیویارک میں کسی ایسے شخص کو جس نے انگلستان سے اسی قیمت کا لوہا منگوایا ہے فروخت کر دی جائے تو وہ بذریعہ ڈاک اس ہنڈی کو اپنے انگریزی قرضخواہ کے پاس بھیج دے سکتا ہے اور یہ انگریزی مقروض کے پاس پیش اور منظور ہو جائے تو مدت مقررہ کے گذرنے پر صرف ایک ادائی سے سب کے لین دین کی چکوتی ہو جائے گی۔ اس عمل میں بھی گو زر کی دو بار مداخلت ہوتی ہے ایک تو نیویارک میں

ہنڈی کی فروخت کے وقت اور دوسرے اس وقت جبکہ انگلستان میں ہنڈی سکاری جاتی ہے بریں ہمہ بہ نسبت اس ادائی کے جو بحراوقیانوس کے اس پار سے اس پار ہو ایک ہی شہر کے دو اشخاص کے مابین جو ادائی کا انتظام ہوجاتا ہے وہ بدرجہا سہولت بخش ہے علاوہ ازیں ایک ہی شہر میں ادائی چکوں کے ذریعے کیئے یا ہنڈی کی مدت پوری ہوجانے کے بعد حساب گھر کی چکوتی سے ہوجاسکتی ہے۔ الغرض اس طریق عمل سے زر کا استعمال تقریباً غیر ضروری ہوجاتا ہے اور تاوقتیکہ درآمد و برآمد کے توازن میں کوئی بڑا تفاوت نہ ہو تجارت خارجہ بالکلیہ ایک بارٹر ہی کا نظام بنی رہتی ہے۔

خارجی ہنڈیوں کی تجارت درآمد و برآمد کے توازن کے لئے ہر مال درآمد کرنے والے کو ایک مساوی القیمت مقدار مال برآمد کرنے والے کا ہمدست ہوجانا ایک غیر معمولی اور بعید از قیاس مفروضہ ہے مگر لورپول میں کئی تاجر ایسے ہوتے ہیں جو امریکہ کے مقروض ہوں اور اسی طرح امریکہ میں بھی بہت سے تاجر لورپول والوں کے مقروض پائے جائیں گے اس لئے مختلف رقوم کی ہنڈیوں کی ہمیشہ طلب ورسد رہا کرتی ہے چنانچہ بعض لوگوں کے لئے تو لکھنے والوں سے ہنڈیاں خرید کر ضرورت مند اشخاص کو فروخت کرنا ایک منفعت بخش روزگار بن گیا ہے۔

اکثر تاجروں کی بڑی بڑی کوٹھیاں اپنی شاخیں انگلستان اور امریکہ دونوں مقامات پر رکھتی ہیں یا ان کے دوسرے ملک میں ایسے گماشتے اور منیب ہوتے ہیں جن کے ہاں ان کوٹھیوں کا چالو کھاتا رہا کرتا ہے اور اکثر ایک ہی کوٹھی درآمد و برآمد ہر دو اقسام کی تجارت کرتی ہے اس لئے اس کے باید داد و باید گرفت کے حسابات کا تصفیہ کچھ مشکل نہیں۔ بریں ہمہ اگر کچھ بقایا رہ بھی جائے تو جیسے جیسے موقع ملے ادائی کردیجاتی ہے غرض ملکی تجارت کی طرح تجارت خارجہ میں بھی کھاتے کے جمع وخرچ سے استعمال زر میں بہت کچھ کمی ہوجاتی ہے البتہ جب تجارت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور ایک ملک دوسرے کا بہت زیادہ مقروض ہوجاتا ہے تو رقم کی منتقلی ناگزیر ہوجاتی ہے۔

اس مختصر کتاب میں مبادلات خارجہ کی باریکیوں اور پیچیدگیوں سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے مسٹر گوشن کی کتاب الموسوم بہ "نظریۂ مبادلات خارجہ" میں بہت عمدگی اور وضاحت سے اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ البتہ اس جگہ میں اس عام اصول کو

واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قوانین طلب و رسد کے تحت غیر ملک کی موسومہ ہنڈیاں خود ایک بازار کی چیز بن جاتی ہیں چنانچہ اگر کسی وجہ سے ان کی رسد گھٹ جائے یا طلب میں زیادتی ہو تو ہنڈیوں کی قیمت بھی بڑھ جاتی ہے ایسی صورت میں ہر معاملت جس سے نئی ہنڈیاں مرتب ہو کر رسد میں ملائی جا سکیں موجب منفعت ہے اور جب مال زیادہ مقدار میں برآمد ہونے لگتا ہے تو پھر توازن قایم ہو جاتا ہے اس پر بھی اگر ضرورت پڑے سونا یا رقم کچھ صرفہ برداشت کر کے بھجوا سکتے ہیں اور اس کی حمایت پر ہنڈیاں لکھ سکتے ہیں اسی لئے ہنڈیوں کی بڑھوتری کسی صورت میں اخراجات ترسیل زر سے بڑھ نہیں سکتی سونا چاندی ہر جگہ مقبول ہے اور اس کی منتقلی میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی اس لئے جیسا کہ پہلے تبلایا جا چکا ہے وہ ایک قدرتی زر بین الاقوامی بھی ہے پس اگر کوئی ملک سونے چاندی سے بالکل خالی ہو جائے اور اسے بیرونی قرضے ادا کرنے ہوں تو وہ مجبور ہو گا کہ سونے چاندی کے بعد جو بھی چیز مقبول اور نقل پذیر ہو برآمد اور فروخت کرے۔ ایسی صورت میں ہنڈیوں کی بڑھوتری مساوات سے بڑھ کر کسی حد تک پہنچ جا سکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشیاتی نقطۂ نظر سے سونے چاندی اور دوسرے مال تجارتی میں نوعیت کا نہیں بلکہ درجے کا فرق ہے۔

تمام دنیا کا چکوتی گھر

ملکی تجارت میں تو چک استعمال ہوتے ہیں اور تجارت خارجہ میں ہنڈیاں اس لئے بظاہر آپ یہ خیال کریں گے کہ ہم زر فلزاتی کے استعمال کی کفایت میں آخری حد تک پہنچ گئے ہیں لیکن نہیں ابھی اور ایک زینہ باقی ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جب کسی شہر کے تمام بیوپاری ایک ہی مہاجن کے ہاں اپنی رقم امانت رکھتے ہیں تو ضرورت کے وقت رقوم کی منتقلی محض مہاجن کے حسابی جمع و خرچ سے ہو جاتی ہے اور انھیں رقم کو چھونے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح اگر تمام دنیا کے بیوپاری کسی ایک خاص شہر کو منتخب کر کے وہاں کے خاص خاص مہاجنوں کے ہاں کھاتا کھول لینے پر متفق ہو جائیں تو ان سب کی باہمی معاملتوں کا تصفیہ بھی ان مہاجنوں کے حسابی عمل سے بہ آسانی ہو جائے گا۔ تقریباً یہی شکل اس وقت لندن کی ہے جو آج کل تجارتی دنیا میں تمام زر کی معاملتوں کا مستقر اور مرکز اور بین الاقوامی عمومی حساب گھر بنا ہوا ہے۔

استعمال زر میں ممکنہ کفایت پیدا کرنے کے لئے بڑی ضرورت یہ ہے کہ جملہ کاروبار کو ایک مرکز پر جمع کیا جاے تاکہ مطالبات کے توازن کا موقع وسیع ہو۔ انگلستان میں جب تک صوبجاتی بنکوں کا وسیع نظام قایم نہ ہوا تھا لوگ لندن میں کھاتے کھول کر کام چلاتے تھے کیونکہ ہر بڑے شہر میں اکثر لوگ ایسے ہوتے جنھیں لندن کو رقم بھیجنی ہوتی اور بہت سے لوگوں کو لندن سے رقم حاصل کرنی ہوتی۔ ان خانگی تاجرانہ معاملتوں کے ساتھ سرکاری آمد و خرچ کی ارسال و ترسیل بھی شامل ہو جاتی اس لئے لندن کی موسومہ ہنڈیاں ان اشخاص کو جو لندن کو رقم بھیجنا چاہتے فروخت کر کے ان کی قیمت سے ایسے لوگوں کی جن کا لندن کی کوٹھیوں اور بنکوں پر مطالبہ ہو ہنڈیاں خریدنا ہر تاجر کو منفعت بخش معلوم ہوا۔ اس طرح دار السلطنت چونکہ مالی کاروبار کا مرکز ہو گیا ہے ہر شہر کی ادائی لندنی ہنڈی سے ہی بہ سہولت ہوتی ہے اور ہر رقم بھیجنے والے کو دوسری ہنڈیوں کی بہ نسبت لندنی ہنڈیاں آسانی سے دستیاب بھی ہو جاتی ہیں اور قرض خواہ بھی فطرۃً ایک ایسے مقام کی ہنڈی پر جہاں ان کا کاروبار بالکل نہ ہو لندنی ہنڈی ہی کو ترجیح دیں گے۔ پس اگر انگلستان کا ہر بیوپاری اپنی خاص رقوم لندنی مہاجن کے ہاں رکھے تو لندنی ہنڈیوں کے استعمال سے انگلستان کا تمام تجارتی کاروبار سمٹ کر لندن پر جمع ہو جائے گا اور معاملتوں کی چکوتی مہاجنوں کے جمع و خرچ یا حساب گھر کی وساطت سے بہ آسانی ہو جائے گی۔

مالی کاروبار کا لندن کے مرکز پر جمع ہونا

اسی طرح اگر غیر ملکی کاروبار بھی لندن میں جمع ہو جائے تو بڑے فائدے کی بات ہو گی ورنہ ہر دو تجارتی شہروں کو اپنی باہمی معاملتوں کا علیحدہ علیحدہ تصفیہ کرنا پڑے گا اور ہر تاجر کو دوسرے کئی شہروں کے تجار اور مہاجنوں کے نام کی ہنڈیاں وصول ہوں گی۔ اس میں یک دوگونہ دقت ہے پہلے تو نسبتۃً چھوٹے مقامات کی موسومہ ہنڈیوں کی طلب و رسد بھی کم اور نسبتۃً زیادہ تغیر پذیر ہوں گی دوسرے ایسی ہنڈیاں غیر معروف چھوٹی چھوٹی کوٹھیوں کی ہوں گی جن کی ساکھ کے متعلق اطمینان کرنا خالی از دقت نہ ہو گا۔ علاوہ ازیں آج کل بڑی بڑی کوٹھیوں کے دفاتر بھی تمام دنیا میں پھیلے ہوے ہوتے ہیں اس لئے جس طرح شاخ بنکوں کا کاروبار صدر دفتر پر مجتمع ہوتا ہے اگر ان کی معاملتیں بھی ایک مرکز عمومی پر جمع کی جائیں تو سہولت کا موجب ہی ہو گا یہی وجہ ہے جو لندن کے مشہور و معروف بنکوں اور ایسی بڑی کوٹھیوں کے نام

جن کی ساکھ تمام دنیا میں معتبر مانی جاتی ہے ہنڈیاں لکھنے کا میلان بڑھتا جاتا ہے عملاً بھی ایسی ہنڈیاں مبادلے کی منڈی میں بلا پس و پیش قبول کر لی جاتی ہیں اس لئے ایسی ہنڈیوں کی قیمت بھی زیادہ آتی ہے اور یہ چنداں دشوار بھی نہیں۔ اگر لندن کی کسی کوٹھی سے حساب کھول لیا جائے اور اپنے ارسالات کو لندن کے کھاتے میں جمع کراتے جائیں تو کافی ہے چنانچہ امریکہ اسٹریلیا اور ہندوستان کے تاجر لندن ہی میں اپنی رقوم حاصل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر تاجر جسے کچھ رقم بھیجنی ہے اپنے امین کے نام ہنڈی جاری کر سکتا ہے اور ایسے سرمایہ کو وقتاً فوقتاً اس رقم سے تقویت ہوتی جاتی ہے جو اس کی موسومہ ہنڈیوں سے حاصل ہوا کرتی ہیں۔

مالی معاملتوں کے لندن میں مجتمع ہونے کا میلان اس وجہ سے بھی قوی ہو گیا ہے کہ ارزاں قرض دادنی سرمایہ کا سب سے بڑا ذخیرہ بھی لندن میں رہتا ہے نیویارک میں عام شرح سود کم سے کم دو فیصد ہوتی ہے جو لندنی شرح سے زیادہ ہی ہے پس ایک ایسے تاجر کے لئے جس کی لندن میں ساکھ اچھی ہے اور قرض مل سکتا ہے بہ نسبت نیویارک کے لندن ہی میں قرض لینا مفید ہوگا اور بجائے اس کے کہ پہلے لندن میں رقم رکھوائی جائے اور پھر اس پر مطالبات جاری کئے جائیں زیادہ عام اور منفعت بخش تدبیر یہ ہے کہ لندن ہی میں رقم قرض دیکر وہیں کے کسی مہاجن کے ہاں مطالبات کی بابجائی کے لئے رکھ چھوڑی جائے اور پھر ارسالات مابعد سے اس سرمایہ کو جس پر ہنڈیاں قبول کی اور سکاری جاتی ہیں تقویت پہنچائی جائے۔ گو براعظم یورپ کی تجارت میں پیرس۔ برلن۔ ویانا۔ ہمبرگ۔ امسٹرڈم وغیرہ اہم مرکز ہیں لیکن حالیہ جنگوں کی وجہ سے مالی کاروبار کی بڑی مقدار ان مقامات سے لندن ہی کو منتقل ہو گئی ہے قطع نظر ان امور کے خود انگلستان کی تجارت خارجہ جس کی رسائی دنیا کے ہر گوشے تک ہو چکی ہے اور دور دراز کی متعدد نوآبادیات اور باجگزار ریاستوں کے مالی تعلقات بھی دار السلطنت سے وابستہ ہیں اس لئے لندن ایک بے مثل مالی مرکز بن گیا ہے۔

لندن میں غیر ملکی ساہوکاروں کی نمایندگی

ساہوکاری کاروبار کے لندن میں جمع ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ نوآبادیات اور غیر ملکوں کے مہاجن صرف اپنے گماشتے ہی نہیں بلکہ صدر دفتر بھی وہیں قایم کرنا ضروری اور فائدہ مند سمجھتے ہیں چنانچہ اس وقت کم از کم ساٹھ خاص اور مشہور نوآبادیاتی اور غیر ملکی بنک ایسے ہیں جن کی شاخیں یا دفاتر لندن میں موجود ہیں۔ ان میں اسٹریلیا نیوزی لینڈ اور ہندوستان کے اہم بنکوں کے

علاوہ کئی ایسے چھوٹے بنک بھی شامل ہیں جنھیں انگریزی سرمایہ داروں نے یورپ۔ جنوبی امریکہ۔ چین اور دوسرے ممالک شرقیہ کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے قایم کر رکھا ہے۔ ان ساٹھ بنکوں کے علاوہ پورے ایک ہزار غیر ملکی اور نوآبادتی بنکوں کے دفاتر بھی یہاں موجود ہیں جو لندنی مہاجنوں سے سلسلہ کاروبار رکھتے ہیں۔ بغرض دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں بنک کو قایم رکھنے کی صلاحیت ہو اور لندن کے مہاجنی نظام سے کاروبار رکھنے پر دسترس حاصل نہو۔

گو کاروبار کی اہمیت کے لحاظ سے غیر ملکی مہاجنوں کی بھی قسمیں ہیں اور بعض تو ان میں ایسے ہیں جن پر انگریزی معیار سے لفظ مہاجن کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا اور صرف تاجروں میں شمار ہو سکتے ہیں لیکن من حیث المجموع ان کا کل کاروبار بہت زیادہ ہے اس لئے لندن کے توسط سے زر کی جو ارسال و ترسیل ہوتی ہے اس کی مقدار روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے جس طرح انگلستان کے ملکی مہاجنوں کے مابین لندن رشتہ تعلقات کی ایک کڑی بنا ہوا ہے اسی طرح تمام عالم کے دور و دراز کے مختلف مقامات بھی اسی کڑی سے منسلک کئے جا سکتے ہیں اور کئے جائیں گے۔ لیکن جوں جوں مالی کاروبار کا یہ خوشگوار بوجھ لمبارڈ اسٹریٹ اور تھریڈ نیڈل اسٹریٹ کے اداروں پر بڑھتا جاتا ہے ہم کو بھی ہمیشہ اتنا ہی ہوشیار رہنا چاہئے کہ ہمارے نظام زر کی بنیادیں نہایت مستحکم ہوں اور ہمارے مہاجنوں سرمایہ داروں اور تاجروں پر بھی جنھیں اس وسیع انتظام میں بہت کچھ حصہ لینا پڑتا ہے، لازم ہے کہ اس خطرے سے جو نہایت شدید مقابلے کی وجہ سے بدنظمی، ابتری اور ناکامی کا موجب ہوتا ہے، اچھی طرح واقف ہو کر اپنے کاروبار کی تنظیم کریں۔ کیونکہ بلاشبہ یہ ہر ایک کو معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں ایسے خطرے کی علامتیں رونما ہو چکی ہیں بعض اوقات قرض دادنی سرمائے کی مقدار اتنی گھٹ جاتی ہے کہ شرح سود میں یکایک اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ جس کا گذشتہ تیس سال میں کسی کو شائبہ بھی نہ تھا۔ اس لئے آئندہ باب میں چند امور ایسے پیش کئے جائیں گے جن سے واضح ہوگا کہ اس صورت حال کی ذمہ دار استعمال زر میں وہ غیر ضروری کفایت ہے جو ہمارے ترقی یافتہ اور مکمل نظام ساہوکاری کی بدولت ممکن ہو گئی ہے یہ کفایت جب ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کے نتائج بھی نہایت تباہ کن ہو سکتے ہیں۔

چوبیسواں باب

بنک آف انگلینڈ اور زر کی منڈی

ناظرین کو یاد ہو گا کہ مضمون زر کو ہم نے معمولی اشیا کے تبادلے سے شروع کیا تھا اور زر پہلی مرتبہ ایک ایسی معمولی شے کی شکل میں نمودار ہوا تھا جو آلۂ مبادلہ کی حیثیت سے دست بدست منتقل ہوا کرتی۔ لیکن مطالب رفتہ رفتہ زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ فلزیات بہ حیثیت زر دوسری اشیا کی جانشین ہوئیں۔ زر وضعی اور زر سند وغیرہ کی نوعیت اور خصوصیات میں باریکیاں پیدا ہوتی گئیں حتیٰ کہ فلزی زرنیابتی سے گزر کر ہم قرطاسی زرنیابتی تک پہنچ گئے اور بالآخر یہ منکشف ہوا کہ اگر چک ونظام تصفیۂ حسابات کو اختیار کر لیا جائے تو اندرون ملک کے مبادلات میں ہم زر فلزی سے بالکل بے نیاز ہو جا سکتے ہیں۔ تمام بڑی بڑی مالی معاملتیں ان دنوں ایک چھوٹے سے کمرے میں طے ہو جاتی ہیں جہاں کئی محاسب بیٹھے ہوئے جلد جلد حساب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ بنکوں کے بہی کھاتوں کے اعداد محض اعداد نہیں بلکہ دراصل سونے کے قایم مقام ہوتے ہیں اور ہر دائن کو سونے کی شکل میں ادائیوں کے مطالبے کا اختیار ہے۔ یوں تو معمولی بیوپار اور داد وستد میں قیمتی دھاتوں کے استعمال کی زحمت کوئی گوارا نہیں کرتا کیوں کہ بنکوں کے تہ خانوں میں وہ نسبتہً زیادہ محفوظ رہنے کے علاوہ ہر وقت دستیاب بھی ہو سکتی ہیں لیکن بین الاقوامی

تجارت کی اور بات ہے۔ اس میں قرضوں کے فاضلات کی ادائی سونے چاندی ہی کی شکل میں کرنی پڑتی ہے۔ پس اگر معاملتوں کی مقدار اور بنیاد طلائی کے تناسب میں جس پر کل معاملات کے تصفیئے کا دار و مدار ہے کوئی کمی ہو جائے تو نہایت اہم نتیجے مترتب ہوا کرتے ہیں۔

تجارت کی وسعت اور ترقی

گذشتہ تیس سال کے عرصے میں انگلستان اور دوسرے اکثر ممالک کی تجارت میں جو توسیع اور ترقی ہوی ہے وہ بلاشبہ عظیم الشان ہے۔ اور جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اگر تجارت خارجہ کو صنعت و حرفت کی عام ترقی کا معیار سمجھا جائے تو دریافت سے معلوم ہوگا کہ انگلستان اور آئرلینڈ کی برآمد کردہ پیداوار کی مالیت ۱۸۴۲ء میں (۵۸) ملین پونڈ اسٹرلنگ تھی اور ۱۸۶۶ء میں (۱۸۹) ملین پونڈ یعنی سہ چند سے بھی زیادہ ہوگئی۔ لیکن اس مدت میں بنک نوٹوں کے چلن میں چنداں تغیر نہ ہوا اگر کوئی تبدیلی ہوئی بھی تو کمی ہی کی جانب ہوئی چنانچہ جہاں ۱۸۴۲ء میں انگریزی اسکاچ اور آئرش بنکوں کے چلتی نوٹوں کی مقدار (۳۹) ملین پونڈ تھی ۱۸۶۶ء میں (۳۸ ½) ملین پونڈ ہوگئی۔ مگر میری رائے میں اندرونی اور بیرونی تجارت کی توسیع اور ترقی کا عمدہ اور صحیح معیار کوئلے کی پیداوار ہوگی جو ہماری قومی دولت کا بڑا سرچشمہ ہے۔ ۱۸۵۴ء میں کل (۶۵) ملین ٹن کوئلہ نکالا گیا تھا اور (۳۸) ملین پونڈ کے نوٹ چلن میں تھے۔ ۱۸۶۶ء میں کوئلے کی مقدار (۵۶) فیصد زیادہ ہوکر (۱۰۱ ½) ٹن تک پہنچ گئی مگر نوٹوں کا چلن (۳۸ ½) ملین پونڈ سے زیادہ نہ ہوا۔ البتہ ۱۸۶۶ء و ۱۸۷۰ء کے مابین چلتی نوٹوں کی مقدار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اور اوسط مقدار چالیس ملین یعنی (۱۴) فیصد زیادہ رہی۔ مگر کوئلے کی مقدار ۱۸۵۴ء کی بہ نسبت (۹۵) فی صد زیادہ یعنی (۱۲۷) ملین ٹن تک پہنچ گئی تھی۔

ساہوکاروں کا مقابلہ

واقعات متذکرۂ بالا سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا کہ تجار زر فلزی کی ایک ایسی مقدار پر جو نسبتہً غیر متغیر رہتی ہے زیادہ سے زیادہ تجارت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چونکہ زر کے استعمال کی کفایت بڑھتی جاتی ہے نظام ساہوکاری بھی اس لحاظ سے زیادہ مکمل ہوتا جاتا ہے۔ بڑے بڑے بنکوں کے باہمی مقابلے کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے کاروبار کو

قلیل سے قلیل محفوظ سرمائے پر چلانے کی کوشش کی جاتی ہے چنانچہ بعض بنک تو بیس پچیس فیصد تک منافع تقسیم کرتے ہیں۔ یہ محض اسی وجہ سے ممکن ہوتا ہے کہ وہ بڑی بڑی امانتوں کو نہایت بیخوفی سے استعمال کرتے ہیں۔ محفوظات بھی ان کی کچھ نہ خانے میں رکھے ہوئے سکوں یا بنک نوٹوں پر مشتمل نہیں ہوتیں بلکہ محض برائے نام ہوتی ہیں ان کو یا تو وہ اسٹاک ایکسچینج کے ایسے سرمائے میں لگا دیتے ہیں جو عندالضرورت واپس مل جاتا ہے یا بنک آف انگلینڈ میں امانت رکھوا دی جاتی ہیں جہاں سے ان کا ایک ایک بڑا حصہ دوسروں کو قرض دیدیا جاتا ہے۔

جیسے جیسے تجارت بڑھتی جاتی ہے بیرونی ادائیوں کے لئے سونے کے مطالبات بھی زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اگر لندن کا سرمایۂ طلا نسبتاً کم ہی ہوتا جائے تو ظاہر ہے کہ مطالبات کی پابجائی کی دشواریوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ میرے خیال میں اپنے ملک کی زر کی منڈی کی موجودہ نازک اور ناقابل اطمینان حالت کا اصلی راز یہی ہے۔ مطالبات کی مقدار روز افزوں ہے اور ان کے پورا کرنے کے لئے کافی طلا نہیں ہے اس لئے مطالبات کی پابجائی دشوار ہو جاتی ہے لوگ مجبور ہیں کہ یا تو شرح سود کو یکایک بڑھا کر ان لوگوں کو ترغیب دیں جو سونا قرض دیتے ہیں یا کوئی نہ کوئی اور تدبیر کی جاتی ہے جس سے مطالبات پیش کرنے والے کچھ عرصے کے لئے خاموش ہو جائیں لیکن بسا اوقات ان ناکردہ گناہ اشخاص کو جو ہر ہفتہ بنک آف انگلینڈ میں جمع ہوتے ہیں متہم کیا جاتا ہے یا سر رابرٹ پیل کو ان تمام مصائب کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جنھوں نے بنک آف انگلینڈ کو جزوی امانت کے طریقے پر نوٹوں کے اجرا کی اجازت دی تھی۔

۱۸۴۴ء کا بنک چارٹر ایکٹ

پچھلی دو صدیوں میں زر کا کوئی نہ کوئی مسئلہ ہمیشہ معرض بحث میں رہا ہے چنانچہ پہلے دنوں میں نقرے کی کمی "سوتھ سی ببل" گنی کی قیمت وغیرہ پر اور بعدازاں نقد ادائیوں کی حدبندی، بلین رپورٹ، ایک پونڈی نوٹ، اور سرمایۂ مشترکہ کے بنک وغیرہ کے مسائل پر رد و قدح ہوتی رہی۔ مگر ۱۸۴۴ء سے کرنسی کے تمام نظریہ دانوں نے اس سال کے بنک چارٹر ایکٹ ہی کو اپنی توجہات کا آماجگاہ بنا لیا۔ باوجودیکہ درستی اور اصلاح کی نوعیت کی

بابت ان میں بہت کچھ اختلافات رہے لیکن اس پر سب نے اتفاق کیا کہ موجودہ تمام خرابیوں کی جڑ ہماری کرنسی کا وہی انتظام ہے جس کو میں اپنے ملک کے مدبرانہ مالی قوانین کا طرۂ امتیاز سمجھتا ہوں۔

سنہ ۱۸۴۴ء کے قوانین نے ایسے نوٹوں کی مقدار محدود کردی ہے جو باوجود غیر مساوی محفوظات کے بھی جاری کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ فی الوقت (سنہ ۱۸۷۵ء) بلا لحاظ محفوظ طلائی بنک آف انگلینڈ صرف (۱۵) ملین پونڈ کے نوٹ جاری کرسکتا ہے اور انگلستان کے دوسرے خانگی اور سرمایہ مشترکہ کے بنک بہ حیثیت مجموعی ساڑھے چھ ملین پونڈ کی اور اسکاٹ لینڈ والے پونے تین ملین پونڈ کے اور آئرلینڈ والے ساڑھے ترسٹھ لاکھ پونڈ کے، غرض کل بنک ساڑھے تیئس ملین پونڈ کے نوٹ جاری کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان تینوں ملکوں کو اختیار ہے کہ دھات یا سکوں کی امانت کے مساوی جس قدر چاہیں نوٹ جاری کرلیں۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۶ء میں ایسے نوٹوں کی مقدار ساڑھے چودہ ملین پونڈ تھی۔ پس یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ملک کی مجموعی مقدار کرنسی کی کوئی حدبندی کی گئی ہے کیونکہ ملک کا اصلی زر قانونی تو وہ ساورن ہے جس میں ۱۲۳ء۲۷۴ گرین سونا ہوا کرتا ہے اور ہر شخص جس کے پاس اس قدر سونا ہو ساورن بنوا لے سکتا ہے۔ بنک چارٹر ایکٹ کے معترضین اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہم کو زیادہ کرنسی کی ضرورت ہے لیکن غالباً اس سے زر فلزی مراد نہیں ہے۔ اور ملک کا سرمایۂ طلاء اگر بڑھانا مقصود ہے تو اس کے لئے قانونی تبدیلیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں ہر شخص جس کے پاس سونا ہو ساورن بنوا سکتا ہے۔ اور اگر ملک میں معدن طلا نہیں ہے اور سونا فراہم کرنا ہے تو بیرونی تجارت ملک کی ایسی ہونی چاہئے جس سے بجائے برآمد کے اس دھات کی درآمد ہوا کرے، الغرض خاص کرنسی ایک ایسی شئے متصور ہونی چاہئے جس کی فراہمی قانون طلب و رسد کے نظرتی عمل سے ہوتی رہے پس نیابتی زر قرطاس کی حدبندی سے ان قدرتی حالات میں کوئی واقعی مداخلت نہیں ہوتی۔

آزاد ساہوکاری کا اسکول

معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی کے نظریہ والوں کا مقصود طلا کی مقدار کا اضافہ نہیں ہے بلکہ وہ مواعیدادائی طلا کی آزادی چاہتے ہیں

اوران آزاد ساہوکاری کے حامیوں کا خاص استدلال یہ ہے کہ ہر شخص کو وعدے کرنے کا فطرۃً حق حاصل ہے پس ہر مہاجن کو آزادی ہونی چاہیئے کہ اسے جتنے گاہک مل سکیں اتنے نوٹ جاری کرے اور اسی قدر زرِ فلزئی محفوظ رکھے جو اس کی ذاتی راے اور خیال میں مواعید موقتی کی پابجائی کے لئے کافی سمجھا جاے۔ لیکن نیابتی زر کاغذی کے اس آزادانہ اجرا سے زر کی منڈی کی دقتیں جہاں کاغذ کی نہیں بلکہ طلا کی ادائی کی ضرورت ہے، رفع نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس غیر محدود اجرائے زر قرطاس سے وہ کمزور بنیاد طلا اور بھی متزلزل ہو جاتی ہے جس پر ہمارا وسیع نظام تجارت قایم ہے۔ اور یہیں ہم کرنسی کے تمام نظریے کے اہم اور نازک ترین پہلو سے دوچار ہوتے ہیں۔

مسئلہ زر کے مصنفین کی بھی ایک ایسی جماعت ہے جس کے اولین نمایندے رکارڈو اور لوک تھے جن کا خیال ہے کہ نقد پذیر زر کاغذی کی بیش اجرائی کا سرے سے امکان ہی نہیں۔ اسی مبحث پر نہایت قابلیت کے ساتھ حال ہی میں آر۔ ایس۔ پالگیرو نے اپنی کتاب "نوٹس آن بنکنگ" میں بہت کچھ زور دیا ہے۔ اور چونکہ اس مسئلے میں ان کی معلومات بہت وسیع خیال کی جاتی ہیں ان کی راے کو بہت کچھ وقعت حاصل ہے مگر میں ان خیالات کو ایک بدیہی مغالطے پر مبنی تصور کرتا ہوں۔

بیش اجرائی کا امکان

جب قیمتیں کسی ایک سطح پر مستقل ہوں اور تجارت کی حالت ساکن ہو تو ایک خاص مقدار سے بڑھ کر کوئی شخص نوٹ جاری نہیں کرسکتا۔ جس طرح صرف ایک مشتری تنہا اپنی خرید و فروخت سے کپاس یا غلے کی منڈی پر کوئی نمایاں اثر نہیں ڈال سکتا اسی طرح صرف ایک مہاجن کے کاروبار سے بھی عام کرنسی پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا لیکن اگر مہاجن بہت سے ہوں اور سب کے سب مزید نوٹوں کی اجرائی کے ساعی ہوں تو ان کی مثال ایسے تاجروں کی جماعت کی ہوگی جو آیندہ کی حوالگی کے وعدے پر غلہ فروخت کر رہے ہوں اور جس طرح اس کاروبار سے غلے کی قدر بڑھ جاتی ہے اسی طرح طلا کی قدر میں بھی بہت اضافہ ہو جائے گا۔ سونے کی قدر کے متعلق تجارت میں یہ ہمیشہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک مستقل اور برقرار چیز ہے لیکن فی الحقیقت وہ بہت تغیر پذیر ہوتی ہے جون ۱۸۶۵ء کے اسٹاٹسکل جرنل میں قیمتوں اور نرخناموں کا میں نے جو تجزیہ کرکے دکھلایا ہے

اس سے معلوم ہوگا کہ ۱۸۲۵-۲۲ء کے درمیان قیمتوں میں بالاوسط (۱۷) فیصد کا اضافہ ہوا تھا اور ۱۸۴۳-۴۷ء و ۱۸۵۲-۱۸۵۷ء کے مابین اوسط اضافہ علی الترتیب (۱۳) اور (۳۱) فی صد تھا قیمتوں کے ان تغیرات کا مطلب یہ ہے کہ اس مدت میں طلا کی قدر ایک معکوس نسبت سے گھٹتی رہی اور ظاہر ہے کہ یہ تغیرات زیادہ تر اعتمادی دستاویزات کے اضافے کا نتیجہ تھے۔ کیونکہ ہر شخص جو زمانہ آئندہ میں سونا ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے وہ گویا اس کی رسد متوقعہ میں اضافہ کرتا ہے اور اس طریقے سے سونے کی مقدار جو بازار میں ڈھکیل دی جاتی ہے بے حد وحساب ہے اسی طرح ہر شخص جو لوٹ جاری کرتا ہے یا ہنڈوی مرتب کرتا ہے وہ نادانستہ طور پر بازار زر کے حق میں "جو بھالو" ؟ (bear) کا کام کرتا ہے۔ جب تک ان مواعید ادائی طلا کی پابجائی ہوتی رہتی ہے یا ان کے عوض نئے مواعید کا اجرا ہوتا رہتا ہے کوئی قباحت نہیں پیدا ہوتی اور کل قوم بظاہر آسودہ حال نظر آتی ہے مگر اس سے قیمتوں میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مبادلات خارجہ ملک کے خلاف ہونے لگتے ہیں اور ایسے قرضے عائد ہوتے ہیں جن کی ادائی بشکل طلا کرنی لازمی ہے اور اعتماد کی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے اور وہ تباہی رونما ہوتی ہے جس کو ابتلائے تجارتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جو بات کہ عام اعتماد کے لئے صحیح ہو وہ اس خاص بشکل اعتماد پر بھی جو بنکوں کے پرامیسری نوٹوں میں مضمر ہے زیادہ صحت کے ساتھ منطبق ہوگی کیونکہ ان نوٹوں کے ذریعے سے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ عندالطلب سونا ادا کیا جائے گا اس لئے ہر شخص ان کو بمنزلہ نقد ہی تصور کرتا ہے۔ ہنڈیوں کی ادائی بھی نوٹوں ہی سے ہوسکتی ہے اور جب تک مواعید ادائی طلا خود طلا کی جگہ دادوستد میں استعمال ہوتے رہیں ملکی تجارت میں ساکھ کا برقرار رکھنا کچھ دشوار نہیں ہوتا لیکن غیر ممالک کے تجار ان مواعید کو سونے کے برابر نہیں تسلیم کرتے پس جب مبادلات ملک کے خلاف ہوں تو زر کاغذی نہیں بلکہ ملکی کرنسی کا جزو فلزی باہر چلا جائے گا ایسی حالت میں نوٹوں کے اجرا میں توسیع کرنا مہاجنوں کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ کئی اشخاص ایسے مل جاتے ہیں جن کو مطالبات کی ادائی میں سونا دینا ہے اور نوٹ ان کی نظروں میں

سونے کے مساوی ہی ہیں پس طلاء کی برآمد کی وجہ سے کرنسی میں جو خلا پیدا ہوجاتا ہے
اوسے نوٹ نہایت آسانی سے پُر کردیتے ہیں۔ بڑھی ہوئی قیمتیں برقرار رہتی ہیں اور
ملک کی آسودہ حالی بحال۔ تجارت کی فاضلات بدستور ملک کے خلاف رہے گی
اور طلا کی جگہ کو نوٹوں سے پُر کرنے کی چال چلتی رہے گی تا آنکہ بیرونی ادائیوں کے لئے
سونا بالکل عسیر الحصول ہوجائے گا۔

پروفیسر کلف لزلی نے اگست ۱۸۶۴ء کے میک ملن میگزین میں لکھتے ہوے
یہ بتلایا ہے کہ اعتماد سے قیمتیں اکثر عام معیار سے بڑھ جاتی ہیں (Speculative
Credit) میری رائے میں یہ خیال بالکل درست ہے۔ اس کے برخلاف نیابتی اعتماد
جس سے اون کا مفہوم ایسے نوٹ ہیں جو دھات کی اصلی امانت پر جاری کئے جائیں کرنسی
کو بظاہر کوئی تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ اور خالص زر فلزئی کے طریق میں قیمتوں کی جو
سطح قائم رہتی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا۔

کسی ملک سے طلا کا بالکل خارج ہوجانا ایک محض خیالی بات نہیں ہے
خود ہمارے ہی ملک میں جبکہ آزاد نظام اجرائی کا دور دورہ تھا ۱۸۳۹ء میں ایک مرتبہ
ایسا ہوچکا ہے بنک آف انگلینڈ کا پورا ذخیرۂ طلاء خالی ہوگیا تھا اور اگر بنک آف
فرانس سے بعدیہ قرضہ لینے کی شرمناک تجویز پر عمل نہ کیا جاتا تو قومی دیوالیہ میں کوئی کسر
باقی نہیں رہی تھی۔ افسوس ہے کہ اس مختصر کتاب کی گنجایش مجھے تاریخی اور اعدادی
مثالیں پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتی تاہم میں یہ ضرور کہوں گا کہ ۱۸۳۹ء کے ابتلار
(Panic-Crieis) کے بعد جس تباہی اور تجارت کی ابتری و کساد بازاری سے
دوچار ہونا پڑا تھا اس سے ہم آج تک بھی ناآشنا ہیں اور باوجودیکہ آج کل ہماری
صنعت و حرفت اور تجارت بہ نسبت ۱۸۳۹ء کے کہیں زیادہ ہے ہمارے تجار
اور بنکوں کے منتظمین میں اب بھی احتیاط اور دوراندیشی کے آثار و علائم نہیں نظر
آتے۔ اس کے برخلاف مقابلۃً تخمین۔ اور بڑی بڑی معاملتوں کو چھوٹے سے چھوٹے
سرمائے کی بنیادوں پر قایم کرنے کی جرأتیں پہلے سے بڑھی ہوئی ہی دکھائی دیتی
ہیں حتیٰ کہ اکثر بڑے بنکوں کا کاروبار بھی کمزور اصلی سرمائے کی بنیادوں پر قایم ہے۔
ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں ملک کے زر کاغذی کو مصروف مسابقت

(Competing) مہاجنوں کے حسب دلخواہ محفوظات پر چھوڑ دینے کا خیال ایک گورنمنٹ کے لئے کبھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔

بنک نوٹوں کی تسکیک کا حق

تجارتی ہنڈیوں کی بہ نسبت نوٹ جاری کرنے کا حق میرے رائے میں شاہی حق تسکیک سے زیادہ مماثل ہے۔ مسٹر جان لاک کے قول کے مطابق نوٹوں کی تکمیل کو تسکیک ہی کے نام سے موسوم کرنا چاہئے کیونکہ گو بجائے دھات کے وہ کاغذ پر منقوش ہوتی ہیں لیکن کام ان سے نیابتی زر وضعی ہی کا لیا جاتا ہے۔ اب رہا مواعید کی اجرائی کے حق کا سوال تو جس طرح کسی شخص کو خانگی ٹکسال قائم کرنے کا حق نہیں ہے اسی طرح اس حق کی بھی کوئی اصلیت نہیں ہو جو وہ اغراض کے لئے حق وہی ہو گا جسے قانون رفاہ عام کے مد نظر مفید سمجھکر تسلیم کرے۔ تسکیک زر کا کام جس طرح ایک مدت دراز سے گورنمنٹ عاملہ کے تفویض کر دیا گیا ہے اسی طرح قرطاسی زر نیابتی کی تسکیک کو بھی گورنمنٹ یا اس کے ایسے نائبوں کے سپرد کر دینا بہتر ہو گا جو قانون کی نگرانی میں اس فرض کو انجام دیں چنانچہ یم او لوسکی نے اپنی بے نظیر تصنیف میں جس کا مضمون ساہو کاری ہے اس امر پر زور دیا ہے کہ نوٹوں کی اجرائی کا کام ساہو کاری کاروبار سے بالکل متجاوز ہے۔ مسٹر گلیڈ اسٹون نے بھی۔ اس فرق و امتیاز کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا۔ مہاجنوں کو تو ہمارے ملک میں اور تمام کاموں میں پوری آزادی حاصل ہے اس لئے قرطاسی زر نیابتی کی غیر محدود اجرائی کو آزاد ساہوکاری کا جزو لاینفک قرار دینا محض خیالات کی پیچیدگی اور مغالطے پر مبنی ہے۔

پروفیسر سمنر اور دوسرے بعض اشخاص کو بنک چارٹر ایکٹ سے یہ شکایت ہے کہ وہ مسئلہ زر کا کوئی سائنٹفک حل نہیں ہے ورنہ دوسری اقوام بھی اس کے اصول کو ضرور اختیار کر لیتیں۔ لیکن در اصل یہ درست نہیں ہے کیونکہ حال ہی میں جرمنی کی امپیریل گورنمنٹ نے امانت جزوی کے طریق کا خاص اصول اختیار کر لیا ہے البتہ اس میں اتنی ترمیم کی ہے کہ پانچ فیصد محصول ادا کر کے حد مقررہ سے بڑھ کر نوٹ جاری کئے جا سکتے ہیں۔ اسی انتظام کا میں رعایتی حد بندی کے عنوان کے ذیل میں تذکرہ کر چکا ہوں۔ اصل غرض اس شرط کی یہ ہے کہ ابتری کے زمانے میں قانون کو معطل کر دیا جائے۔ اگر ہم بھی اپنے قانون زر میں اسی قسم کی ترمیم اور

اصلاح کرلیں تو بہت اچھا ہو گا لیکن میری رائے میں تاوان یا محصول بیش اجرائی پانچ فیصد سے زیادہ ہونا چاہیئے اور کم از کم انگلستان میں تو دس فی صد سے ہرگز کم نہ ہو۔

اسکاٹ لینڈ اور انگلستان کی ساہوکاری

اسکاٹ لینڈ کے بنکوں کو بطور دلیل پیش کر کے اکثر یہ بحث کی جاتی ہے کہ بنکوں کو اگر بغیر روک ٹوک کے آزاد چھوڑ دیا جائے تو ایک بالکل مکمل اور عمدہ کرنسی مہیا ہو سکتی ہے یہ امر واقعہ ہے کہ ۱۸۴۵ء تک اسکاٹ لینڈ کے بارہ تیرہ بنکوں کو ایک پونڈ سے لیکر ہر رقم کے نوٹ جاری کرنے کا اختیار حاصل تھا مگر سوائے ایک یا دو کے کسی کے دیوالیہ ہونے کی نوبت نہ آئی۔ یہ میں تسلیم کرتا ہوں اور انگلستان امریکہ اور دوسرے ملکوں کے لوگ بھی اسکاٹ لینڈ والوں کی اس حیرت خیز مہارت، احتیاط اور دور اندیشی کی داد دیں گے جس پر ان لوگوں نے اپنے مہاجنی کاروبار کی بنیاد رکھی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اسکاٹ لینڈ کے مہاجن نہ صرف انگلستان، ہندوستان، اور آسٹریلیا کی نوابادیات میں بلکہ ہر جگہ مہاجنی طریق کی صحیح ترقی کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ مگر ہم لوگ اسکاٹ لینڈ کے باشندے تو ہیں نہیں اگر ہم بھی اسکاچ ہوتے تو ایک پونڈ کے نوٹ تک غیر محدود اجرا کی آزادی ایک نہایت عمدہ تدبیر ہوتی۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے مہاجنی طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بڑے اور اہم بنک وہاں صرف گیارہ ہیں اور ان کی ہمیشہ ہی کوشش رہتی ہے کہ ان کا ہمسر بارھواں بنک پیدا نہ ہونے پائے۔ بلاشبہ یہ ایک اجارہ ہے جس سے وہ نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیتے ہیں ان کا سلسلہ شاخ در شاخ ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر قصبے میں ایک شاخ ہوتی ہے اور غریب سے غریب شخص بھی جو ایک دو پونڈ بچا سکتا ہے اپنی امانت بنک ہی میں رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے ہاں انگلستان اور ویلز میں (۲۶۷) خانگی اور (۱۲۱) سرمایۂ مشترک کے اس طرح (۳۸۸) مہاجنی کوٹھیاں ہیں اس میں لندنی بنک تو شامل ہیں لیکن ان کی کثیر التعداد شاخوں کا شمار نہیں ہے۔ اگرچہ چھوٹے بنکوں کے بڑوں میں ضم ہونے سے اسکاٹ لینڈ کے بنکوں کی

تقلید کا کسی قدر رجحان ظاہر ہو رہا ہے لیکن نئے بنکوں کا قیام وقتاً فوقتاً ہوتا ہی جاتا ہے اور باہمی مقابلے کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ حصہ داروں کی توقعات کے موافق بڑے منافعے اسی وقت پیدا کئے جا سکتے ہیں جبکہ تھوڑے سے سرمایۂ محفوظ پر نہایت جراءت کے ساتھ بڑے بڑے کاروبار کئے جائیں۔ آج کل تو ہر تجارت پیشہ شخص محسوس کر رہا ہے کہ ہماری زر کی منڈی روز بروز زیادہ ذکی الحس اور زود اثر ہوتی جا رہی ہے۔

مہاجنوں کی محفوظات نقد

اس بات کی اہمیت میں کلام نہیں لیکن تعین نہایت دشوار ہے کہ مملکت متحدہ کے مہاجنوں کے پاس مطالبات کی پابجائی کے لئے جو نقد رقم محفوظ رکھی جاتی ہے اس کی مقدار کیا ہے۔ بنک اکثر وصول باقی (Balance Sheets) کے تختے شایع کیا کرتے ہیں جن میں نقد محفوظات کی مقدار بتلائی جاتی ہے لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے زر اور نقد کی اصطلاحات نہایت مبہم ہیں۔ اگر مہاجنوں کی محفوظات نقد دریافت کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایسی رقوم پر مشتمل ہوتی ہیں جو گورنمنٹ کی کفالتوں پر لگائی گئی ہوں یا دوسرے بنکوں اور خاص کر بنک آف انگلینڈ میں امانت رکھوائی گئی ہوں اور بسا اوقات وہ ایسے نفع تلاش اشخاص کو دی جاتی ہے جو کفالت نامجات قابل بیع و شرئی میں اس کو منافع پر لگا رکھتے ہیں۔ اس لئے بنکوں کے شایع کئے ہوئے تختۂ وصولیاتی سے ملک کی ان نقد محفوظات کا کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جن سے غیر ملکی نقد ادائیوں میں کام لیا جا سکے۔ مسٹر آر۔ ایچ انگلس پالگریو نے اپنی اہم کتاب موسومہ "نوٹس آن بنکنگ" میں جو اولاً اسٹاٹسٹکل جرنل مارچ سنہ ۱۸۷۳ء کی جلد نمبر (۳۶) کے صفحہ (۱۰۶) پر شایع ہوی تھی اس مضمون کی تحقیق اور دریافت کے نتائج پیش کئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ مملکت متحدہ کے مہاجنوں کے قبضے میں سکوں اور بنک نوٹوں کا جو ذخیرہ محفوظ ہے وہ قرضوں کی رقم کے پچیسویں یا بیسویں حصے یعنی چار یا پانچ فیصد سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ان کے بعد مانچسٹر اسٹاک پورٹ والے مسٹر ڈی پی ہوگسن نے اس کی نہایت تفصیل سے تحقیقات کی تو ظاہر ہوا کہ محفوظات کی مقدار عند المطالبہ نوٹوں اور امانتوں کے ساتھ فیصد سے زیادہ نہیں اور اس میں سے بھی ایک بڑا حصہ اس محفوظ کا ہے جو روزانہ کاروبار ساہوکاری کے لئے رکھنا ہی پڑتا ہے

اور جس کی علحدگی ان کے قابو سے باہر ہے۔ الغرض ہماری وسیع تجارت کا شیرازہ اس غیر اغلب خیال اور مغالطے پر قایم ہے کہ تجار اور بنکوں کے عام گاہک اس زر طلائی کے پانچ فیصد سے زیادہ رقم کا جسے وہ اوقات کاروبار میں ہر وقت طلب کرسکتے ہیں یکایک بو نفت واحد مطالبہ نہیں کریں گے۔

بازار زر کی ذکی الحسی کا علاج

انگلستان کی موجودہ صورت حال کی اصلاح کسی قانون سے نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی گورنمنٹ ایسے اشخاص کو مصائب اور پریشانیوں سے نہیں بچاسکتی جو سونے کی غیر محدود معاملتیں کئے جاتے ہیں اور پہلے سے اس بات کا اندازہ اور اطمینان نہیں کرلیتے کہ بوقت ضرورت آئندہ اس قدر سونا دستیاب بھی ہوگا یا نہیں۔ بنک آف انگلینڈ کے جیسے ایک تنہا ادارے پر جسے بہ مشکل دوسرے بعض اہم اور بڑے شہری بنکوں پر فوقیت حاصل ہے تمام انگریزی تجارت کی بنیاد رکھنا ایک بڑی غلطی اور دھوکا ہے۔

لندن کے بازار زر میں ثبات اور استقلال پیدا کرنے کے لئے اور اس کی روز افزوں ذکی الحسی کے سدباب کا واحد علاج یہی ہے کہ کسی نہ کسی تدبیر سے ایسے ذخائر محفوظات نقد خواہ سکوں کی شکل میں ہوں یا ایسے نوٹوں کی شکل میں جو بنک کے تہ خانوں کے محفوظ سکوں کے قائم مقام ہوں، پیدا کئے جائیں۔ اگر صرف چند بنکوں کی زیادہ احتیاط کی وجہ سے نقصان برداشت کرلینے پر آمادگی ظاہر کریں اور دوسرے بدستور اپنے ذرایع کی ممکنہ وسعت سے مستفید ہوکر محتاط بنکوں کی بہ نسبت زیادہ منافع تقسیم کرتے رہیں تو کسی اصلاح کی توقع نہیں اس لئے جیسا کہ مسٹر نیج ہاٹ نے شہری مہاجنوں کے لئے تجویز کیا ہے سب بنکوں کا اتحاد عمل لازمی ہے۔

بنک آف انگلینڈ میں لندنی مہاجنوں کی جو امانتیں رہتی ہیں ان کا اوسط پچھلے چار سال کی بابت تقریباً آٹھ ملین پونڈ ہوتا ہے۔ چونکہ اس رقم پر سود نہیں لیا جاتا اس لئے نہ معلوم اس بنک کو اس کثیر رقم سے فائدہ اٹھانے کی کیوں اجازت دی گئی ہے۔ اسی رقم کو اگر امانت رکھوانے والے بنکوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کردیا جائے تو اسی طرح محفوظ رہنے کے علاوہ ہر وقت اس کے ہدست ہونے کا بھی یقین رہے گا۔ اور اگر اس کا کوئی حصہ سرکاری اسٹاک میں منفعت پر لگایا جائے تو

امانت داروں کے فائدے کا موجب بھی ہے۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ ہر بنک کو اپنی محفوظات اپنی ہی تحویل میں کیوں نہ رکھنے دی جائیں۔ لیکن اس میں ایک بڑی خرابی ہے بعض بنک اس بھروسے پر کہ ضرورت پڑے تو کہیں اور سے مدد لے لی جائیگی اپنی محفوظات کو بہت زیادہ کم کرکے خطرناک صورت حال پیدا کر دیں گے۔ مگر ان تجاویز کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ لازمی محفوظات کے کسی جزو کو سرکاری اسٹاک میں منفعت پر لگانے کی اجازت ہرگز نہ دینی چاہیئے۔ کیونکہ جب قرض دادنی سرمایہ گھٹ جاتا ہے تو اس اسٹاک کے عوض نقد رقم صرف جبری فروخت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اور جبریہ فروخت سے اسٹاک گھٹیا ہوجاتا ہے اور عوام کے اعتماد کو ٹھیس لگ جاتی ہے اور زر ان لوگوں کے ہاتھوں سے کھنچ جاتا ہے جو بازار زر کی کسی دوسری شاخ میں استعمال کرسکتے تھے۔ تاوقتیکہ گورنمنٹ اسٹاک ملک کے باہر نہ بھیجے جائیں ان کی فروخت سے سرمایۂ طلاء میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ القصہ نقد ذخیرۂ محفوظ کا نقد ہی کی شکل میں رہنا ضروری ہے گو مہاجن اس اصطلاح کو مبہم اور غیر یقینی مفہوم ہی میں استعمال کرنا سہل اور فائدہ بخش سمجھتے ہیں۔ میری رائے میں کسی ملک کے لازمی ذخائر محفوظ کا ذکر کرتے وقت اس کا مفہوم طلائی سکے، دھات، یا ایسے وثائق کے سوا جو طریق امانت پر اصلی طلا یا طلائی سکوں کی حمایت پر جاری ہوئے ہوں ہرگز کچھ اور نہ ہونا چاہیئے۔

فروری ۱۸۷۸ء کے بینکرس میگزین کے ایک عمدہ مقالے میں نہایت قابلیت کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ مجوزہ ترکیب پر اگر صرف شہری مہاجنوں کا محدود حلقہ ہی عمل پیرا ہوا تو چنداں فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ سلطنت کے تینوں صوبوں کے تمام مشہور اور اہم بنک کسی نہ کسی طرح اس انجمن میں شریک کرائے جائیں کیونکہ جب تک رائے عامہ کے اثر سے یہ بات ہر مہاجن کے ذہن نشین نہ کرادی جائے کہ ذمہ داریوں کے لحاظ سے نقد ذخیرۂ محفوظ کا بھی ایک مخصوص نسبت سے رکھا جانا ضروری ہے ہمارے ملک کی عظیم الشان تجارت کو کسی مستقل بنیاد پر قایم کرنا محال ہے۔ یہ چنداں اہم نہیں کہ ذخیرۂ محفوظ کس کی تحویل میں رہے۔ اگر یہ اطمینان کرلیا جائے تو کافی ہے کہ وہ اصل دھات کی شکل میں ہے اور عندالمطالبہ مدات میں منفعت پر

نہیں لگا دیا گیا ہے یا ایسے بنکوں میں نہیں رکھوایا گیا ہے جو نہایت بخوبی سے
اس کا استعمال کرتے ہیں۔ جب تک مہاجنوں کے طریق عمل میں یکسانی اور اتحاد
نہ ہو بازار زر کی ذکی الحسی بڑھتی ہی جائے گی اور کوئی عجب نہیں جو مالی اور تجارتی ابتریوں کا
باربار دورہ ہو جن کے تباہ کن نتایج سابق کی تمام ابتریوں کے اثرات سے جن کا ہم کو
بخوبی تجربہ ہو چکا ہے بہت زیادہ ہوں گے۔

پچیسواں باب

تختۂ معیار قدر

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ زر عمومی نسبت نمائے قدر اور مبادلات کی سہولت کا ایک ذریعہ ہونے کے علاوہ ایک عمومی معیار قدر بھی ہے جس کے حوالے سے معاہدات طویل المدت مرتب کئے جاتے ہیں مثلاً جب کوئی اراضی دوامی یا طویل المدت پٹے پر دی جاتی ہے یا جب ریلوے کمپنی، کارپوریشن (بلدیہ) اور حکومت کو قرض دیا جاتا ہے تو بطور عام قاعدے کے یہ قبل از قبل طے کر دیا جاتا ہے کہ سود کی ادائی اور اصل کی واپسی زر طلائی و زر قانونی میں کی جائے گی۔ لیکن اس امر کی کثیر شہادت موجود ہے کہ سونے کی قدر میں عظیم تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۷۸۹ء میں اگر یہ سو تھی تو ۱۸۰۹ء میں (۵۴) ہوگئی یعنی (۴۶) فیصد گھٹ گئی۔ اور جیسا کہ میں نے ۱۸۶۵ء کے لندن اسٹاٹسٹکل سوسائٹی کے جرنل میں "۱۸۴۵ء سے قیمتوں کا اُتار چڑھاؤ" کے عنوان کے تحت بتلایا تھا ۱۸۰۹ء سے ۱۸۴۵ء تک اس میں ایک غیر معمولی تناسب کے ساتھ اضافہ ہوا یعنی سونے کی قدر سو سے (۲۴۵) تک جا پہنچی۔ ظاہر ہے کہ اس مدت میں گورنمنٹ نے جو مقررہ ادائیاں اور سالیانے ادا کئے وہ ۱۸۰۹ء کی بہ نسبت ڈھائی گنا زیادہ بیش قدر تھے۔ لیکن ۱۸۰۹ء کے بعد سونے کی قدر میں پھر بیس فیصد کمی ہوگئی اکنامسٹ اخبار کے سالانہ تجارتی ریویو یا مضمون مندرجۂ بالا کی طرح اگر قیمتوں کے اُتار و چڑھاؤ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر دور میں

دس سے لیکر پچیس فیصد تک تغیرات ہوا کرتے ہیں۔

غلّے کی شکل میں لگان کی ادائی

بیش قدر دھاتوں کی قدر کے عظیم اُتار چڑھاو کے مدنظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاہدات طویل المدت میں ان کو معیار قدر رکھنا کس حد تک مناسب ہوگا۔ ہم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے مدبر جنھوں نے آکسفورڈ، کیمبرج اور ایٹن کالج کے منتظمین کو قانوناً مجبور کیا تھا کہ اپنی اراضیات کا لگان غلّے کی شکل میں وصول کیا کریں نہایت دانشمند اور دوراندیش تھے۔ اس تدبیر کی بدولت یہ کالج معمول سے کہیں بڑھ کر متمول ہوگئے کیونکہ دوسرے اوقاف کے محاصل میں جو بحوالۂ زر ظاہر کئے گئے تھے بہت کمی ہوگئی۔ اگر کوئی زمیندار اپنی اراضیات کا لگان غلّے کو لے یا کسی اور شئے کی شکل میں وصول کیا کرے تو کوئی قانونی ممانعت نہیں قانون کی غرض اسی قدر ہے کہ معاہدے صاف اور صریح ہوں۔ مفہوم میں کوئی اشتباہ نہ ہو تاکہ شے کی نوعیت اور مقدار کے تعین میں غلط فہمی نہ پیدا ہو لیکن زر قانونی میں یہ عمدگی ہے کہ جہاں قانون نے اس کی توضیح کی ہے وہیں زر کی ادائیوں کے متعلق غلط فہمیوں کا سدباب بھی کردیا ہے برخلاف اس کے اگر دوسری اشیاء بطور لگان قبول کی جایا کریں تو معاہدات کی تعبیر میں اشتباہ اور غلط فہمیوں کے انسداد کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ماسوا اس کے اگر کسی ایک خاص چیز ہی کو اس غرض کے لیے منتخب کرلیا جائے خواہ وہ غلّہ ہو یا کوئلہ تو اس کی قدر بھی سال بہ سال گھٹتی بڑھتی رہے گی اور اگر دس بیس سال کی مدت تک اس کو معیار قرار دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ یہ بھی سونے چاندی سے بہتر ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ ایسی چیزیں بھی جن کی قدر طویل مدتوں میں بالاوسط زیادہ مستقل اور برقرار رہا کرتی ہے طلب ورسد کے عارضی گر عظیم تغیرات سے محفوظ نہیں رہتیں۔

ایک اضعافی زر قانونی

پس یہ غور طلب ہے کہ آیا معاشیات اور اعداد و شمار کے فنون کی ترقی کی بدولت نقرہ اور طلاء سے کوئی بہتر معیار دستیاب نہیں ہوسکتا۔ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ دو معیاری نظام زر سے نقرہ و طلاء کی طلب ورسد کے اُتار چڑھاؤ ایک زیادہ وسیع رقبے پر پھیل جاتے ہیں اور یہ دو نو دھاتیں نسبتہً کم تغیر پذیر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کیا کوئی

ایسا اضافی معیار قدر اختیار نہیں کیا جا سکتا جو اور بھی کم تغیر پذیر ہو۔ سو پونڈ کی قدر کا اندازہ غلہ۔ گوشت۔ آلو۔ کوئلہ۔ لکڑی۔ لوہا۔ چائے۔ کافی۔ شراب وغیرہ کی مقداروں سے جو وقتاً فوقتاً سو پونڈ کے عوض ملتی ہیں کیا جاتا ہے۔ پس اگر ایک ایسا زر قانونی وضع کیا جائے جو صرف کسی ایک شے میں تبدیل پذیر نہ ہو بلکہ مختلف اشیاء کی ایک مجموعی مقدار میں جس کا قبل از قبل تعین کر دیا جائے) تبدیل پذیر ہو تو کوئی قباحت نہیں۔ اس ترکیب سے سو پونڈ کے نوٹ کے قابض کو اختیار ہوگا کہ ایک کوارٹر عمدہ گیہوں، ایک ٹن معمولی سلاخی لوہا، سو پونڈ عمدہ روئی۔ بیس پونڈ شکر، پانچ پونڈ پیاز، غرض اسی طرح باقی دوسری اشیاء کی ایسی مقدار جس سے سو پونڈ کی مالیت کی تکمیل ہو جائے حاصل کرے۔ اگرچہ ان تمام اشیاء کی باہمی نسبتوں میں بھی تغیرات ہوتے رہیں گے لیکن نوٹ کے قابض کو جہاں بعض اشیاء کی خریدی میں گھاٹا ہوگا بعض میں فائدہ بھی ہوگا اور من حیث المجموع قوت خرید اس نوٹ کی بالاوسط مستقل اور برقرار رہا کرے گی۔ اور چونکہ وہ اشیاء جن سے نوٹ تبدیل پذیر ہے دراصل روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں اس لئے بہ نسبت نقرہ وطلاء کے جن کا صرف چند اغراض کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس نوٹ کی قوت خرید بہت کم تغیر پذیر ہوگی۔

مسٹر لو کا مجوزہ نرخ نامہ

منجملہ ان اکثر قابل قدر کتابوں کے جو اب ہمارے حافظے سے بھی محو ہو چکی ہیں ایک کتاب مسٹر جوزف لو کی ہے جس کا نام "انگلستان کی زراعت، تجارت، اور مالیات کی موجودہ حالت" ہے۔ یہ ۱۸۲۲ء میں شایع ہوئی تھی اور قیمتوں کے تغیرات کرنسی، پور لا (قانون مفلسان) آبادی، مالیات وغیرہ جیسے عمومی مسائل پر اس زمانے کی ایک بہترین تصنیف ہے جو میری نظر سے گذری۔ اس کے نویں باب میں مصنف نے زر کی قدر کے تغیرات کا نہایت وضاحت سے ذکر کیا ہے اور معاہدات زر کی تمہید کو برقرار رکھنے کے لئے ایک تجویز پیش کی ہے جو خاص انہیں کی ایجاد ہے۔ ان کی اسکیم یہ ہے کہ خانگی ضروریات روزمرہ کی خاص خاص چیزوں کی قیمتوں کے متعلق معتبر معلومات فراہم کرنے کے لئے بطور خاص اشخاص مقرر کئے جائیں۔

جس طرح غلہ شکر وغیرہ کے صحیح نرخنامے اب تک لندن گزٹ میں شایع ہوتے رہے رہیں اسی طرح دوسری تمام اشیاء کے نرخنامے بھی شایع کئے جاسکتے ہیں کسی گھر میں جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں ان کی مقداروں کی باہمی نسبت کے لحاظ سے ایک تختہ معیار تیار کیا جائے جس سے معلوم ہوسکے کہ زر کی قوت خرید میں ہمواری پیدا کرنے کے لئے معاہدات زر میں کس تغیر و تبدل کی ضرورت ہے اصولاً یہ تجویز نہایت صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے لیکن خود مسٹر لو نے جزئیات کے متعلق کوئی عملی کوشش نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے غیر ضروری مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پالٹ اسکارپ کا تختہ معیار قدر

مسٹر لو کی تصنیف کے گیارہ سال بعد اسی قسم کی ایک بالکل نئی اسکیم مسٹر جی۔ پالٹ اسکارپ نے پیش کی جو علم الارض اور معاشیات کے ایک مشہور مصنف تھے انھوں نے ۱۸۳۳ء میں بعنوان "مسئلۂ بنک چارٹر کی تنقیح اور ایک منصفانہ معیار قدر کی تحقیق" ایک نہایت قابلانہ تصنیف شایع کی جس میں تبلایا ہے کہ تمام اشیاء کی قدر کے مجموعے کا اوسط نکال کر ایک عمدہ معیار تیار کیا جاسکتا ہے جو گو معیار قانونی متصور نہ ہو لیکن معیار قانونی کے تغیرات کے تعین اور تصحیح میں کارآمد ہوسکتا ہے۔ اسی سال مسٹر اسکارپ نے اپنی کتاب "اصول معاشیات" میں بھی اس کی توضیح کی اور پھر اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن موسوم بہ "معاشیات عامہ" میں اس اسکیم پر مزید روشنی ڈالی۔ مسٹر جی آر پورٹر مرحوم نے بھی اپنی مشہور عام تصنیف "قوم کی ترقی" کے چوتھے اور پانچویں حصوں میں پچھلے مصنفین کا حوالہ دئے بغیر اسی تجویز کو پیش کرتے ہوئے ایک تختہ بھی منسلک کیا تھا جس میں ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۷ء تک پچاس اشیاء کی قیمتوں کے ماہانہ تغیرات تبلائے گئے تھے۔

اوسط یا جدولی (Tabular Standard) معیار قدر کی ایسی تجویزیں نظریۃً بالکل درست اور قابل لحاظ معلوم ہوتی ہیں اور عملی دقتیں بھی چنداں اہم نہیں۔ مسٹر لو یا مسٹر اسکارپ کی تجویز پر اگر عمل کرنا ہو تو گورنمنٹ کو چاہئے کہ ایک کمیشن کا تقرر کرے جسے عدالتی اختیارات بھی حاصل ہوں۔ عمال سرشتۂ تک کے

خاص خاص بازاروں سے مختلف اشیاء کے چالو نرخ فراہم کریں گے۔ ان اعداد اور ایک واضح طریقہ حساب کی مدد سے سونے کی قوت خرید کے اوسط تغیرات کا بسہولت اندازہ لگایا جا سکے گا۔ کمیشن کی دریافت کے نتائج ماہانہ شائع ہوا کریں گے اور انھی کے لحاظ سے ادائیوں کا انتظام کیا جائے گا۔ مثال کے لئے فرض کرو کہ اگر یکم جولائی ۱۸۷۵ء کو سو پونڈ قرض لئے گئے جس کی ادائی یکم جولائی ۱۸۷۸ء کو ہونی ہے۔ اگر کمیشن نے جولائی ۱۸۷۸ء میں تصفیہ کیا کہ اس عرصے میں سونے کی قدر چھ فیصد کم ہوگئی ہے تو دائن کو حق ہوگا کہ وہ قرضے کی رقم پر چھ فیصد اضافہ کا مطالبہ کرے۔

پہلے پہلے اس کا استعمال لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جا سکتا ہے البتہ اگر عاقدین معاہدہ نے اپنے معاہدے میں کوئی شرط اس بارے میں طے کر رکھی ہو تو ایسے تختے پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ رفتہ رفتہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ تجویز عملاً بہت مفید اور کارآمد ہے تو اس کو جبری قرار دیا جا سکتا ہے یعنی تا وقتیکہ معاہدے میں اس کے خلاف کوئی شرط نہ ہو ہر قرضہ جو تین ماہ سے زیادہ مدت کا ہو بالالتزام اس تختے کے لحاظ سے معین ہوا کرے گا۔

اس تجویز کی دقتیں اس تجویز کی کامیابی میں جو موانعات ہیں وہ چنداں قابل لحاظ نہیں اس میں شک نہیں کہ دائن اور مدیونان کے تعلقات ضرور کچھ پیچیدہ ہو جائیں گے اور بعض صورتوں میں حساب کے وقت قرضے کی تاریخ کے تعین میں الجھن پیدا ہوگی لیکن یہ الجھن ان جھگڑوں سے زیادہ نہ ہوگی جو آئے دن قرضوں کی مدت اور سود کی مقدار کے تعین میں ہوا کرتے ہیں۔ اس کمیشن کا کام جب یکبار مستقل طور پر جم جائے اور قانون کی نگرانی میں انجام پاتا رہے تو یہ گویا ایسے محاسبین کا کام ہوگا جو ضابطے کے بموجب عمل کر رہے ہوں۔ ان کے تصفیئے بھی بالکل غیر جانبدارانہ اور بھروسے کے قابل ہوا کریں گے۔ کیونکہ اوسط نتائج کے علاوہ انھیں وقتاً فوقتاً قیمتوں کے وہ تفصیلی تختے بھی شایع کرنے پڑیں گے جن پر ان کے حسابات مبنی ہیں۔ اس لئے ہر شخص کو ان اعداد اور تصفیوں کی جانچ پڑتال کا ہر وقت موقع حاصل رہے گا اور دھوکا یا غلطی کا کوئی احتمال باقی نہ رہے گا۔

مجھے جس اصلی دقت کا اندیشہ ہے وہ اوسط نکالنے کے طریقے کا سوال ہے

میں تو اس طریقے کی رائے دیتا ہوں کہ کوئی بھی سو چیزیں ایسی منتخب کر لی جائیں جن کی قیمتوں کے تغیرات کا ایک دوسرے پر اثر نہیں پڑتا اور ان کی قیمتوں کے تغیرات کا اقلیدسی اوسط خطوط کے ذریعے سے نکالا جائے۔ چنانچہ میں نے سونے کی قدر میں زوال عظیم" اور "۱۸۷۲ء سے قیمتوں کا اتار چڑھاؤ" دو پمفلٹوں میں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اسی طریقے پر عمل کیا ہے۔ اور مجھ سے پیشتر مسٹر جیو مارچ نے بھی اسی قسم کا ایک طریقہ اختیار کیا تھا۔ اخبار اکنامسٹ کے سالانہ ریویو اور سرگذشت تجارت میں بھی کئی سال تک ایسا ہی ایک تختہ جس میں قیمتوں کے کل اعداد کلید یا ان اعداد کی حسابی میزان جس سے ۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۵ء تک اکثر اشیاء کی قیمتوں کا تناسب ظاہر ہوتا تھا، شایع ہوتا رہا ہے۔ اوسط نکالنے کا کوئی طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے نتایج بہر حال ایک معیاری وحدت کے موجودہ نتایج سے بہتر ہی ثابت ہوں گے۔

افسوس ہے کہ اس مختصر سی کتاب کی گنجائش مجھے ان تمام فوائد کا تفصیلی ذکر کرنے کی اجازت نہیں دیتی جو ایک جدولی معیار قدر کی بدولت حاصل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً ایسا معیار معاشرتی تعلقات کی استواری کو ایک اعلیٰ درجے پر پہنچا دے گا۔ افراد اور عام جماعتوں کی مقررہ آمدنیوں کو ان گھاٹوں سے نجات مل جائے گی جن کا وہ آئے دن شکار ہوا کرتی ہیں۔ تجارت کی موجودہ صورت حال میں قیمتوں کے تغیرات کی بدولت جو نفع تلاشی ہوا کرتی ہے اس کا بھی بہت کچھ سدباب ہو جائے گا تجار کے حسابات اور اندازے غیر اختیاری اسباب سے نسبتہً کم متاثر ہوا کریں گے اور دیوالیہ میں بہت کمی ہو جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ ساکھ اس صورت میں بھی کبھی کبھی بگڑ جایا کرے گی لیکن اس کے نتایج اتنے اہم نہ ہوں گے کیونکہ قیمتوں کے زوال کے ساتھ قرضوں میں بھی اسی مناسبت سے تخفیف ہو جائے گی۔

چھبیسواں باب

مقدار زر جو کسی قوم کے لئے درکار ہے

کسی قوم کی ضروریات کی تکمیل کے لئے جس مقدار زر کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذکر ایسی کتاب میں جو مضمون زر پر لکھی گئی ہو میری دانست میں بالکل حق بجانب ہے اور فی الحقیقت اس امر کا تعین کہ ہر شخص کو کس قدر زر قرطاس، طلائی، چاندی یا کانسی کی کرنسی درکار ہوتی ہے نہایت ضروری اور مناسب ہے تاکہ گورنمنٹ اسی لحاظ سے کرنسی فراہم کر سکے۔ ورنہ تقریباً ہر ملک میں زر چلنی کی قلت کی شکایت اور مزید مقدار کا مطالبہ ہوا کرتا ہے، اور تجارت کی کساد بازاری قیمتوں کا زوال، محاصل کی کمی، لوگوں کا افلاس، ذرایع معیشت کا فقدان، سیاسی بےچینیاں، دیوالئے اور بدامنیوں غرض دنیا بھر کی مصیبتوں کی ذمہ داری قلتِ زر ہی کے سر تھوپی جاتی ہے۔ پہلے زمانے میں اس کا علاج مزید زر کی تسکیک اور آج کل مزید زر قرطاس کا اجرا تجویز کیا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام شکایتوں کا اصلی جواب یہ ہے کہ قوم کی ضروریات زر کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں اور ایسے غلط اندازوں پر کرنسی میں کمی و بیشی کرنے کا کسی مدبر کو ہرگز ارادہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کرنسی میں بظاہر جو قلت نظر آتی ہے وہ تقریباً ہمیشہ زر فلزی کے غیر ماہرانہ انتظام، قرطاسی زر نیابتی کی ناقص تنظیم۔ غیر دانشمندانہ نفع بازی یا تجارت کی ابتری کا نتیجہ ہوتی ہے ایسی حالت میں

اگر زر قرطاس میں اضافہ کیا جائے تو مشکلات اور بھی بڑھ جائیں گی۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کسی قوم کی ضروریات زر کا معلوم کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ اس میں بہت سے غیر معلوم اجزا بھی ہوا کرتے ہیں۔

کارِ زر کی مقدار اگر ہم کسی قوم کی ضروریات زر کا اندازہ کرنا چاہیں تو ہم کو پہلے یہ تصفیہ کرنا چاہیے کہ زر سے کیا کیا کام لیا جائے گا۔ اس کی مقدار کا تعین بہرحال آبادی کے لحاظ سے ہوگا یعنی اگر دو چند آبادی مساوی طور پر سرگرم تجارت ہو تو دونی مقدار زر درکار ہوگی ماسوا اس کے صنعت و حرفت کی سرگرمی اور وسعت تعلقات کا بھی اس پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے یعنی جتنی زیادہ چیزوں کی خرید و فروخت ہو اور جتنے زیادہ بار وہ ایک سے دوسرے کے پاس منتقل ہوں اتنی ہی زیادہ مقدار کرنسی ان منتقلیوں کے واسطے درکار ہوگی۔ اشیاء کی قیمتوں پر بھی اس مقدار کا دار و مدار ہے یعنی اگر سونے کی قدر گھٹ جائے اور قیمتوں میں اضافہ ہو تو قرضوں میں بھی زیادتی ہوگی اور ان کی ادائی کے لئے زیادہ رقم درکار ہوگی

بایں ہمہ ان اسباب میں سے کسی ایک کے بھی اثر کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا آبادی کے تخمینی اعداد اور تجارت خارجہ کی مقدار تو خیر معلوم ہوسکتی ہے لیکن ملک کے اندر جو خرید و فروخت ہوا کرتی ہے اس کی مقدار کا کسی طرح تعین نہیں ہوسکتا مسئلۂ زیر بحث کے اس رُخ پر ردّ و قدح کرنا بیکار ہے کیونکہ دوسرے اہم پہلوؤں کے متعلق ہماری معلومات اور بھی زیادہ ناقص ہیں۔

زر کی قابلیت قابلیت زر سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی مقررہ مدت مثلاً سال بھر میں ہر جزو زر سے بالاوسط کتنے مبادلے عمل میں آیا کرتے ہیں۔ زر کے مجموعی کام کا اندازہ اس کی مقدار کو ہر نوٹ یا سکّے کے تبادلات کے اوسط سے ضرب دینے سے ہوسکتا ہے ہماری معلومات اکثر ملکوں کے زر کی مقدار کی بابت غیر مکمل ہیں اور چلن کی اوسط رفتار کا تو کچھ بھی اندازہ نہیں کیونکہ بعض سکّے بالخصوص چاندی اور کانسی کے چھوٹے سکوں کا دن میں کئی بار اول بدل ہوا کرتا ہے اور دوسری قسم کے سکّے اور نوٹ مہینوں کیا برسوں تک بلاتبادلہ یونہی جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی ملک کے زر کی اوسط رفتار چلن کا اندازہ

کرنے کی میرے علم میں تو کسی نے کوشش نہیں کی اور نہ کوئی طریقہ ایسی دریافت کا میری سمجھ میں آتا ہے البتہ اس کی سُست کاری کا شاید کچھ اندازہ ہو سکے۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ تبادلات کس قدر ہوئے اور ان میں کس قدر کرنسی کام میں لائی گئی تو تقسیم کے عمل سے کرنسی کے الٹ پھیر کا اوسط معلوم ہو جائے گا لیکن جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں ہم کو ایسے مواد پر کوئی دسترس حاصل نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مختلف ملکوں کے زر کی رفتار چلن مختلف ہوا کرتی ہے۔ فرانس۔ بلجیم۔ سوئیزرلینڈ اور ہالینڈ کی طرح ایک کفایت شعار ملک جسے تھوڑی بہت مہاجنی سہولتیں بھی حاصل ہوں یا اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کی سی ایک محتاط قوم جس کے مہاجنی انتظامات بالکل مکمل ہوں، انگریزوں کے جیسی ایک غیر محتاط قوم کی بہ نسبت سکوں کا ذخیرہ زیادہ وافر رکھا کرتی ہے۔ اور بھی کئی ایسی باتیں ہیں جن سے زر کے چلن کی رفتار پر اثر پڑتا ہے۔ ریلوں اور اسٹیمروں کی بدولت ارسال و ترسیل زر پہلے کی بہ نسبت آج کل بہت جلد ہو جاتی ہے۔ تار برقی اور ڈاک کی تیز رفتاری نے زر کی غیر ضروری منتقلیوں کا سد باب کر دیا ہے۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں جو انگلستان میں اضلاعی بنکوں کے نوٹوں کا چلن گر گیا تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ محصول ڈاک کی کمی اور سر رشتہ کی اصلاح کا وسے نوٹوں کا ٹپے کے ذریعے روانہ کرنا زیادہ آسان ہو گیا تھا۔

چک اور نظام تصفیۂ حسابات کے اثرات

ان سب سے بڑھ کر اہم یہ واقعہ ہے کہ جہاں کہیں ایک وسیع اور مکمل مہاجنی نظام قائم ہے وہاں مبادلات کے صرف ایک جزو کی تکمیل زر کے توسط سے ہوتی ہے۔ بہ حیثیت قائم مقام زر ہنڈیوں کے استعمال پر میں چنداں زور نہیں دیتا کیونکہ ان کا حقیقی استعمال کچھ زیادہ نہیں۔ ان کا زر ہونا تو درکنار وہ خود ایسی چیزیں ہیں جو زر کے عوض بیچی اور خریدی جاتی ہیں چک اور نظام تصفیۂ حسابات کی تدریجی ترقی کے ضمن میں ہم بتلا چکے ہیں کہ قرضوں کی بیباقی میں ان سے کس قدر مدد ملتی ہے حتیٰ کہ زر کو ہاتھ لگانے کی بھی ضرورت داعی نہیں ہوتی اور اس کی حیثیت محض ایک اکائی قدر کی سی ہو گئی ہے جس کے حوالے سے رقوم کی مقدار کو ظاہر کیا جاتا ہے ورنہ تمام بڑے مبادلات کی

تکمیل تو ایک نظام مبادلہ سے ہو جاتی ہے جو کسی قدر پیچیدہ لیکن ہر طرح مکمل ہے چنانچہ اس کی مدد سے لندن کے حساب گھر میں ہر سال کم از کم چھ سو کروڑ پونڈ کی رقمی معاملتوں کا تصفیہ ہوتا ہے اور نقد کے استعمال کی نوبت نہیں آتی ۔ اور جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں اس رقم سے ان بیشمار مبادلات کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا جو چکوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں کیونکہ دراصل ایسی کثیر التعداد معاملتوں کا تصفیہ یا تو صوبجاتی بنکوں میں ہو جاتا ہے یا ان کی شاخوں۔ گماشتوں اور کارندوں کے مابین یا ایسے بنکوں کے درمیان جن کے لندنی نائب ایک ہی ہوا کرتے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ جب خود اپنے ہی ملک کی مالی معاملتوں کی مقدار کا ہم کو کوئی اندازہ نہیں تو غیر ملکوں کے معاملات اور طریقہ ادائی کے متعلق ہماری معلومات کس قدر ناقص ہوں گی۔ یہ تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نیو یارک کے حساب گھر کی معاملتیں بہت وسیع ہیں اور ممالک متحدہ امریکہ کی کل ریاستوں میں ایک نہایت عمدہ نظام ساہوکاری قایم ہے لیکن لندن ایجنسی کے نظام کی طرح ان بنکوں کے باہمی تعلقات سے استعمال زر میں اتنی کفایت ہوی یا نہیں اس کی دریافت کے لئے مقامی تحقیقات کی ضرورت ہے فرانس اور دوسرے یوروپی ممالک کے متعلق بجز چند خاص شہروں کے بہ مشکل یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں چک اور تصفیۂ حسابات کا کوئی انتظام ہے۔ پیرس کا حساب گھر ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے علاوہ اس کے بنک آف فرانس بھی اپنے اسامیوں کے مابین ہر روز دو تین ملین کی منتقلیاں کیا کرتا ہے۔ تمام بنکوں سے استعمال زر کی کچھ نہ کچھ کفایت ضرور ہوتی ہے۔ امسٹرڈم اور ہمبرگ کے بنک تو کئی صدیوں سے انتقال زر کے ایک ایسے طریقے پر کاربند ہیں جو ہمارے نظام تصفیۂ حسابات سے بہت مشابہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یورپ کے بعض قطعات میں کاروبار چلانے کے طریقوں میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو رہی ہیں چنانچہ پروفیسر کلف لزلی جن کی معلومات بر اعظمی ممالک کے معاشیاتی نظامات کے متعلق بہت وسیع اور معتبر سمجھی جاتی ہیں زر کے چلن کی زیادہ تیز رفتاری اور اعتمادی دستاویزات کے زیادہ آزادانہ

چلن ہی کو ملک جرمنی کی موجودہ بڑھی ہوی قیمتوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔
چنانچہ نومبر ۱۸۷۰ء کے فورٹ نائٹلی ریویو کے صفحات ۹۔۵۷۸ پر وہ لکھتے ہیں کہ ذرائع حمل و نقل کی ترقی اور تجارتی گرم بازاری نے جس سے جرمنوں کی کمائی میں بہت اضافہ ہوگیا ہے زر کا چلن بھی بہت بڑھا دیا ہے۔ فروغ صنعت کے ساتھ ساتھ اعتماد کی تکمیل اور ترقی نے ذریعہ چلنی کی مقدار میں قائم مقامان زر کے ایک ایسے مجموعے کا اضافہ کیا ہے جن کا چلن نہایت سرعت کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ بیوپار کی ایک مقررہ مقدار کی ضروریات کے لئے یا قیمتوں کو ایک خاص سطح سے بلند کرنے کے لئے اب اس قدر زر درکار نہیں ہے جو پہلے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ جرمنی کے چاوزر کی موجودہ بڑھی ہوی مقداروں میں دستاویزات اعتمادی کے تیز چلن کو بھی شامل کرنا چاہیئے۔ اگر وہاں کا زر چلنی محض سکوں پر مشتمل ہوتا تو معدنوں سے خواہ کتنا ہی سونا کیوں نہ برآمد ہوتا، یا دوسرے ممالک کے چلن میں اس کی کتنی ہی مقدار کیوں نہ ہوتی۔ اور غیر ملکی منڈیوں میں جرمنی کے مصنوعات کی قیمت کتنی ہی بڑھی ہوی کیوں نہ ہوتی تا وقتیکہ ملک میں مزید مقدار کرنسی کی فراہم نہ کی جاتی خود جرمنی کے بازاروں کی قیمتوں میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔"

غرض مختلف قوموں کی تجارتی خصائل اس قدر جداگانہ ہوتی ہیں کہ کسی ملک کی کرنسی اور اس کے مبادلات کی مقداروں میں بظاہر کوئی تناسب نہیں معلوم ہوتا اگر کرنسیوں کی مقداروں کے صحیح اعداد و شمار و ستیات ہو بھی جائیں تو ان سے نسبتہً کمی یا بیشی زر کی ظاہر نہ ہوگی بلکہ یہ معلوم ہوگا کہ کسی ملک کا تمدن اور تہذیب کس درجہ پر ہے احتیاط و کفایت شعاری کا اس قوم میں کس قدر مادہ ہے اور وہاں کا مہاجنی نظام کس قدر وسیع اور ترقی یافتہ ہے۔

خاتمہ

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح پانی اپنی سطح آپ دریافت کر لیتا ہے اسی طرح کرنسی کو بھی اپنا انتظام آپ کر لینا چاہیئے اور یہی اس کی

مقدار کے انتظام کا بہترین اور واحد طریقہ ہوگا۔ خواہ ملک کے اندر ہو یا باہر اس کی روانی تجارت کے اُتار چڑھاؤ ہی کی مطابقت سے ہونی چاہئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی پیش بینی یا سد باب کسی گورنمنٹ کے بس کی بات نہیں ہے البتہ زر فلزی کے قائم مقام یعنی زر قرطاس کے طریقے کی نہایت احتیاط سے نگرانی ہونی چاہئے کیونکہ اس سے ایسی حالت میں بھی زر فلزی کے وجود کا یقین دلایا جاتا ہے جبکہ اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں رہتا اور نہ اس کو باور کرنے کے وجوہ موجود رہتے ہیں۔ لیکن جس طرح غلہ۔ لوہا۔ کپاس وغیرہ جیسی عام استعمال کی اشیاء کی مقداروں کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا اسی طرح مقدار زر کے تعین کا بھی امکان نہیں ہے۔ پس مجھے یہ اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ اس امر کا تصفیہ کہ انتظام زر میں قانون کو کس وقت دخل دینا چاہئے اور کس وقت مداخلت سے پرہیز کرکے پوری آزادی دیدینی چاہئے نہایت مشکل ہے۔

اگر ہم اپنے موجودہ قوانین کرنسی و تجارت کا دسویں سے چودھویں صدی تک کے قوانین کے ساتھ موازنہ کریں تو ایک دوگونہ ترقی پائی جائے گی۔ بہت سی باتیں تو ایسی ظاہر ہونگی جن کو بذریعہ قانون منظم کرنے کی ہمارے آباؤ اجداد کوشش کیا کرتے تھے جن کو اب باتفاق رائے عامہ بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے اور بعض باتیں ایسی پائی جائیں گی جن کو انھوں نے بغیر نگرانی کے بالکل آزاد چھوڑ رکھا تھا اور اب سخت نگرانی میں رکھی جاتی ہیں۔ اجرتوں کی شرح، روئی کی قیمت، مختلف پیشوں کی انجام دہی جو اب قانون کی زد سے بالکل باہر ہیں اس زمانے میں قانون کے زیر نگرانی تھے۔ برعکس اس کے ملک کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کے گوناگوں اوزان و پیمانہ جات تھے جنھیں کسی عام معیار پر لانے کا کسی کو خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ تقریباً ہر بڑے شہر کی ایک علٰحدہ دارالضرب تھی۔ امرا اور مقتدایان مذہب اپنا اپنا سکہ چلایا کرتے تھے۔ گو اب بھی بعض اشخاص آزاد تسکیک کی حمایت کرتے ہیں لیکن تقریباً ہر متمدن ملک میں آج کل باتفاق رائے زر فلزی کی تسکیک کا کام حکومت ہی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ سکوں ہی کی طرح اوزان و پیمانہ جات کا بھی ایک یکساں اور عمومی نظام قایم ہے لیکن جہاں

ہم نے زر فلزی کی نگرانی میں اتنی احتیاط ملحوظ رکھی ہے ان بیسیوں کوششوں کو ایک قلم موقوف کر دیا ہے جو پچھلے زمانے میں دھاتوں کی درآمد کے لئے کی جایا کرتی تھیں تاکہ ٹکسال کا کام چلتا رہے۔

اسی طرح زر قرطاس کے انتظام کی بھی ضرورت ہے اور پہلے کی بہ نسبت ایک لحاظ سے کم اور دوسرے لحاظ سے زیادہ سخت نگرانی رکھنی چاہیئے جس طرح خانگی ٹکسالیں بند کر دی گئی ہیں اسی طرح خانگی نوٹوں کا اجرا بھی مسدود کر دیا جائے ہر ملک کا زر قرطاس یکساں ہو اور گورنمنٹ کی ایک خاص شاخ سے جو بہ نسبت بنک کے ٹکسال سے زیادہ مشابہ ہو یہ کام متعلق کر دیا جائے۔ زیادہ سخت نگرانی زر قرطاس کے اجرا پر ان معنوں میں رہے کہ اس کے اجرا میں اس رقم طلائی کی مناسبت سے کمی بیشی ہونی چاہیئے جو اس کی حمایت میں بہ شکل زر طلائی رکھی جاتی ہے۔ لیکن اس کی مجموعی مقدار کو مقرر کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں سخت نگرانی اور انتظام کی غرض یہ نہیں ہے کہ مجموعی مقدار کی حد بندی کر دی جائے۔ غایت صرف یہی ہے کہ اس مقدار کو طلب و رسد کے فطرتی قوانین کے زیر اثر چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ میری رائے میں تو خود نیابتی زر قرطاس کا اجرا ہی اُن قوانین میں بڑی مداخلت ہے جو ایک خالص زر فلزی کی کمی و بیشی کا انتظام کیا کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف قانون سخت نگرانی کرے تو دوسری طرف حقیقی آزادی پیدا ہو جاتی ہے۔ بریں ہمہ میں یہ مانتا ہوں کہ اس مضمون میں بہت سے نازک اور نہایت دقیق مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ معاشیاتی سائنس کی ترقیوں سے رفتہ رفتہ ان کے حل کی کوئی صورت نکل آئے۔

صحت نامہ

زر اور ذرائع مبادلہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۳	۳	۴
۲۰	۱۹	سکسین	سیکسن	۱۲۹	۱۴	چھبپ	چھپ
۴۹	۱۴	مظاہر	ظاہر	۱۳۲	۲۱	ڈبل رانڈر	ڈبل رائڈر
۵۲	۱۶	ہوجائے گا	ہوجائے گی	۱۴۳	۷	عالملگیر	عالمگیر
۶۰	۱۱	ساوزن	ساورن	۱۷۵	۶	سوسانٹی	سوسائٹی
۶۳	۲۰	ساوان	ساورن	۱۷۶	۱	معادات	معاہدات
۱۰۵	۲۱	کروئنزر	کروزر	۱۹۳	۵	ز، فلزی	زرفلزی
۱۰۶	۱۲	چمرے	چمڑے	۱۹۶	۸	مصتبیں	مصیبتیں
〃	۱۳	وردستہ	اوردستہ	۱۹۷	۱۷	پیدہوتی ہے	پیداہوتی ہے
۱۰۸	۱۲	لئے	نئے	۲۳۰	۴	تونھیں	تو انھیں
۱۱۵	۱	کرتاپڑے گا	کرناپڑے گا	۲۳۲	۳	وہاں اتنا	وہاں اتنا
〃	۱۶	بچھلے	پچھلے	۲۳۸	۲۵	بات	بابت
۱۱۶	۱۸	نسبتً	نسبتۃً	۲۵۷	۱۹	اجازت دتھی	اجازت دی تھی
۱۲۰	۱۱	مداج	مدارج	۲۷۰	۱۹	ہے	پر ہے
۱۲۳	۲۵	زرائع	زررائع	۲۷۸	۱۳	فررہم	فراہم